مطالعۂ نثرِ غالب

کان پور یونی ورسٹی کی ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے
تحقیقی وتنقیدی مقالہ

نگراں

پروفیسر جعفر رضا
صدر شعبۂ اردو، الہ آباد یونی ورسٹی

پیش کردہ

کاظم علی خاں
لکچرر، شعبۂ اردو، شیعہ ڈگری کالج، لکھنؤ

کان پور یونی ورسٹی
1993

MUTALEYA - E - NASR - E - GHALIB

A thesis supplicated for the Degree of
Doctor of Philosophy in urdu
under the faculty of Arts of the
UNIVERSITY OF KANPUR.

Under the Supervision of :

Prof. Jafar Raza,
Head Deptt. of Urdu,
University of Allahabad.

Supplicated by :

Kazim Ali Khan,
Lecturer,
Deptt. of Urdu,
Shia Degree College,
Lucknow.

****

KANPUR UNIVERSITY,
1993

فہرستِ ابواب

حرفِ آغاز

ایوانِ شعر و سخن میں، اپنے لازوال کارناموں کی بدولت جن عہد آفریں ادبا و شعرا نے شہرتِ عام اور بقائے دوام کی مسند حاصل کی ہے اُن میں "نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ" (۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء - ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء) کو امتیاز حاصل ہے۔ غالب حافظ کے فیضِ عشق کے قائل تھے۔ اُن کی تضمین کا ترجیحی مصرع انھیں پر صادق آگیا ہے:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

غالب کی متنوع ادبی شخصیت کے دائرۂ کار میں نظم کے دوش بدوش اُردو نثر کا قابلِ لحاظ ادبی سرمایہ موجود ہے لیکن شاعری کے علی الرغم اُن کی نثر نگاری کی جانب اہلِ قلم نے کم توجہ کی ہے۔ غالب کے ادبی اکتسابات کا یک رُخا مطالعہ غالب فہمی کی راہ میں سنگِ گراں بن گیا ہے۔ یہ مطالعۂ غالب میں ایسا مزاحمتی عنصر ہے جسے دور کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غالب کی اردو نثر پر پیشِ نظر تحقیقی و تنقیدی مقالہ اسی اہم ضرورت کی سمت پیش رفت کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔

برصغیر ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں غالب کی اردو نثر پر اب تک قابلِ لحاظ کام ہوا ہے لیکن پھر بھی اس تشنگی برقرار ہے۔ وہ اس اعتبار سے یک رُخا نظر آتا ہے کہ اُس میں لے دے کر غالب کی اردو مکتوب نگاری ہی شامل ہوتی رہی ہے۔ اردو نثر میں غالب کے دیگر ادبی اکتسابات کو قابلِ ذکر توجہ سے محروم رکھا گیا ہے جسے ہم نے غالب کے "غیر مکتوباتی منثور ادبی آثار" قرار دے کر مطالعہ و تجزیہ کی کوشش کی ہے۔ ان میں تقریظوں، دیباچوں، کتابچوں نیز متفرق نثری تحریروں کی قابلِ لحاظ تعداد شامل ہے۔ ہمارے مرتب کردہ اعداد و شمار کے گوشوارے کی بنیاد پر غالب کے ان غیر مکتوباتی منثور ادبی آثار کی تعداد ساڑھے تین درجن سے زائد ہو گئی ہے۔

زیرِ تسوید مقالے میں غالب کی اردو نثر کا پہلی بار مفصل تحقیقی و تنقیدی محاکمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آئندہ غالب کے غیر معروف ادبی آثار کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کے متوازن تجزیاتی مطالعے میں معاون ثابت ہوگا۔ مقالے کا یہ حصہ غالبیات کے باب میں تازہ انکشافات پر مبنی ہے جو غالب کے ادبی شعور کے متعدد و متنوع پہلوؤں کے مخفی گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ہماری کوشش رہی ہے کہ اس مقالے میں غالب کی اردو نثر کے متوازن اور معروضی تجزیے کے لیے نو دریافت حقائق اور تازہ انکشافات کا ایسا کارآمد مواد فراہم کیا جائے جس کی بنیاد پر مستقبل میں غالبیات کے پامال میدان میں نئی راہیں کھلنے کی قوی توقع کی جا سکتی ہے۔

اس مقالے میں مرزا غالب کی اردو مکتوب نگاری کا معروضی زاویۂ نظر سے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو نثرِ غالب میں اساسی اہمیت کے بعض پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے۔ اردو کے ادبی حلقوں میں عموماً خطوطِ غالب کے اسلوب کی

مدح میں قصیدے پڑھے جاتے رہے ہیں لیکن ان خطوط کے مواد کا تجزیاتی مطالعہ ہنوز نہیں کیا جا سکا ہے چہ جائے کہ غالب کے تمام منثور ادبی آثار کا تجزیہ کیا جاتا - زیر نظر مقالے میں خطوطِ غالب کے اسلوب کے پہلو بہ پہلو متن کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے جو اب تک عموماً نظر انداز کیا جاتا رہا ہے - اس مقالے میں خطوطِ غالب کے متعلق رائج اُن متعدد و متنوع غلط فہمیوں کے سدِ باب کی سعی کی گئی ہے جو حقائق کے بجائے مفروضات پر مبنی ہیں - اس مقالے میں درج ذیل نکات پر بھی بحث کی گئی ہے -

(۱) غالب کے مطبوعہ اُردو خطوط کی تعداد کا تعین اور اُن کے معروف مکتوب الیہم کی مفصل فہرست -

(۲) خطوطِ غالب کے اہم مجموعوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ -

(۳) غالب کے گم شدہ خطوط اور بعض غیر معروف مکتوب الیہم کی تلاش -

(۴) غالب کے بعض غیر معروف شاگردوں کی تلاش - خطوطِ غالب اور دوسرے مصادر کی روشنی میں

(۵) خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت

ذیل میں ابواب کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں :

پہلا باب : اُردو نثر میں غالب کی تقریظیں اور دیباچے

تقریظیں - تقریظوں کی تعداد ، اُن کے زمانۂ تحریر کا تعین (توقیت) ، مواد و اسلوب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ -

دیباچے - تعداد ، توقیت ، تمام دیباچوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

دوسرا باب : اُردو نثر میں غالب کے رسائل اور متفرق تحریریں

کتابچے - تعداد ، توقیت - تمام رسائل کے مواد و اسلوب کا تجزیاتی جائزہ -

متفرق تحریریں - تعداد و فہرست

تیسرا باب : خطوطِ غالب کے بعض ضروری مسائل نیز عود ہندی

(الف) غالب کے مطبوعہ اُردو خطوط - تعداد ، معروف مکتوب الیہم کی فہرست ، اُردو مکتوب نگاری کے زمانی دور کا تعین نیز خطوطِ غالب کے اہم مجموعوں کی فہرست

(ب) عود ہندی کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

چوتھا باب : اُردوئے معلّٰی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

(الف) اُردوئے معلّٰی حصہ ۱ - تحقیق و تنقید

(ب) اُردوئے معلّٰی حصہ ۲ - تحقیق و تنقید

پانچواں باب : خطوطِ غالب کے بعض دیگر اہم مجموعے - تحقیق و تنقید کی روشنی میں

(الف) مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی - تحقیق و تنقید

(ب) نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق - تحقیق و تنقید

چھٹا باب : غالب کے گم شدہ مکاتیب اور بعض غیر معروف مکتوب الیہم و تلامذہ

(۱) غالب کے گم شدہ خطوط اور بعض غیر معروف مکتوب الیہم

(۲) غالب کے بعض غیر معروف شاگردوں کی تلاش - خطوطِ غالب اور دوسرے مصادر کی روشنی میں

ساتواں باب : حرفِ آخر

خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت

اس تحقیقی مقالے کی تیاری کی مختلف منزلوں میں مجھے اپنے نگراں پروفیسر جعفر رضا سے جو مشورے ملتے رہے ہیں اُن کے بغیر مقالے کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ اس کام میں مجھے موصوف کی جن بے پایاں شفقتوں سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ اس علمی کام کی سرانجام دہی میں مجھے اپنے جن اور بہت سے کرم فرماؤں یا رفیقوں سے مختلف مشکل مرحلوں میں مدد یا حوصلہ افزائی ملتی رہی ہے اُن کی طویل فہرست میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل، مالک رام، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر نیر مسعود رضوی، ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر سید شبیہ الحسن نونہروی، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، پروفیسر گوپی چند نارنگ، رشید حسن خاں، اکبر علی خاں عرشی زادہ، ڈاکٹر حنیف نقوی، ڈاکٹر سید سلیمان حسین، پروفیسر منظر عباس نقوی، مخمور سعیدی؟ خواجہ، پروفیسر سید ابوالحسنات حقی، کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈاکٹر آغا محمد باقر، نواب رحمت اللہ خاں شروانی، ڈاکٹر اسلم پرویز، پروفیسر محمود الٰہی، پروفیسر آغا سہیل، راشد علی صدیقی اور ڈاکٹر علی جمیل زیدی کے نام شامل ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان تمام حضرات کا ممنون و متشکر ہوں۔

کاظم علی خاں
۲۷-بی/۱۰ جاپلنگ روڈ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
(اقامتی فون ۲۳۶۰۴۴)

لکھنؤ مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۹۳ء

پہلا باب

اُردو نثری کتب کی تقریظیں اور دیباچے

اُردو میں غالب کے نثری ادبی آثار (تمہید و تعارف)

"نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ" غالب[1] کا عہدِ حیات مہد سے لحد تک ۸ رجب ۱۲۱۲ھ سے ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ تک کی درمیانی مدت کو محیط رہا تھا جو عیسوی تقویم کی رو سے ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء تا ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کے مطابق متعین کیا گیا ہے[2]۔ غالب کے ادبی آثار کے دائرۂ کار میں اُردو و فارسی نظم و نثر کا جو سرمایہ شامل ہے اُس کے متعلق عام ادبی حلقے اس امر سے پوری طرح باخبر ہیں کہ غالب کے ادبی سفر کی ابتدائی اور درمیانی منزلوں میں اُردو و فارسی نظم اور فارسی نثر تو اُن کی رفیقِ سفر نظر آتی ہیں مگر اُن کی ادبی زندگی کی ابتدائی اور درمیانی منزلوں میں اُردو نثر اُن کی رفیقِ سفر رہنے سے محروم ملتی ہے۔ اُردو نثر دراصل غالب کی ادبی زندگی کی کتاب کا وہ آخری باب ہے جو دورِ شباب کے بجائے عہدِ شیب کی یادگار ثابت ہوتا ہے۔ اُردو نثر میں غالب (متولد ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء) کے معلوم و موجود مطبوعہ ادبی آثار کے اولین نقوش مکتوبِ غالب بہ نام حقیر مورخہ ۹ مارچ ۱۸۴۸ء سے ملنا شروع ہوتے ہیں جب وہ اپنے سفرِ حیات کی پچاس سال سے بھی زیادہ کی مدت طے کر چکے تھے[3]۔ اس اعتبار سے اُردو نثر میں غالب کے تمام تر دستیاب مطبوعہ ادبی آثار اُس دور کی یادگار ہیں جب اُن کا ادبی شعور اپنی ابتدائی تشکیلی اور تجرباتی منزلوں سے گزر کر فنی پختگی سے ہم کنار ہو چکا تھا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک اُردو نثر ہی غالب کے خیابانِ شعر و ادب کا آخری اور سدا بہار ثمر ثابت ہوتی ہے۔

اُردو نثر میں غالب کے ادبی آثار کا اصل و اہم حصّہ تو وہ سیکڑوں مطبوعہ خطوط ہیں جن کی تفصیل و تفسیر پر اس مقالے کے (ابواب ۴ تا ۶ / مقالے کے ابتدائی دو ابواب) میں تحقیق اور تنقید ملے گی مگر زیرِ نظر باب میں خطوط سے قطعِ نظر کر کے اُردو نثر میں غالب کے اُن "غیر مکتوباتی" ادبی آثار پر اظہارِ خیال کیا جا رہا ہے جن کے دائرۂ کار میں بہ تفصیلِ ذیل ساڑھے تین درجن سے بھی زائد نثر پارے شامل ملتے ہیں۔ (الف) تقریظیں ۴ عدد (ب) دیباچے ۸ عدد (ج) رسائل ۶ عدد (د) متفرق تحریریں ۲۸ عدد۔ غالب کے مذکورہ بالا ۴۶ نثر پاروں میں سے زیرِ نظر پہلے باب میں تقریظوں اور دیباچوں پر گفتگو کی گئی ہے اور دوسرے باب میں رسائل و متفرق تحریروں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

تقریظیں:

۱۔ بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر تقریظ - زمانۂ تحریر ۱۲۷۰ھ / مطابق اواخر ۱۸۵۳ء یا اوائل ۱۸۵۴ء

۲۔ تقریظ مثنوی شعاعِ مہر - زمانۂ تکمیل اواخر ۱۲۷۴ھ مطابق اگست ۱۸۵۸ء

۳۔ تقریظ گلزارِ سرور - زمانۂ تحریر ۱۲۷۹ھ مطابق ۶۳-۱۸۶۲ء

۴۔ تقریظ خاش و خماش - زمانۂ تحریر ۱۲۸۱ھ مطابق ۶۵-۱۸۶۴ء

دیباچے:

۱- دیباچۂ سراج المعرفت ۔ زمانۂ تحریر قبل از ۳ جمادی الاول ۱۲۷۰ھ مطابق ۲ فروری ۱۸۵۴ء [8]

۲- دیباچۂ حدائق الانظار ۔ زمانۂ تحریر ۱۲۷۰ھ سے ۱۲۸۲ھ تک کی درمیانی مدت کے دوران [9]
۱۸۵۳-۵۴ء ۔۔۔ ۱۸۶۶ء

۳- دیباچۂ مجموعۂ قصائدِ نادر ۔ زمانۂ تحریر قبل از ۱۲ ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ/ ۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء [10]

۴- دیباچۂ فیضِ صغیر ۔ زمانۂ تحریر ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء [11]

۵- دیباچۂ دیوانِ سخی ۔ زمانۂ تحریر نامعلوم [12]

۶- دیباچۂ انتخابِ غالب ۔ زمانۂ تحریر ۱۸۶۴ء/ ۸۱-۱۲۸۰ھ [13]

۷- دیباچۂ لطائفِ غیبی ۔ زمانۂ تحریر ۱۸۶۴ء/ ۸۱-۱۲۸۰ھ [14]

۸- دیباچۂ تیغِ تیز ۔ زمانۂ تحریر ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء [15]

حواشی

[1] بہ حوالۂ عکسِ سرورق مہر نیم روز طبع اول مشمولہ شاعر بمبئی غالب نمبر فروری/مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۳۲

[2] غالب کی ولادت و وفات کی ہجری تاریخیں درج ذیل کتابوں پر مبنی ہیں:

(۱) عودِ ہندی: غالب ۔ مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اول ۔ مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۶۹

(۲) کلیاتِ غالب ۔ مطبعِ منشی نول کشور [لکھنؤ] ۔ طبع ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۳ء ص ۵۵۴
(دیکھیے غالب کی فارسی رباعی بہ سلسلۂ ہجری سنہ ولادت)

(۳) اردوئے معلیٰ حصہ اول: غالب ۔ اکمل المطابع دہلی ۔ طبع اول مطبوعہ جمعہ [۵ر] مارچ ۱۸۶۹ء ص ۴۶۰

بعض لوگوں نے جن میں ڈاکٹر حنیف نقوی بھی شامل ہیں غالب کے سنہ ولادت کی صحت پر شک کیا ہے مگر ان اصحاب کا یہ نظریہ اپنے اثبات کے لیے ابھی مزید ثبوت و شواہد کا طالب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

(الف) غالب ۔ احوال و آثار: حنیف نقوی ۔ نصرت پبلشرز لکھنؤ طبع ۱۹۹۰ء ص ۱۴ تا ۵۶

(ب) غالب دروں خانہ: کالی داس گپتا رضا ۔ ساکار پبلشرز بمبئی طبع دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۲۵ تا ۵۰

۳؎ بہ حوالۂ مقالۂ کاظم علی خاں (راقم الحروف) "غالب کی اردو مکتوب نگاری۔ آغاز و محرکات"
مشمولہ رسالہ نیا دور لکھنؤ نومبر ۱۹۷۵ء ص ص ۲۳ تا ۲۴

۴؎ اس تقریظ کے مصادر اور دیگر امور پر مفصل گفتگو زیرِ نظر باب میں آگے ملاحظہ ہو۔

۵؎ تقریظ کے مصادر وغیرہ کی تفصیل باب اوّل میں موجود ہے۔

۶؎ مفصل گفتگو باب اوّل میں اپنے مقام پر آگے ملے گی۔

۷؎ تفصیلی گفتگو زیرِ نظر باب میں آگے آ رہی ہے۔

۸؎ مشمولہ اردوے معلّیٰ (حصہ ۲) : غالب۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱
تا ۵۔ یہ دیباچہ دوسرے اور مصادر میں بھی چھپ چکا ہے۔

۹؎ اس دیباچے پر مفصل گفتگو باب اوّل میں موجود ہے۔

۱۰؎ مفصل گفتگو باب اوّل میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

۱۱؎ مشمولہ اردوے معلّیٰ (حصہ ۲) ص ۱۴

۱۲؎ مشمولہ مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور
طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ص ۲۸۱ تا ۲۸۲

۱۳؎ زیرِ نظر مقالے کے دوسرے باب میں متعلقہ بحث رسائل کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

۱۴؎ دوسرے باب میں تفصیلی گفتگو آگے ملے گی۔

۱۵؎ تفصیلی گفتگو زیرِ نظر مقالے کے باب ۳ میں آگے موجود ہے۔

7 غالب کی اردو تقریظ نگاری

ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں غالب نے اپنی فارسی تقریظوں کے متعلق لکھا ہے:

"---- کیا کروں، اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کم تر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ مرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوان حافظ کی بموجب فرمائش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے، اُس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اُن کا نام اور اُن کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی مطالب ہیں----" [1]

مولانا حالی نے مرزا غالب کی تقریظوں کے بارے میں لکھا ہے:

"مرزا پر تقریظوں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں اور جیسا کہ ظاہر ہے تعریف کی مستحق فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت چوں کہ صلح جو اور مرنج و مرنجاں واقع ہوئی تھی وہ کسی سے انکار تو نہیں کرتے تھے مگر اپنی تقریظ نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحبِ کتاب خوش بھی ہو جائے۔ بہت سا حصہ تمہید میں، یا مصنف کی ذات اور اُس کے اخلاق، یا اُس کی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو بے محل نہ ہوں، ختم ہو جاتا تھا۔ اخیر میں کتاب کی نسبت چند جملے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے تھے اور مصنف کے خوش کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے، لکھ دیتے تھے----" [2]

P.T.O

غالب کی اُردو تقریظوں کے چند تراشے درج ذیل ہیں:

"....نثر میں نعمت خان عالی کی طرز کا احیا کیا ہے، مگر پیرایہ کچھ اُس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا جربہ اُٹھایا ہے، مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز، عاشقانہ سوز و گداز۔ منشی حبیب اللہ ذکا، سخن ور ہمہ داں یکتا۔ لفظ طراز معنی آفریں، آفریں صد آفریں صد ہزار آفریں۔" ۳

".... شہنشاہِ گیتی پناہ، مسندِ حرم نشین، اہلِ دل ہم نشین۔ امرائے دستہ دستہ، دست بستہ۔ صفحہ نگار بھی مانندِ خار سرِ دیوارِ باغ و پروانہ پائے چراغ، اس چمن میں نشاط اندوز اور اس انجمن میں ادب آموز۔ زبانِ مبارک گہرفشاں ہوئی، حقیقتِ مذہب اہلِ سنت و جماعت بیان ہوئی ...." [اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء ص ۱]

".... اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے، چشمہ ہے، ندی ہے، سیل ہے، دریا ہے۔ کیسی روانی، کس زور کا پانی۔ اس کا چڑھاو، اس کی رفتار، اس پر کس کا زور، کس کا اختیار۔ جدھر جھک گیا اُدھر ایک نالہ بہا دیا۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔ ہاں اہلِ خرد کو اُٹھا لینا چاہیے جو لطف جس بات میں ہو۔ یہ مثنوی کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے، اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحرِ سخن سے اِدھر کو بہی ہے۔ سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے، تقطیعِ شعر اس کا لباس اور مضامین اُس کا زیور ہے۔ دیدہ وروں نے شاہدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں رو کش ماہِ تمام پایا ہے، اسی رو سے اس مثنوی نے شعاعِ مہر نام پایا ہے ...." ۴

"...... یہ جو حدیقۃ العشاق [کذا۔ حدائق العشاق]
کا فارسی زبان سے اُردو عبارت میں نگارش پایا ہے،
بعینہ ارم کا زمین دنیا سے اُٹھ کر بہارستان قدس کا
ایک باغ بن جانا ہے۔ وہاں حضرت رضوان [ارم]
کے نخل بند و آبیار ہوئے، یہاں مرزا رجب علی بیگ
سرور حدیقۃ العشاق [؟ حدائق العشاق] کے صحیفہ
نگار ہوئے۔ کس سے کہوں کہ اس بزرگوار کا اردو نثر میں
کیا پایہ ہے اور اس سحر بیان کا کلام شاہد معنی کے واسطے
کیسا گراں بہا پیرایہ ہے ...... مجھ کو دعوا تھا کہ اندازِ بیان
کی خوبی میں فسانۂ عجائب بے نظیر ہے جس نے میرے دعوے
کو اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹایا وہ یہ تحریر ہے
......" [عود ہندی طبع اول ص ۱۸۰ تا ۱۸۱]

غالب کی اُردو تقریظیں قافیہ پیمائی، عبارت آرائی، آورد، تصنع، تکلف، مبالغہ آرائی اور انشا پردازی کے اُن تمام عناصر سے گراں بار نظر آتی ہیں جو عہدِ رفتہ کی قدیم نثر کے لیے ضروری لوازم سمجھے جاتے تھے۔ دورِ حاضر کی اُردو نثر اب ان قدیم لوازم کو ترک کر چکی ہے۔ غالب کے اردو خطوط کے اہم اوصاف صفائی، سادگی، بے تکلفی، شوخی، ظرافت، شگفتگی، جدت، ندرت، تازگی، خیال انگیزی، خلوص اور اثر آفرینی سے غالب کی اُردو تقریظیں یک سر محروم ملتی ہیں۔ غالب کی اُردو تقریظیں اُن کے اُردو خطوط کی بلندی تک تو کیا پہنچتیں اُن کی فارسی تقریظوں سے بھی فروتر ہیں۔ غالب کی فارسی تقریظوں کے مقابلے میں اُن کی اُردو تقریظیں کمیت و کیفیت دونوں ہی لحاظ سے سبک معلوم ہوتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ غالب جیسے صفِ اول کے نثر نگار کی اِن روکھی پھیکی اُردو تقریظوں پر ناقدین نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ غالب کی اُردو تقریظوں کے بارے میں ناقدین کی ایک بڑی تعداد خاموش نظر آتی ہے البتہ مولانا حالی[5]، مولانا حامد حسن قادری[6]، ڈاکٹر سید عبداللہ[7]، مولانا غلام رسول مہر[8] اور ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار[9] نے غالب کی تقریظوں پر مختصر سا تبصرہ فرمایا ہے۔ راقم الحروف نے غالب کی تمام اُردو تقریظوں پر زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں بحث کی ہے۔

اُردو نثر میں غالب کی بہ تفصیلِ ذیل چار[10] مطبوعہ تقریظیں ملتی ہیں:

(۱) بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی تقریظ — زمانۂ تحریر ۱۲۷۰ھ مطابق ۵۴-۱۸۵۳ء[11]
(۲) شعاعِ مہر پر غالب کی تقریظ — زمانۂ تحریر آغاز اگست ۱۸۵۸ء[12]
(۳) گلزارِ سرور پر غالب کی تقریظ — زمانۂ تحریر ۱۲۷۹ھ مطابق ۶۳-۱۸۶۲ء[13]
(۴) فاش و خاشی پر غالب کی تقریظ — زمانۂ تحریر ۱۲۸۱ھ مطابق ۶۵-۱۸۶۴ء[14]

سطورِ گذشتہ سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۵۳ء سے قبل غالب اُردو تقریظ نگاری کی جانب متوجہ نہ ہوئے تھے اور محولہ بالا تمام اُردو تقریظیں غالب [متولد ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء]

[illegible]

دیے ہیں اُس میں ۔۔۔۔ اس تقریظ کا ذکر کر دیجیے ۔۔۔"[17]

تقریظ کے متعلق غالب کا یہ خیال درست نہیں کہ یہ کتاب کے آخر میں ہی چھاپی جاتی ہے۔ تقریظ کتاب کے آغاز میں بھی ہو سکتی ہے۔ مثنوی شعاع مہر نیز گلزار سرور میں خود غالب کی تقریظیں اِن دونوں کتابوں کے آغاز میں شائع ہوئی ہیں۔[18] تقریظ کی یہ غیر جامع تعریف تقریظ کے صحیح مفہوم سے غالب کی بے خبری کی غماز ہے۔ تقریظ کے متعلق ناکافی معلومات کے نتیجے میں غالب نے خود اپنی تین کتابوں میں اپنی تحریروں کو تقریظ کا عنوان دیا ہے[19] حالانکہ خود اپنی کتاب پر مصنف کی تحریر کو تقریظ قرار دینا درست نہیں۔ تقریظ کے متعلق بعض ضروری امور درج ذیل ہیں۔

عربی لفظ "تقریظ" کے لغوی معنی زندہ انسان کی تعریف ہیں۔[20] اِن معنوں میں مصنف خود اپنی کتاب پر تقریظ نہیں لکھ سکتا کیونکہ اس سے خود ستائی کا معیوب پہلو نکلتا ہے۔ بہ لحاظِ موضوع ہم تقریظ کو قصیدے سے قریب پاتے ہیں۔ مبالغہ آمیز مدح قصیدہ و تقریظ دونوں میں روا ہے۔ جس طرح خود اپنی مدح میں قصیدہ کہنا مناسب نہیں اُسی طرح خود اپنی کتاب پر تقریظ لکھنا بھی نامناسب ہے۔ جو دخل تخیل کی بلندی کو قصیدہ نگاری میں ہے تقریظ نگاری میں وہی مقام انشاپردازی کو حاصل ہے۔ آورد اور تصنع کا رنگ قصیدہ و تقریظ دونوں کا وصف ہے۔ اسی لیے دورِ حاضر کے حقیقت پسند مزاج نے قصیدہ و تقریظ دونوں ہی کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا ہے۔

تقریظ اور دیباچہ بھی کسی حد تک ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔ دونوں میں کسی کتاب یا اُس کے مصنف کے متعلق اظہارِ خیال ہوتا ہے۔ تقریظ کسی زندہ انسان کی مدح ہوتی ہے لیکن دیباچے کے معنی کتاب کا آغاز، چہرہ، شروع، تمہید، بتائے جاتے ہیں [لغات سعیدی]۔ دیباچہ صرف کتاب کے آغاز میں ہو سکتا ہے مگر تقریظ کتاب کے شروع یا آخر دونوں ہی جگہ ہو سکتی ہے۔ دیباچہ زندہ کے علاوہ مردہ شخص کی کتاب پر بھی لکھا جا سکتا ہے لیکن تقریظ عموماً زندہ شخص کی کتاب پر ہوتی ہے حالانکہ بعض کتابیں تقریظ کے لیے زندوں کی تخصیص کو قبول نہیں کرتی ہیں۔[21] دیباچہ دوسرے کی کتاب کے ساتھ ساتھ خود اپنی کتاب پر بھی لکھا جا سکتا ہے لیکن تقریظ خود اپنی کتاب پر نہیں لکھی جا سکتی۔ تقریظ عموماً مختصر ہوتی ہے لیکن دیباچہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ طویل بھی ہو سکتا ہے۔[22] تقریظ نثر کے علاوہ نظم میں بھی ہو سکتی ہے لیکن دیباچہ عموماً نثر میں ہوتا ہے البتہ غالب کے ادبی آثار میں ایک منظوم فارسی دیباچہ بھی شامل ہے۔[23]

تقریظ کے متعلق اِن تمام ضروری امور سے غالب پوری طرح باخبر نہ تھے۔ تقریظ نگاری کے ضروری آداب و شرائط سے غالب کی بے خبری بھی تقریظ نگاری سے غالب کی عدم دلچسپی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ تقریظ نگاری سے غالب کی عدم دلچسپی اور تقریظ کے آداب و شرائط سے غالب کی بے خبری کے باعث غالب کی اُردو تقریظیں اُن کی اُردو نثر کا اعلا اور معیاری نمونہ نہیں۔ بدمزگی اور بے لطفی سے لکھی ہوئی غالب کی یہ اُردو تقریظیں بے مزہ اور بے لطف ہیں۔ غالب کی اُردو نثر کے معیاری نمونے ہمیں اُن کے اُن خطوط میں ملتے ہیں

جو غالب نے اپنے بے تکلف دوستوں کو بڑے ذوق و شوق سے لکھے تھے لیکن غالب کی یہ بے مزہ اردو تقریظیں اہمیت و افادیت سے یک سر خالی نہیں۔ اِن تقریظوں کی مدد سے ہم اردو نثر میں غالب کے اُس رنگین اور پُر تکلف اسلوبِ نگارش کا جائزہ لے سکتے ہیں جو خطوطِ غالب میں عام طور پر مفقود ہے۔ یہ تقریظیں ہمیں غالب کے بعض دوستوں اور شاگردوں سے رُوشناس کراتی ہیں۔ اِن تقریظوں کی رہنمائی میں ہم اُن کتابوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جو غالب کے زیرِ مطالعہ رہ چکی ہیں۔ عجب نہیں کہ اِن کتابوں کا بالاستیعاب اور بافہم مطالعہ ہم پر غالب کے ذہن اور ادبی شعور کی نشو و نما میں معاون بعض ایسے تشکیلی عناصر و محرکات کو بے نقاب کر دے جو ابھی تک ناقدین کی دسترس میں نہ آئے ہوں۔

حواشی

۱؎ اردوئے معلیٰ (حصہ اول) : غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اول مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۸۲

۲؎ یادگارِ غالب : مولانا حالی - الہ آباد طبع ۱۹۵۸ء ص ۸۰

۳؎ اردوئے معلیٰ (حصہ دوم) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۲ تا ۱۳

۴؎ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اول مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۰

۵؎ یادگارِ غالب ص ۸۰ نیز ص ۱۸۴

۶؎ داستانِ تاریخِ اردو : مولانا حامد حسن قادری - آگرہ طبع ۱۹۶۶ء ص ۴۲۱

۷؎ میرامن سے عبدالحق تک : ڈاکٹر سید عبداللہ - چمن بک ڈپو دہلی ص ص ۶۲ تا ۶۳

۸؎ خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۳۴۳

۹؎ محاسنِ خطوطِ غالب : ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار مکتبہ خیابانِ ادب لاہور طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۲۰

۱۰؎ اِن چار تقریظوں کے علاوہ خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۷۵ میں "تقریظ جامِ جہاں نما" کے عنوان سے غالب کی ایک تحریر کو تقریظ فرض کیا گیا ہے لیکن تحریر کا متن اُسے تقریظ کے بجائے ایک خط ثابت کرتا ہے۔

۱۱؎ یہ تقریظ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۸ تا ۱۱ میں شامل ہے۔

۱۲؎ مشمولہ عودِ ہندی طبع اول ص ص ۱۷۹ تا ۱۸۰۔

۱۳؎ غالب کی یہ تقریظ عودِ ہندی طبع اول (ص ص ۱۸۰ تا ۱۸۲) میں موجود ہے

۱۴؎ مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۲/۱۳ - اِس تقریظ کو عام طور پر دیباچہ

سمجھا جاتا رہا ہے مگر میں نے اسے بہ دلائل تقریظ ثابت کیا ہے اور اس کا زمانۂ تحریر بھی متعین کیا ہے۔

۱۵ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۲۷ نیز ص ۱۳۸

۱۶ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب۔ مطبع منشی نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۱۴۱ تا ۱۴۲

۱۷ پنج آہنگ (آہنگ پنجم): مترجمہ محمد عمر مہاجر۔ ادارۂ یادگارِ غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۸۹ تا ۹۰

۱۸ رک: ① شعاعِ مہر: مرزا حاتم علی مہر۔ مطبع حیدری آگرہ مطبوعہ ۵ر دسمبر ۱۸۶۰ء ص ص ۲ تا ۳ [صفحاتِ تقاریظ]

② گلزارِ سرور: مرزا رجب علی بیگ سرور۔ مطبع افضل المطابع فرنگی محل لکھنؤ (سنہ اشاعت ندارد) شائع کردہ محمد یعقوب [پشت سرورق]

۱۹ رک: ① قاطعِ برہان: غالب۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اول مطبوعہ ۱۲ر رمضان ۱۲۷۸ھ [مارچ ۱۸۶۲ء] ص ۹۷

② کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء ص ص ۵۵۳ تا ۵۵۵

③ غالب نے اپنی فارسی مثنوی ابرِ گہربار میں بھی اپنی ایک تقریظ شامل کی ہے [باغِ دودر: غالب۔ مرتبہ وزیر الحسن عابدی۔ لاہور طبع ۱۹۷۰ء متن ص ۱۰۸]

۲۰ لغاتِ سعیدی۔ مطبع مجیدی کانپور طبع ۱۹۳۹ء

۲۱ بہ حوالہ نقدِ غالب: مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ انجمن ترقیِ اردو (ہند) علی گڑھ طبع جون ۱۹۵۶ء ص ۵۲۷ [مقالہ قاضی عبدالودود]

۲۲ مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی۔ ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۴۶ء میں مولانا عرشی کے تحریر کردہ دیباچے کی ضخامت ۲۵۴ صفحات ہے۔

۲۳ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء ص ص ۱۱۳ تا ۱۱۶ میں غالب کی منظوم تقریظ اور منظوم دیباچہ موجود ہے۔

بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی تقریظ

منزل حکمراں بہادر شاہ ظفر کے دربار میں ملازمت غالب کے صحیفۂ حیات کا ایک اہم باب ہے۔ شعبان ۱۲۶۶ھ [مطابق جولائی ۱۸۵۰ء] میں ملنے والی اس شاہی ملازمت نے غالب پر خطاب و خلعت کے وہ دروازے کھولے تھے[1] جن پر دستک دیتے رہنا غالب کی زندگی کا ایک مرغوب مشغلہ تھا۔ شاہی ملازمت اور خطاب نے غالب کی اقتصادی حالت اور سماجی حیثیت میں خوش گوار تبدیلی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی ادبی زندگی کو بھی متاثر کیا۔ یہ شاہی ملازمت غالب کے جن متعدد فارسی و اردو ادب پاروں کو وجود میں لانے کے لیے محرک ثابت ہوئی اُن میں مہر نیم روز کے علاوہ وہ قصائد، قطعات، مثنویات، رباعیات و غزلیات بھی شامل ہیں جو بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ہیں یا جن کا وجود لال قلعے کے شاہی شاعروں کا رہین منت ثابت ہوتا ہے[2]۔ غالب کے اردو نثر پاروں میں بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر ایک تقریظ بھی شامل ہے۔ خلیق الرحمٰن داؤدی کا یہ ارشاد درست نہیں کہ یہ تقریظ عود ہندی میں شامل ہوئی تھی[3]۔ میں عود ہندی کو اس تقریظ سے خالی پاتا ہوں۔ یہ تقریظ اردوے معلّیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء میں چھپی تھی[4] اور اب یہ خطوط غالب مرتبہ مولانا غلام رسول مہر نیز اردوے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصہ دوم مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل میں بھی شامل ہے[5]۔ غالب کی یہ تقریظ بہادر شاہ ظفر کی جس کتاب پر لکھی گئی تھی وہ اب نابید ہے اور اب وثوق کے ساتھ اس کتاب کے نام کا بھی پتا نہیں چلتا۔ مولانا فاضل لکھنوی کا قیاس ہے کہ اس کتاب کا نام اعلام نامہ تھا[6] اور غالب کا ایک خط مولانا فاضل لکھنوی کے اس قیاس کی تائید کرتا ہے[7]۔

بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی یہ تقریظ جن حالات کا نتیجہ تھی یہاں اُن کا اجمالی بیان بھی ضروری ہے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ عید الفطر یعنی یکم شوال ۱۲۶۹ھ [مطابق ۹ جولائی ۱۸۵۳ء] کو بہادر شاہ ظفر سخت علیل ہوگئے[8]۔ بادشاہ کی صحت کے لیے درگاہ حضرت عباس لکھنؤ میں علم چڑھانے کی منت مانی گئی۔ بادشاہ کی شفایابی کے بعد ۶ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ [مطابق ۸ دسمبر ۱۸۵۳ء] کو درگاہ حضرت عباس لکھنؤ میں علم چڑھایا گیا۔ ۸ دسمبر ۱۸۵۳ء کے اس واقعے سے قبل ہی ۴ ستمبر ۱۸۵۳ء نیز ۹ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے دہلی اردو اخبار میں بہادر شاہ ظفر کے متعلق ایسی خبریں شائع ہو رہی تھیں جو شیعیت کی جانب بادشاہ کے رجحان کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ علم چڑھائے جانے کے واقعے کے بعد اس بات کی شہرت کو مزید تقویت ملی کہ بہادر شاہ ظفر اپنے آبائی مذہب کو بدل کر شیعہ ہوگئے ہیں۔ یہ خبر جب لکھنؤ سے دہلی پہنچی تو وہاں بادشاہ کی مخالفت کا ایک طوفان اٹھ پڑا۔ اس خبر کی تردید میں وزیر سلطنت حکیم احسن اللہ خاں نے اشتہارات و رسائل شائع کرائے۔ ان مطبوعات میں بہادر شاہ ظفر کی کتاب [اعلام نامہ ؟] بھی تھی اور اسی کتاب میں غالب کی زیر مطالعہ اردو تقریظ شامل تھی۔ میری اطلاع کے بہ موجب بہادر شاہ ظفر کی کتاب اعلام نامہ ۲۳ جنوری ۱۸۵۵ء

[مطابق ۲۳ر ربیع الآخر ۱۲۷۰ھ] تک شائع ہو چکی تھی۔[9] ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی یہ تقریظ ۶ر ربیع الاوّل ۱۲۷۰ھ سے ۲۳ر ربیع الآخر ۱۲۷۰ھ [۸ر دسمبر ۱۸۵۳ء سے ۲۳ر جنوری ۱۸۵۴ء] تک کی درمیانی مدت میں لکھی گئی ہوگی۔

اس تقریظ میں غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہ کی کتاب مکمل ہونے پر "پیش گاہِ سلطنتِ ابد مدت" [یعنی بہادر شاہ ظفر کے وزیر حکیم احسن اللہ خاں] نے غالب کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کی اس کتاب پر اردو میں تقریظ لکھ کر "اظہارِ حسنِ اطاعت" کریں۔[10] گویا بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی یہ تقریظ حکیم احسن اللہ خاں کے حکم پر لکھی گئی تھی۔

اس تقریظ سے قبل بادشاہ کے حکم پر غالب نے ایک فارسی مثنوی بہ عنوان "کلماتِ طیبات" بھی لکھی تھی جس میں نہ صرف بادشاہ کے شیعہ ہو جانے کی خبر کی تردید کی گئی تھی بلکہ بعض شیعی عقائد پر اعتراضات بھی کیے گئے تھے۔ غالب چونکہ خود شیعہ تھے لہٰذا اُن کی مثنوی میں شیعی عقائد پر اعتراضات غالب کے ہم عقیدہ شیعہ حلقوں کے لیے باعثِ تشویش ثابت ہوئے[11] اور غالب کو لکھنؤ کے مجتہد العصر مولانا سیّد محمد کے نام اپنے ایک فارسی خط میں[12] معذرت کرنا پڑی تھی۔ مولانا سیّد محمد کے نام غالب کے اس فارسی خط کے ضروری حصّے کا اردو مفہوم درجِ ذیل ہے:

> "..... میرا گناہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں نے بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کی تھی..... جس طرح نغمے کی تخلیق میں مغنی مضراب لگاتا ہے اور تار سے آواز نکلتی ہے اُسی طرح مثنوی لکھنے میں مضمون سارا بادشاہ کا تھا اور صرف لفظ میرے تھے۔ اس کے علاوہ یہ سارے شعر میرے نہیں؛ اوروں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کیے ہیں....."[13]

مثنوی کے ذکر پر مشتمل مولانا سیّد محمد کے نام غالب کا یہ فارسی خط پنج آہنگ طبع دوم [مطبوعہ اپریل ۱۸۵۳ء] میں بھی شامل ہے[14] جس سے پتا چلتا ہے کہ غالب کی یہ مثنوی اپریل ۱۸۵۳ء سے قبل ہی کہی جا چکی ہوگی۔

مذکورہ بالا مثنوی کے سلسلے میں غالب جس ناگوار صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے اُس کا ذکر غالب نے اپنی اس زیرِ بحث تقریظ میں بھی کیا ہے۔ غالب کا بیان ہے کہ جب بادشاہ کے شیعہ ہونے کی خبر پر دہلی کے "علمائے نام دار و مشائخ کبار" نے بہادر شاہ سے استفسار کیا تو بادشاہ کی "زبانِ مبارک گہرفشاں ہوئی، حقیقتِ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت بیاں ہوئی۔ سوءِ ظنِ علما، اس مجمعِ عظیم میں بہ پیرایۂ حسنِ ظن جلوہ گر ہوا، خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثباتِ قدم مسلکِ تسنن پر باور ہوا۔ مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت کے بہ موجب ارشاد قالبِ نظم میں ڈھلے، ناگاہ جانبِ اجانب سے اس نظم کے جواب میں کچھ وار چلے۔ یہ گنہگار بے گناہ بھی بہ ذم ممدوح ہوا اور خنجرِ زبان کے زخم سے مجروح ہوا....." [اردوئے معلّی

حصہ دوم مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۹ تا ۱۰] [ص ۹ تا ۱۰]

اپنی مجوزہ بالا مثنوی کے بیچ جو کر غالبؔ کو شیعی حلقوں کے سامنے معذرت پیش کرنا پڑی تھی لہٰذا زیر بحث تقریظ میں غالبؔ خاصے محتاط نظر آتے ہیں۔ اس تقریظ میں کئی جگہ غالبؔ نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ بادشاہ کے شیعہ ہونے کی خبر کی تردید میں لکھی جانے والی نظم و نثر خود غالبؔ کے خیالات کی حامل ہونے کے بجائے مغل حکمراں اور اُن کے وزیر کے احکام کا نتیجہ ہے۔ تقریظ میں غالبؔ نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... ناچار یہ رسالہ جیسا کہ حضرت مولف نے دیباچے میں لکھا ہے، لکھا گیا اور مجھ کو تقریظ نگاری کے واسطے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، کہا گیا۔ میں اگر اس گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو البتہ وضع تحریر کا موضوع لہ مجہول رہ جاتا۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے، شیوۂ سخن دانانِ معنی آفریں اور ہے۔ نہ سُنّیہ ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں، نہ فقیہہ ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں۔ غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں، فلک زدۂ خانماں برباد دادہ ہوں۔ تابِ آفتابِ حوادث سے ظل اللہ کے سایۂ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں۔ گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔ احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے کہ وہ غیب داں اور اپنے بندوں پر مہرباں ہے، یہ نہیں کہ اور کسی کا گنہگار ہوں۔ جو مجھ کو اپنا ہم کیش سمجھیں اُن سے دعائے مغفرت کا متوقع اور جو مجھ کو اپنا مخالفِ مذہب گمان کریں اُن سے دعائے تخفیفِ عذاب کا امیدوار ہوں ..." [اردوئے معلّیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۰ تا ۱۱]

اس تقریظ کی تمہید میں غالبؔ نے نطق کے متعلق جو مقفّیٰ انشا پردازی کی ہے [۱۲] وہی تمام عبارت آرائی معمولی فرق کے ساتھ تقریظِ شعاعِ مہر میں بھی غالبؔ نے دوہرائی ہے [۱۳]۔ دونوں کتابوں کی تقریظ میں ایک ہی بیان کی موجودگی بتاتی ہے کہ تمہیدی عبارت کا یہ جز بہادر شاہ ظفر کی کتاب کے موضوع سے کوئی خصوصی ربط و تعلق نہیں رکھتا اور نطق کے بارے میں غالبؔ کی یہ تمام انشا پردازی ایک ایسی آزاد نوعیت کی

عبارت ہے جس کی پیوند کاری نگارش کی آرائش کے لیے کسی بھی تحریر میں کی جا سکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب اس طریقۂ کار کے عادی تھے۔ تقریظ نگاری کے علاوہ غالب کی فارسی قصیدہ نگاری میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی قصیدہ ایک سے زائد ممدوح کے نام منسوب ملتا ہے[١٧]۔ ایک ہی قصیدے کو کئی ممدوحوں کے نام منسوب کرنا یا ایک ہی عبارت کو کئی تقریظوں میں استعمال کرنا ہمارے نزدیک غالب کے ادبی شعور کا ایک ایسا منفی پہلو ہے جس کی کارفرمائی غالب کی نثر و نظم دونوں ہی میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔

بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر زیرِ مطالعہ تقریظ میں غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہ کے شیدہ ہونے کی خبر بادشاہ کی تخت نشینی کے اٹھارہویں سال مشہور ہوئی تھی[١٨]۔ بہادر شاہ ظفر ١٢٥٣ھ میں تخت نشین ہوئے تھے[١٩]۔ اس طرح اُن کا اٹھارہواں سنہ جلوس ١٢٧٠ھ کے مطابق ہے۔ اِن شواہد سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی یہ تقریظ ١٢٧٠ھ [٥٤-١٨٥٣ء] میں لکھی گئی ہوگی۔

اس تقریظ میں غالب نے اپنا یہ شعر بھی درج کیا ہے:

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا[٢٠]

یہ شعر بہادر شاہ ظفر کی مدح میں غالب کے ایک قصیدے [صبح دم دروازۂ خاور کھلا][٢١] میں شامل ہے۔ یہ قصیدہ دیوانِ غالب کے اُس قلمی نسخے میں موجود ہے جس کا زمانۂ ترتیب نصف آخر ١٨٥٢ء [٦٩-١٢٦٨ھ] متعین کیا گیا ہے[٢٢]۔ تقریظ میں اِس شعر کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہ تقریظ بحوالہ بالا قصیدے کی تخلیق [نصف آخر ١٨٥٢ء] کے بعد ٥٤-١٨٥٣ء میں تحریر ہوئی ہوگی۔ یہ شہادت بھی میرے اِس معروضے کی تائید کرتی ہے کہ بہادر شاہ ظفر کی کتاب [اعلام نامہ ؟] پر غالب کی زیرِ بحث اُردو تقریظ ٨ دسمبر ١٨٥٣ء سے ٢٣ جنوری ١٨٥٤ء [٦ ربیع الاوّل ١٢٧٠ھ سے ٢٣ ربیع الآخر ١٢٧٠ھ] تک کی درمیانی مدت میں لکھی گئی ہوگی۔

حواشی

[١٨] مہرِ نیم روز مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب۔ مطبع منشی نول کشور کانپور طبع اپریل ١٨٨٨ء ص ٢٧١ تا ٢٧٢
[١٩] تفصیل کے لیے دیکھیے غالب اور خاندانِ تیموریہ: خلیق انجم۔ مکتبہ جامعہ دہلی طبع دسمبر ١٩٧٤ء ص ٥٨ تا ٤٧
[٢٠] مجموعۂ نثرِ غالب اُردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی۔ مجلس ترقی ادب لاہور طبع نومبر ١٩٦٧ء ص ٢٩٨
[٢١] اردوئے معلّیٰ (حصّہ دوم): غالب۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ١٨٩٩ء ص ص ٨ تا ١١
[٢٢] ر۔ک: (١) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر۔ علی پرنٹنگ پریس لاہور طبع ١٩٦٨ء ص ص ٥٦٩ تا ٥٧٠
(٢) اردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ دوم: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع ١٩٧٠ء ص ص ٨٦٧ تا ٨٦٨

۶ اردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ دوم : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۸۷۴ (حاشیہ ۱)

۷ نادراتِ غالب (حصّہ دوم) : مرتبہ آفاق حسین آفاق مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء ص ۵۰

۸ ایضاً (حصّہ دوم) ص ص ۴۸ تا ۴۹

۹ ان واقعات کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل مصادر ملاحظہ ہوں:

① یادگارِ غالب : مولانا حالی - الہ آباد ۱۹۵۸ء ص ص ۲۳ تا ۲۷

② بہادر شاہ ظفر : امیر احمد علوی - نامی پریس لکھنؤ طبع جولائی ۱۹۳۵ء ص ص ۸۰ تا ۸۵

③ متفرقاتِ غالب : مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۴۹ء ص ص ۲۶ تا ۴۱

④ نگارشاتِ ادیب : مسعود حسن رضوی - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۶۹ء ص ۱۹۶

⑤ ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا : مولانا امداد صابری - مکتبہ شاہراہ دہلی طبع اکتوبر ۱۹۵۹ء ص ۱۰۸

⑥ اردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ دوم : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۸۷۶ (حاشیہ ۱)

⑦ غالب اور شاہانِ تیموریہ : ڈاکٹر خلیق انجم ص ص ۳۷ تا ۵۱

⑧ نادراتِ غالب (حصّہ دوم) : مرتبہ آفاق حسین ص ص ۵۰ تا ۵۱

۱۰ اردوئے معلّیٰ (حصّہ دوم) - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۸

۱۱ تفصیل کے لیے دیکھیے : ① نگار رام پور ماہ فروری ۱۹۶۳ء ص ص ۱۲ تا ۱۷ [مضمون: رفیق حسین فاضل]
② متفرقاتِ غالب ص ص ۲۶ تا ۴۱ نیز ص ص ۱۵۷ تا ۱۶۱

۱۲ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ص ۲۲۸ تا ۲۲۹

۱۳ پنج آہنگ (آہنگِ پنجم) : غالب - مترجمہ محمد عمر مہاجر - ادارۂ یادگارِ غالب کراچی
طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۱۵۴ تا ۱۵۵

۱۴ پنج آہنگ : غالب - مطبع دار السلام دہلی طبع دوم - مطبوعہ اپریل ۱۸۵۳ء ص ۲۲۴

۱۵ اردوئے معلّیٰ (حصّہ دوم) طبع اپریل ۱۸۹۹ء (ص ص ۸ تا ۹) کی یہ عبارت دیکھیے:
" اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا ---- ادھر کو بہی ہے۔"

۱۶ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء]
ص ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ میں شامل شجاع مہر میر غالب کی تقریظ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:
" اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا ---- ادھر کو بہی ہے۔"

۱۷ تفصیل کے لیے دیکھیے غالب اور شاہانِ تیموریہ ص ص ۶۱ تا ۶۳

۱۸ اردوئے معلّیٰ حصّہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۹

۱۹ بہادر شاہ ظفر : امیر احمد علوی ص ۸۴

۲۰ اردوئے معلّیٰ حصّہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۰

۲۱ دیوانِ غالب - مطبع صدر مجلس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ص ۸۹ تا ۹۰

۲۲ بہ حوالہ دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) : مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی - انجمن ترقی اردو
(ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۵۸ء متن ص ص ۱۳۸ تا ۱۴۱ نیز دیباچہ ص ص ۸۴ تا ۸۵

شعاعِ مہر پر غالب کی تقریظ

غالب کے متفرق اردو نثر پاروں میں مثنوی شعاعِ مہر سے متعلق ایک تحریر بھی شامل ہے جسے مولانا غلام رسول مہر[۲۰] اور خلیل الرحمان داؤدی[۲۱] "خاتمۂ شعاعِ مہر" قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس تحریر کے آخری حصے میں غالب کا بیان ہے: "---- مثنوی کی طرزِ تحریر دل پذیر ہوئی، اس راہ سے یہ تقریظ دل پذیر تحریر ہوئی۔ چاہیے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریظ کو مثنوی سے جدا نہ کرے ----" اس کے علاوہ شعاعِ مہر طبع اول میں غالب کی اس تحریر کے عنوان میں بھی اسے تقریظ قرار دیا گیا ہے اور یہ تقریظ شعاعِ مہر کے خاتمے کے بجائے کتاب کے آغاز [ص ص ۲ تا ۳] میں شامل ہے[۲۲] ان داخلی اور خارجی شواہد کی بنیاد پر غالب کی یہ تحریر تقریظِ شعاعِ مہر ثابت ہوتی ہے اور اس کے لیے "خاتمۂ شعاعِ مہر" کا عنوان قائم کرنا درست نہیں۔ اس سہو کا سبب یہ ہے کہ اس تقریظ کو جب عودِ ہندی کے خطوط کے خاتمے پر جگہ دی گئی تو عودِ ہندی طبع اول اور بعد کی اشاعتوں[۲۳] میں لفظ "خاتمہ" [جو دراصل عودِ ہندی میں شامل خطوط کے خاتمے کے لیے تھا] کو زیرِ بحث تقریظ کے سرنامے کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ کتابت کے اس سہو نے عودِ ہندی میں تقریظ کے عنوان کو یہ شکل دے دی: "خاتمہ مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی کی تقریظ" چناں چہ لفظ "خاتمہ" کو تقریظ کے عنوان میں شامل سمجھ کر لفظ "تقریظ" کو زائد قرار دیتے ہوئے حذف کر دیا گیا ہے[۲۴]

غالب کی اس تقریظ کے متعلق خلیل الرحمان داؤدی کا یہ اندراج نظرِ ثانی کا محتاج ہے کہ "یہ تقریظ بھی عودِ ہندی میں شامل ہو کر پہلے شائع ہو گئی اصل متن شعاعِ مہر کے ساتھ بعد میں شائع ہوا۔"[۲۵] واقعہ یہ ہے کہ یہ تقریظ پہلے شعاعِ مہر کے ساتھ ۱۸۶۰ء میں چھپی تھی اور اس کے بعد یہ عودِ ہندی میں بھی شائع ہوئی جس کا پہلا اڈیشن ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] کو چھپا تھا۔[۲۶]

مثنوی شعاعِ مہر پر غالب کی تقریظ کے متعلق یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس تقریظ کی تمہید بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر لکھی جانے والی غالب کی تقریظ کی تمہید سے بڑی حد تک مماثل ہے[۲۷] دونوں تقریظوں میں شامل مشترک تمہیدی حصہ تقریظِ شعاعِ مہر میں تقریظِ کتاب ظفر سے ماخوذ ہے اور یہ مشترک حصہ اصل تقریظِ شعاعِ مہر سے قبل لکھا جا چکا تھا۔[۲۸]

تقریظِ شعاعِ مہر کا بقیہ تقریباً نصف آخر حصہ [" ---- سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے ---- یہاں ہم کہتے ہیں کہ جدا نہ کرے۔" (مشمولہ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۸۰)] تقریظِ کتاب ظفر سے مختلف ہے اور مہر و مثنوی مہر سے متعلق ہے۔ غالب کی تقریظ کے اس آخری حصے کا زمانۂ تحریر کیا ہے؟ اس سوال پر کافی چھان بین کے بعد راقم الحروف کو بعض ایسے شواہد ملے ہیں جو اس امکان کی تائید کرتے ہیں کہ تقریظِ شعاعِ مہر کا مذکورہ بالا نصف آخر حصہ مثنوی شعاعِ مہر کی تکمیل [۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۹ء][۲۹] سے قبل ہی آغاز اگست ۱۸۵۸ء [مطابق اوائل ۱۲۷۴ھ] تک نہ صرف لکھا جا چکا تھا بلکہ مکمل تقریظ کی شکل میں مہر کو آگرہ ارسال بھی کیا جا چکا تھا۔ اس نظریے کے بیے تائیدی شواہد سطور ذیل میں پیش ہیں۔

۱۸۵۸ء کے نصف آخر میں مہر، حقیر، تفتہ اور آرام کے نام غالب کے متعدد خطوط سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں افراد اس زمانے میں آگرے میں یک جا تھے۔ تفتہ اس وقت تک نہ صرف غالب کے عزیز شاگرد کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ وہ برسوں سے غالب سے خط و کتابت کر رہے تھے جیسا کہ خطوطِ غالب بہ نام تفتہ سے ثابت ہے۔ اگست ۱۸۵۸ء تک مرزا حاتم علی مہر کو غالب سے قدیمی شناسائی کا شرف نہ تھا۔[13] ان حالات میں میرا یہ اندازہ بعید از امکان نہ ہوگا کہ مہر نے اپنی مثنوی شعاعِ مہر پر غالب سے تقریظ لکھوانے میں تفتہ کی مدد حاصل کی تھی۔ مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ۲۷ جولائی ۱۸۵۸ء کو تفتہ کا ارسال کردہ ایک پارسل وصول کیا تھا۔[14] قیاس غالب ہے کہ اسی پارسل میں وہی "اوراقِ مثنوی" ہوں گے جن کا ذکر مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۵۸ء میں غالب نے یوں کیا ہے:

> "مرزا تفتہ! تمہارے اوراقِ مثنوی کا بیم فلٹ پاکٹ پرسوں ۱۵ اگست کو اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اُس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہیں معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدوم کے مقبولِ طبع ہوئی یا نہیں۔۔۔۔"[15]

غالب کے اس بیان کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی تفتہ کی تھی اور نثر مہر کی۔ لیکن آگے پیش ہونے والی متعدد شہادتوں کی بنیاد پر غالب کے اس بیان سے میں یہ مطلب نکالتا ہوں کہ غالب نے تفتہ کے ارسال کردہ اوراقِ مثنوی بیم فلٹ پیکٹ کے ذریعے ۱۵ اگست ۱۸۵۸ء کو واپس ارسال کیے تھے اور حاتم علی مہر کی مطلوبہ نثر آغاز اگست ۱۸۵۸ء میں بھیجی تھی۔ غالب کو نثر کی رسید نہیں ملی تھی اور وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ یہ نثر مہر کو پسند آئی یا نہیں۔ غالب نے اوراقِ مثنوی اور مہر کے لیے نثر کا ذکر ایک ہی جملے میں کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوراقِ مثنوی اور نثر میں باہمی تعلق ہے۔ ان قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوراقِ مثنوی شعاعِ مہر سے متعلق تھے اور نثر شعاعِ مہر پر غالب کی تقریظ تھی۔

اگست ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا ہے:

> "صاحب! تم نے مرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا؟ بات اتنی تھی کہ تجھ کو لکھ بھیجیے کہ نثر آئی اور مرزا صاحب [یعنی مرزا حاتم علی مہر] نے پسند کی۔ اب اُن سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپ کے شکر بجا لانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔۔۔۔"[16]

غالب کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ [مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۵۸ء] میں غالب نے جس نثر کے لیے "میرزا حاتم علی صاحب کی نثر" لکھا تھا وہ مہر کی نثر نہ تھی بلکہ وہ مہر کے لیے غالب کی نثر تھی۔ مہر کا نثر کو پسند کرنا نثر کو غالب کی تحریر بتاتا ہے اور نثر پر مہر کا غالب کے لیے شکریہ یہ بتاتا ہے کہ "اوراقِ مثنوی" سے تعلق رکھنے والی غالب کی یہ نثر در اصل شعاعِ مہر پر غالب کی تقریظ تھی۔

میرے اِس نظریے کو سطورِ ذیل کی شہادتوں سے مزید تقویت ملتی ہے۔
ستمبر ۱۸۵۸ء کے نصفِ ثانی کے ایک خط میں غالب نے تفتہؔ کو لکھا ہے:

"بندہ پرور آپ کا مہربانی نامہ آیا، آپ کی مہرانگیز اور
محبت خیز باتوں نے غم کو کیا بھلایا۔ کہاں دھیان لڑا ہے،
کہاں سے دستنبو کی مناسبت کے واسطے 'ید بیضا' ڈھونڈ
نکالا ہے۔ آفرین، آفرین، صد ہزار آفرین!"[17]

یہ غالب کی کتاب دستنبو پر تفتہ کے قطعۂ تاریخ کا ذکر ہے[18] جس میں تفتہ نے "ید بیضا" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ "ید بیضا" کی یہ ترکیب تفتہ نے شعاع مہر پر غالب کی تقریظ کے اِس فقرے سے حاصل کی ہے: "۔۔۔۔ سچ تو یوں ہے کہ سخن ور روشن ضمیر مہر چہر میرزا حاتم علی مہر کو سخن طرازی میں ید بیضا ہے۔۔۔۔" [عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۰]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ کو جب آغاز اگست ۱۸۵۸ء میں شعاع مہر پر غالب کی تقریظ ملی تو تفتہ نے غالب کے مذکورہ بالا فقرے سے "ید بیضا" کی ترکیب کو عطیۂ غالب سمجھ کر اپنے قطعۂ تاریخ میں استعمال کیا۔ ستمبر ۱۸۵۸ء کے آس پاس تفتہ کا اپنے قطعۂ تاریخ میں غالب کی تقریظ کی ترکیب "ید بیضا" کو استعمال کرنا بتاتا ہے کہ اس وقت تک تفتہ کو غالب کی زیرِ بحث تقریظ مل چکی تھی۔

اب اِس سلسلے میں ایک قابلِ غور اہم بات یہ ہے کہ شعاع مہر طبع اوّل (ص ۱۳۸) میں بعض قطعاتِ تاریخ مثنوی کا سنہ تکمیل ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء بتاتے ہیں۔ شعاع مہر پر غالب کی تقریظ اوائل اگست ۱۸۵۸ء [مطابق اواخر ۱۲۷۴ھ] تک لکھی جا چکی تھی۔ اِن حالات میں مثنوی کی تکمیل سے قبل ہی تقریظ کا وجود میں آجانا الجھن کا سبب بنتا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اِس بات کا امکان ہے کہ غالب نے "اوراقِ مثنوی" کی شکل میں تفتہ کی ناتمام مثنوی کے نمونے دیکھ کر تقریظ لکھ دی تھی۔ غالب کی تقریظ میں مثنوی کے مندرجات [یعنی واقعات اور کرداروں وغیرہ] کا ذکر نہ ہونا بھی اِس امر کی تائید کرتا ہے کہ تقریظ لکھتے وقت غالب کے سامنے مثنوی کی مکمل کہانی وغیرہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۸ء کے وسط یا نصف آخر کے ایک خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا ہے: "مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے، کیا کہنا ہے، کیا حظ اٹھایا۔

خدا سے میں بھی چاہوں از رہِ مہر — فروغ میرزا حاتم علی مہر

اگر اِسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامۂ اردو کہلائے گی۔"[19] اِس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۵۸ء کے نصف آخر تک غالب نے پوری مثنوی کے بجائے مثنوی کے کچھ اشعار ہی دیکھے تھے جیسا کہ غالب کے فقرے "مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے" سے واضح ہوتا ہے۔ غالب کا یہ جملہ کہ "اگر اِسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامۂ اردو کہلائے گی" بھی اِسی بات پر منتج ہے کہ غالب نے تفتہ کی نامکمل مثنوی دیکھی تھی۔ ۱۷ اگست ۱۸۵۸ء کے محولہ بالا خط میں غالب نے تفتہ کی اِسی ناتمام مثنوی کے لیے "اوراقِ مثنوی" لکھا ہے۔ "اوراقِ مثنوی" سے میں تفتہ کی زیرِ بحث نامکمل مثنوی مراد لیتا ہوں۔

شعاعِ مہر کی تقریظ میں غالب رقم طراز ہیں: "..... سب جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے، مہر کے حسنِ گفتار اور میرے صدقِ اظہار پر برہانِ قاطع یہ مثنوی ہے...." [عودِ ہندی طبع اوّل ص ۱۸۰]۔ تقریظ میں برہانِ قاطع کی ترکیب کا استعمال اِسی نکتے کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ اواخر جولائی ۱۸۵۸ء کے آس پاس تقریظ لکھتے وقت غالب محمد حسین برہان کا مشہور فارسی لغت برہانِ قاطع دیکھ رہے تھے اور یہ نام اُن کے ذہن میں موجود تھا۔ اِسی زمانے میں غالب نے دستنبو کو خالص دساتیری زبان میں لکھا تھا[۲۳] اور خالص دساتیری فارسی الفاظ کی تلاش و جستجو میں وہ برہانِ قاطع کی ورق گردانی کر کے اُس پر اپنے اعتراضات تحریر کرتے جا رہے تھے جو بعد کو قاطع برہان کے نام سے چھپے تھے[۲۴]۔ اِسی لیے قاطع برہان کو دستنبو کا "ثمرِ ثانوی" قرار دینا غلط نہ ہوگا۔[۲۵] قاطع برہان کا وہ نسخہ جس پر غالب نے جا بجا اپنے اعتراضات رقم کیے تھے یکم اگست ۱۸۵۸ء کو خود غالب نے نواب علائی کو بطور تحفہ دے دیا تھا۔[۲۶] گویا غالب نے یکم اگست ۱۸۵۸ء تک برہانِ قاطع پر اپنے اعتراضات ابتدائی شکل میں لکھ ڈالے تھے۔ دستنبو میں غدر کا حال بھی ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک ہی درج کیا گیا ہے جیسا کہ خود دستنبو میں غالب کے بیان سے ظاہر ہے۔[۲۷] اِن شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ اواخر جولائی ۱۸۵۸ء تک غالب دستنبو کے سلسلے میں برہانِ قاطع دیکھ رہے تھے اور برہانِ قاطع اُن کے ذہن پر طاری تھی۔ اِن حالات میں تقریظِ شعاعِ مہر میں ترکیب "برہانِ قاطع" کا استعمال اِس امر پر دال ہے کہ زیرِ بحث تقریظ اواخر جولائی یا اوائل اگست ۱۸۵۸ء میں لکھی گئی تھی۔

شواہد و دلائل کی اِن تمام بکھری ہوئی کڑیوں کو ایک سلسلے میں مربوط کرنے کے بعد میں اِس امکان کو قریب بہ یقین پاتا ہوں کہ مثنوی شعاعِ مہر پر غالب کی زیرِ مطالعہ تقریظ مثنوی کی تکمیل سے قبل ہی آغازِ اگست ۱۸۵۸ء تک معرضِ وجود میں آ چکی تھی۔

مثنوی مہر پر غالب کی یہ تقریظ متعدد کتب میں موجود ہے[۲۸] لیکن شعاعِ مہر طبع ۱۸۶۰ء میں اِس تقریظ میں چند ایسے حصے بھی شامل ہیں جن سے تقریظ کے دوسرے مطبوعہ نسخے محروم نظر آتے ہیں۔ سطورِ ذیل میں شعاعِ مہر طبع ۱۸۶۰ء سے غالب کی تقریظ مع عنوان پیش کی جاتی ہے۔ تقریظ میں دوسرے نسخوں کے مقابلے میں جو زائد حصہ ملتا ہے اس کی نشان دہی کی غرض سے اسے بریکٹ [ ] میں درج کیا گیا ہے۔ شعاعِ مہر طبع ۱۸۶۰ء ص ۲ (صفحات تقاریظ) میں تقریظِ غالب کا عنوان یوں درج ملتا ہے:

"تقریظ تحریرِ فخرِ سابقین و لاحقین، الحق بہر ذرہ دہ مہر مبین،
خاقانی و انوری کو اُن سے تلمذ کا فخر، جناب نواب میرزا اسد اللہ خاں غالب بہادر"

یہ عنوان کتاب میں دو سطروں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد غالب کی تقریظ کتاب کے تقریباً ڈیڑھ صفحے کو محیط ہے۔ شعاعِ مہر طبع ۱۸۶۰ء میں تقریظ غالب کا متن یہ ہے:

"اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امورِ دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالحِ دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود، بلکہ اگر بہ مثل اسمِ اعظم فرض کیجیے تو اس کی بھی نمود، جب تک اس لطیفۂ غیبی کا شمول نہ ہو عالمِ امکان میں ممکن نہیں۔ مسائلِ حکیمانہ کی ہستی، ترہاتِ ندیمانہ کی مستی؛ درد و درماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسوں کے مقاصد کا مدار؛ شکر و شکایت کا عنوان، نفرین و آفرین کا بیان، ردّ و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت؛ حرف و نحو کی راز دانی، نثر و نظم کی گل افشانی؛ جو کچھ اگلوں نے کہا ہے، جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے؛ جو کچھ آگے کہیں گے، اور قیامت تک کہتے رہیں گے؛ جو کچھ متعلق نیک و بد و نکوہش سے ہے، سب وابستہ نطق و سخن سے ہے؛ اب سمجھیے کہ سخن از رُوے مثال کیا ہے، چشمہ ہے ندی ہے سیل ہے دریا ہے؛ کیسی روانی، کس زور کا پانی؛ اس کا چڑھاو اس کی رفتار، اس پر کس کا زور کس کا اختیار؛ جدھر منہ کیا، اُدھر ایک عالم بہا دیا؛ دریا کی پیریا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہو، ہاں اہلِ خرد کو اٹھا لینا چاہیے جو لطف جس بات میں ہو۔ یہ مثنوی کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے، اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحرِ سخن سے اِدھر کو بہی ہے۔ سخن ایک معشوقۂ پری پیکر ہے، تقطیعِ شعر اس کا لباس اور مضامین اس کا زیور ہے۔ دیدہ وروں نے شاہدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکشِ ماہِ تمام پایا ہے، اسی رُو سے اس مثنوی نے شعاعِ مہر نام پایا ہے۔ ہمیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں مہر سے مراد آفتاب ہے، یہ شعاع اس مہر کی ہے کہ جو ذرۂ خاکِ راہِ ابوتراب ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ سخن ور روشن ضمیر مہر چہر مرزا حاتم علی مہر کو سخن طرازی میں یدِ بیضا ہے، اور از رُوے انصاف اس طرح سے کہ نہ اُدھر سے لاف نہ اِدھر سے گزاف، سچ سچ صاف صاف، یہ مہر اپنے ہم نام مہرِ سپہر کا ہم چشم اور ہمتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے، مہر کے حسنِ گفتار اور میرے صدقِ اظہار پر برہانِ قاطع یہ مثنوی ہے۔ میں فنِ تاریخ و معما سے بیگانہ ہوں، صرف حُسنِ معنیِ خداداد کا دیوانہ ہوں۔ مثنوی کی طرزِ تحریر دل پذیر ہوئی، اس راہ سے یہ تقریظ دل پذیر تحریر ہوئی۔ چاہیے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریظ کو مثنوی سے جدا نہ کرے، ہاں ممکن ایسا اگر ہے کہ کسی زمانے میں سہو و غفلت سے یہ اتفاق ہو جائے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ خدا نہ کرے۔ [تو صاحبِ تقریظ کو تمام کرتا ہوں، اور اس مصرعے پر ختمِ کلام کرتا ہوں مصرع

خوشنودیِ احباب کا طالب غالب]" [۲۶]

پیش کردہ متن کے زائد جز میں غالب نے اپنی جس عبارت (خوشنودیِ احباب کا طالب غالب)
کو مصرع قرار دیا ہے وہ ان کے بعض خطوط میں بطور نثر نقل[۲۷] ہوتی رہتی ہے مثلاً مورخہ دوشنبہ ۱۲ جولائی ۱۸۶۳ء
کے ایک خط بہ نام قاضی نور الدین حسین خاں فائق کو غالب نے اسی فقرے پر تمام کیا ہے
[خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۰۷]۔ مگر تقریظ کا متنِ مذکورۂ بالا
متن خود غالب کے بیان کی بنیاد پر اسی عبارت کو ایک نئی شکل دیتا ہے اور شاید دیوانِ غالب
کو اسی تقریظ کی بدولت ایک مصرع بھی ملتا ہے۔

مطبوعہ مثنوی شجاعِ مہر کے متعلق غالب نے مہر کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

"---- مثنوی بھیجی، جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال
ہے۔ انداز اچھا، بیان اچھا، روزمرہ صاف۔ جبشیوں [کذا؟
جیشنوں[۲۸]] کا استغاثہ کیا کہوں کیا مزا دے رہا ہے: ؎

بیگم صاحب بھوڑے میں بھایا
جھٹا بیگم نے بے حرمت کرایا[۲۹]

اِس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ بنا دیا ----"[۳۰]

شجاعِ مہر کے متعلق اپنی تقریظ اور محولۂ بالا خط میں غالب نے تعریفوں کے جو پل باندھے ہیں وہ
اصل مثنوی کے مطالعے کے بعد منہدم ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی غالب کے بیان کے برخلاف مہر کے
"حسنِ گفتار" اور غالب کے "صدقِ اظہار" کا ثبوت دینے سے قاصر نظر آتی ہے۔ شجاعِ مہر کے بارے
میں غالب کی رائے ہے: "اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ بنا دیا۔" غالب کی اس
رائے کے علی الرغم ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کا بیان ہے کہ مثنوی شجاعِ مہر "---- میرحسن،
نسیم، شوق ---- کی مثنویوں کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس میں نہ جذبات نگاری کی اچھی
مثالیں ہیں اور نہ مناظرِ قدرت کی تصویریں۔"[۳۱] شجاعِ مہر کے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین کی
رائے ہے: "---- مجموعی حیثیت سے مثنوی پُرلطف نہیں کیوں کہ اس میں منظر نگاری یا
جذبات نگاری کے اچھے نمونے نہیں۔"[۳۲]

ان حقائق کی روشنی میں شجاعِ مہر کے بارے میں اپنے خط میں غالب نے مثنوی کی
جو تعریف و توصیف کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ یا تو غالب معیاری اردو مثنویوں
کے مطالعے سے محروم تھے یا اردو مثنوی کے لیے ان کی پسند کا معیار بلند نہ تھا۔ غالب کے کلام میں
کسی بلند پایہ اردو مثنوی کی عدم موجودگی بھی اردو مثنوی سے غالب کی عدم دلچسپی کی غماز
ہے۔[۳۳] زیرِ بحث تقریظ غالب کے اس منفی ذہنی رجحان کی بھی نشان دہی کرتی ہے جس کے ماتحت
وہ اپنے دوستوں اور ہم نواؤں کی بے جا تعریف اور پاسداری کرنے میں پس و پیش سے کام نہ
لیتے تھے۔ میرحسن اور دیا شنکر نسیم کی مثنویاں شجاعِ مہر سے پرانی ہونے کے باوجود
آج بھی سکۂ رائج الوقت ہیں جب کہ شجاعِ مہر تقویم پارینہ ہو کر گمنامی کے تاریک نہاں
خانے میں غروب ہو چکی ہے اور ادبی تاریخ کا ایک ایسا فراموش کردہ ورق بن چکی ہے

جو تاریخ ادب کے حافظے سے محو ہو کر طاقِ نسیاں میں ڈال جا چکا ہو۔

حواشی

۱ شعاعِ مہر غالب کے شاگرد مرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی [متوفی اگست ۱۸۷۹ء] کی ایک منقبتیہ مثنوی ہے۔ مہر لکھنوی کے حالات کے لیے دیکھیے مضمون "مرزا حاتم علی مہر لکھنوی: سوانح اور ادبی آثار" از کاظم علی خاں شمولہ نیا دور، لکھنؤ جنوری ۱۹۸۰ء ص ۱۰ وبعدہ

۲ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر - غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۷۳

۳ مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ۲۹۲

۴ عودِ ہندی: غالب - مطبع مجتبائی، میرٹھ طبع رجب ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۰ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۵ شعاعِ مہر: مرزا حاتم علی مہر - مطبع حیدری، آگرہ طبع ۱۸۶۰ء ص ص ۲ تا ۳ [صنعتِ تاریخ]

۶ دیکھیے: (۱) عودِ ہندی طبع اول [مطبوعہ ۱۲۸۵ھ] ص ۱۶۹

(۲) عودِ ہندی - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع دسمبر ۱۹۲۵ء ص ۱۲۳ [مملوکہ کاظم علی خاں]

(۳) عودِ ہندی - راجا رام کمار بک ڈپو، لکھنؤ طبع ۱۹۶۰ء بہ تصحیح امیر حسن نورانی ص ۲۵۲

(۴) عودِ ہندی - مطبع تیج کمار، لکھنؤ طبع ۱۹۶۸ء ص ۲۵۲

(۵) عودِ ہندی: مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حسنین - شائع کردہ رام نرائن لال پبلشرز، الٰہ آباد طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۹۷

۷ اس غلطی کی نشان دہی اور تصحیح مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل نے کی ہے [عودِ ہندی: مرتبہ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب، لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۲۴۳ (مع حاشیہ ۱)]

۸ مجموعۂ نثرِ غالب اردو ص ۲۹۲

۹ عودِ ہندی طبع اوّل [مطبوعہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء] ص ۱۸۸ کے مندرجات بتاتے ہیں کہ یہ کتاب ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] کو مطبع مجتبائی، میرٹھ سے شائع ہوئی تھی۔

۱۰ دونوں تقریظیں خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر طبع لاہور ۱۹۶۸ء [ص ۵۶۹ نیز ص ۵۷۳] میں شامل ہیں اور ان کا باہمی تقابلہ کرکے دونوں تقریظوں کے مشترک حصے کو دیکھا جا سکتا ہے

۱۱ اس سلسلے میں سطورِ گزشتہ میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۱۲ شعاعِ مہر طبع اول (ص ۱۳۸) میں مولوی عبدالوہاب کے قطعۂ تاریخ سے مثنوی کا سنہ تکمیل ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء برآمد ہوتا ہے۔

۱۳ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق مہر کے نام غالب کے کسی ایسے خط کا پتا نہیں چلتا جو ۱۸۵۸ء سے قبل لکھا گیا ہو۔ مہر کے نام غالب کے ایک خط [جس کا زمانۂ تحریر عودِ ہندی: مرتبہ مولانا فاضل ص ۲۶۵ میں جولائی ۱۸۵۸ء متعین کیا گیا ہے] کے مندرجات مہر و غالب کے درمیان تازہ اور نئی دوستی کے مظہر ہیں۔

۱۴ اردوئے معلیٰ (حصہ اول): غالب - اکمل المطابع، دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۵۸ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۱۵؎ ایضاً ص ۳۸

۱۶؎ اُردوئے معلّٰی (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد اوّل : مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب، لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۱۳۷

۱۷؎ اُردوئے معلّٰی (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد دوم : مرتبہ مولانا فاضل - مجلس ترقی ادب، لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۵۰۴

۱۸؎ دستنبو طبع اوّل میں تہر کا یہ قطعۂ تاریخ چھپا تھا : سے

اسد اللہ خاں غالب تہر ← حبذا ازد اتم چہ دستنبو

نامہ خود سال خویش دادن اں ← یہ بیعا ستم، چہ دستنبو [بہ حوالہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل]

۱۹؎ اردوئے معلّٰی (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد دوم ص ص ۵۲۴ تا ۵۲۵

۲۰؎ دستنبو غدر ۱۸۵۷ء کے حالات پر غالب کی مشہور فارسی کتاب ہے - دستنبو پر راقم الحروف نے ایک علاحدہ مضمون میں مفصل بحث پیش کی ہے -

۲۱؎ قاطع برہان : غالب - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع اوّل مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۲۷۸ھ [مطابق شنبہ ۲۲ مارچ ۱۸۶۲ء] - اس کتاب کا ایک نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے جو خاصا کم یاب ہے -

۲۲؎ بہ حوالہ غالب نامہ : شیخ محمد اکرام - احسان بک ڈپو، لکھنؤ ص ۱۵۶

۲۳؎ بہ حوالہ مضمون مولانا امتیاز علی خاں عرشی بہ عنوان " غالب اور برہان " مشمولہ آئینۂ غالب شائع کردہ بیلی کے شنز ڈویژن دہلی - ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۹۳

۲۴؎ دستنبو مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب - مطبع منشی نول کشور، کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۱۰۱ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۲۵؎ رک : ① عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ ② عودِ ہندی - مطبع نول کشور طبع ۱۹۱۵ء ص ۱۴۲ ③ عودِ ہندی : مرتبہ مولانا فاضل ص ص ۳۴۴ تا ۳۴۵ ④ عودِ ہندی - دانش محل بک ڈپو لکھنؤ طبع ۱۹۶۰ء ص ص ۲۵۲ تا ۲۵۳ ⑤ عودِ ہندی - مطبع تیج کمار، لکھنؤ طبع ۱۹۴۸ء ص ۱۵۲

⑥ عودِ ہندی : مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حسنین طبع ۱۹۶۹ء ص ص ۲۹۷ تا ۲۹۸

⑦ خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۵۷۳ تا ۵۷۴

⑧ مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ۲۹۳

۲۶؎ شعاعِ مہر - مطبع حیدری آگرہ طبع ۱۸۶۰ء ص ص ۲ تا ۳ صفحات تقاریظ [اس کتاب کے پیچھے میں جناب امجد علی خاں کا ممنون ہوں] -

۲۷؎ قاضی نور الدین حسین خاں رضوی فائق باشندۂ بھڑوچ (گجرات) متوفی ۱۲۸۶ھ غالب کے مکتوب الیہ اور ہم عصر تھے - فائق ایک علم دوست خانوادے سے تھے - فارسی اور اُردو میں شاعری کرتے تھے - فائق نے مخزنِ شعرا کے نام سے فارسی میں شعرائے گجرات کا ایک تذکرہ بھی لکھا ہے - فائق کے نام غالب کا واحد اردو خط مخزنِ شعرا ہی میں شامل ہے - قاضی نور الدین کے والد قاضی سید احمد حسین رضوی تھے - غالب نے فائق کے تذکرے مخزنِ شعرا پر اصلاح دی تھی - مخزنِ شعرا کا مطبوعہ نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے [مخزنِ شعرا : مولفہ فائق - مرتبہ مولوی عبد الحق - انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن طبع ۱۹۳۳ء] -

۲۸ عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ (ص ۱۱۷) میں لفظ "جنبشیوں" ہی درج ملتا ہے مگر شعاعِ مہر طبع ۱۸۶۸ء (ص ص ۳۳ تا ۳۴) کے مطالعے کی روشنی میں یہاں "جنبشیوں" کے بجائے لفظ "جنبشوں" ہونا چاہیے۔

۲۹ عودِ ہندی طبع اوّل (ص ۱۱۷) میں یہ بیت یوں ہی نظر آتی ہے لیکن شعاعِ مہر طبع اوّل (ص ۳۴) کے اصل متن میں یہ بیت اِس طرح ملتی ہے: ؎

بگم صاحب بھورے میں پھنسایا ہے چھتا بیگم نے بے حرمت کرایا

۳۰ عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ [۱۸۶۸ء] ص ۱۱۷

۳۱ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری : ڈاکٹر ابواللیث صدیقی - مکتبۂ علم و فن، دہلی طبع ۱۹۶۵ء ص ۳۱۴

۳۲ اُردو مثنوی شمالی ہند میں : ڈاکٹر گیان چند جین - انجمن ترقیِ اُردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۹ء ص ۵۸۶

۳۳ غالب کے منثور و منظوم ادبی آثار کے مطالعے کے بعد راقم السطور اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اُردو شاعری میں مثنوی، مرثیہ، تاریخ گوئی اور رباعی وہ اصناف ہیں جن سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے میں غالب کا ادبی شعور قاصر نظر آتا ہے یا کم از کم اِن اصناف میں غالب کا اُردو کا ادبی سرمایہ کوئی بلند پایہ نمونہ نہیں رکھتا۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی حیرت ناک صورتِ حال نہیں۔ ادبی تاریخ کا بافہم مطالعہ متعدد ایسی مثالیں پیش کرتا ہے جب کسی بڑے شاعر یا ادیب نے کسی مخصوص صنف میں ناکامی کا منہ دیکھا ہو۔ غزل کے بادشاہ میر قصیدے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثنوی کے میدان میں کامیابی کے باوجود میر حسن کی غزل میں پھیکی نظر آتی ہیں۔ مومن صفِ اوّل کے اردو شاعر تھے مگر اُردو نثر کی تاریخ میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ محمد حسین آزاد ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں مگر اُردو مکتوب نگاری میں ناکام رہتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو نثر میں کامیاب رہنے کے باوجود شاعری کا میدان چھوڑنا پڑا ہے۔ مولانا شرر، نیاز فتح پوری اور پروفیسر آل احمد سرور نثر کے قلمرو میں اپنا سکہ بٹھانے کے باوجود نظم کی سرزمین پر زیادہ دور یا دیر تک چلنے سے قاصر رہتے ہیں۔ انیس صاحبِ کمال مرثیہ نگار تھے مگر اُردو نثر اور مثنوی کے میدان میں گمنام نظر آتے ہیں۔ مرزا دبیر مرثیہ نگاری کی تاریخ کا اہم باب ہیں مگر غزل گوئی انھیں بھی راس نہیں آئی۔ طنز و ظرافت کے وہ گل بوٹے جو اکبر الہ آبادی کی شاعری کو زعفران زار بناتے ہیں اکبر کی مکتوب نگاری میں مفقود ہیں۔ ان مثالوں کی موجودگی میں غالب کا اُردو مثنوی یا مرثیہ جیسے اصنافِ ادب میں ناکام رہنا ادبی تاریخ کا کوئی عدیم المثال واقعہ نہیں رہتا۔ غالب نے فارسی زبان میں متعدد معیاری مثنویاں کہی ہیں لیکن اُردو مثنوی کی تاریخ میں غالب کسی اہم مقام کے مالک نہیں۔ غالب کی فارسی مثنویاں اُن کے کلیات میں ملاحظہ ہوں [کلیاتِ غالب - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء/ ۱۲۷۹ھ ص ص ۷۰ تا ۱۶۹ (مملوکہ کاظم علی خاں)]۔

گلزار سرور اور اس پر غالب کی تقریظ

انیسویں صدی عیسوی میں جن قد آور ادبی ہستیوں نے لکھنؤ کو اردو ادب کا مرکز بنایا تھا ان میں مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی [متوفی ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء] بھی شامل ہیں۔ سرور لکھنوی مرزا اصغر علی کے فرزند تھے۔ مرزا خانی نوازش [تلمیذ میر سوز] کے شاگرد تھے اور اردو کے صاحب طرز نثر نگار تھے۔ سرور لکھنوی کا ذکر ایک درجن سے زائد تذکروں میں موجود ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کی اردو نثر کی کوئی بھی تاریخ ذکر سرور کے بغیر مکمل نہ ہوگی۔ وہ اردو نثر کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ فسانۂ عجائب سرور کی نثر کا شاہکار ہے لیکن ان کے ادبی آثار میں اور بھی متعدد کتابیں شامل ہیں جو نثر نگاری میں سرور کی دلچسپی اور مہارت کی شاہد ہیں۔

گلزار سرور سرور کی مترجم تالیف ہے۔ یہ ملا رفیع بن محمد شفیع کی فارسی کتاب حدائق العشاق کا اردو ترجمہ ہے جو مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ والی بنارس کی فرمائش کا نتیجہ ہے۔ بنارس سرور کی زندگی کے آخری تقریباً دس برس کے دوران نہ صرف ان کا مسکن رہا بلکہ بعد وفات سرور لکھنوی کا مدفن بھی بنا۔ گلزار سرور در اصل سرور لکھنوی کے انہی دس سالہ قیام بنارس کی یادگار ہے جو ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ تا محرم ۱۲۸۶ھ [مطابق جولائی ۱۸۵۹ء تا اپریل ۱۸۶۹ء] کی درمیانی مدت کو محیط ہے۔ مرزا محمد عسکری، مولانا حامد حسن قادری اور پروفیسر آغا سہیل گلزار سرور کو ایک مذہبی کتاب بتاتے ہیں لیکن گلزار سرور کا جائزہ اسے مذہبی کتاب کے بجائے ایک رمزیہ داستان ثابت کرتا ہے۔ گلزار سرور مذہبی کتاب ہونے کے بجائے اردو کی ان رمزیہ داستانوں میں شامل ہے جن سے بہ استثنائے سب رس اردو نثر کا دامن عموماً خالی ملتا ہے۔ گلزار سرور کی تحریر سے قبل تک ملا وجہی کی سب رس اردو کی پہلی اور آخری رمزیہ داستان نظر آتی ہے لیکن گلزار سرور کی موجودگی میں سب رس کو اردو کا آخری مثالیہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ گلزار سرور کی موجودگی میں عزیز احمد کا یہ ارشاد خلاف واقعہ ہے کہ سب رس اردو کا پہلا اور آخری مثالیہ ہے۔

گلزار سرور مطبع افضل المطابع محمدی فرنگی محل لکھنؤ [سنہ اشاعت ندارد] جسے مولانا فاضل لکھنوی کتاب کا پہلا ایڈیشن قرار دیتے ہیں، میرے ذخیرۂ کتب میں بھی موجود ہے۔ کتاب کا بوسیدہ کاغذ، قدیم املا اور پرانا طرز ترتیب [جس میں بیشتر اوراق معدوم ہو گئے تھے] میرے محولہ مطبوعہ نسخے کی وہ خصوصیات ہیں جو اس کی قدامت کے شاہد ہیں۔ اس نسخے کے سرورق سے خاتمۃ الطبع [ص ص ۱۰۱ تا ۱۲۱] تک کہیں بھی سرور کو مرحوم نہیں لکھا گیا ہے اور جگہ جگہ سرور کا ذکر صیغۂ حال میں کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ سرور [متوفی ۱۸۶۹ء] کی زندگی میں شائع ہونے والا معاصر نسخہ ہے۔ میرے نسخے کے سرورق پر کتاب اور سرور کا نام مع القاب یوں درج ملتا ہے:

"گلزار سرور

تالیف سرآمد فصحائے زمان عمدۂ بلغائے جہان • رونق دہ متاع سخن زندہ کن مضامین کہن •

دبیر بے نظیر سحر بیان پیری میں طبیعت جوان • موجد طرز رنگین بیانی عدیم المثال لا ثانی •

عجب [بمعنی غرور] و نخوت سے دور مشرق سے مغرب جنوب سے شمال تک مشہور

جناب مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور"

اس عبارت میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جس سے سرور مرحوم ثابت ہوں۔ اس کے برعکس "پیری میں طبیعت جوان" یا "مشرق سے مغرب جنوب سے شمال تک مشہور" کے فقروں سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب کی طباعت تک سرور بقید حیات تھے۔ سرورق پر سرور کے نام میں "جناب" اور "صاحب" جیسے الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ گلزار سرور کا یہ نسخہ بظاہر پہلا ایڈیشن سرور کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔

گلزارِ سرور [طبع افضل المطابع محمدی] لوح سے "صحیح نامہ اغلاط" تک ۲ + ۱۰۲ = ۱۰۴

صفحات کو محیط ہے۔ اس کی ناپ ۱۷ × ۲۶ سینٹی میٹر ہے۔ ہر صفحے کی عبارت کا متن لکیر دار حوض میں ہے اور کتاب کا مسطر ۲۲ سطری ہے۔ اس میں غالب کی تقریظ پشتِ سرورق پر مجموعے ایک صفحے کو محیط ہے۔

اردو نثر میں غالب کی صرف چند ہی مطبوعہ تقریظیں موجود ہیں اور ان کی تعداد نصف درجن سے بھی کم ہے[۲۱]۔ غالب کی اردو تقریظ کا شرف جن چند گنی چنی کتابوں کو حاصل ہے ان میں گلزارِ سرور بھی شامل ہے۔ لالہ سری رام کا یہ قول خلافِ واقعہ ہے کہ غالب نے سرور کی تالیف فسانۂ عجائب پر تقریظ لکھی تھی[۲۲]۔ گلزارِ سرور پر غالب کی تقریظ مجھے غالب کی تین کتابوں[۲۳] میں شامل ملی ہے۔ خطوط سے قطع نظر غالب کی اردو تقریظوں میں محض تقریظِ گلزارِ سرور ہی غالب کی مذکورہ تینوں کتابوں میں موجود ہے۔ تقریظِ گلزارِ سرور کی غالب کی تین کتابوں میں شمولیت اس کی اہمیت پر دال ہے۔ انتخابِ غالب میں شامل تقریظِ گلزارِ سرور کو خود غالب نے غلطی سے دیباچہ بتایا ہے[۲۴] اور شاید غالب ہی کی تقلید میں جناب قاضی عبدالودود[۲۵] نیز جناب مالک رام[۲۶] نے بھی انتخابِ غالب میں شامل تقریظِ گلزارِ سرور کو خلافِ واقعہ دیباچہ قرار دیا ہے۔ تقریظ اور دیباچے میں جو نازک فرق ہے اس کے پیشِ نظر تقریظ کو دیباچہ قرار دینا محلِ نظر ہے۔

گلزارِ سرور پر غالب کی یہ تقریظ جن مصادر میں شائع ہو چکی ہے ان میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں:

① گلزارِ سرور: رجب علی بیگ سرور - مطبع افضل المطابع محمدی کا فرنگی محل لکھنؤ [سنہ اشاعت ندارد] پشتِ سرورق

② عودِ ہندی: غالب - مطبع مجتبائی، میرٹھ (طبع اول) مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۱۸۰ [ممدوح کاظم علی خاں]

③ اردوئے معلیٰ: غالب - مطبع مجتبائی، دہلی طبع ۱۸۹۹ء [حصہ دوم] ص ۱۲۶

④ انتخابِ غالب: غالب - مرتبہ محمد عبدالرزاق راشد - چشتیہ پریس، حیدرآباد دکن طبع ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء (متن) ص ۲ [نسخہ مملوکہ رضا لائبریری، رام پور]

⑤ خطوطِ غالب: مرتبہ مولانا غلام رسول مہر - شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۰۰

⑥ مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ۲۵۲

⑦ عودِ ہندی: غالب - مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۲۲۵ [عودِ ہندی کی متعدد دوسری اشاعتوں میں بھی یہ تقریظ شامل ہے]۔

⑧ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم: مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین ___ فاضل لکھنوی - مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ۸۶۹

غالب کی زیرِ مطالعہ تقریظ کے قدیم ترین مطبوعہ مصادر گلزارِ سرور اور عودِ ہندی کی اولین اشاعتیں ہیں۔ تقریظ کا اصل متن گلزارِ سرور میں محفوظ ہے لیکن عودِ ہندی میں تقریظ کا متن میرے اندازے کے مطابق دو درجن سے زائد اختلافاتِ نسخ کا حامل ہے۔ گلزارِ سرور میں غالب کی تقریظ میں بعض ایسے حصے بھی شامل ہیں جو عودِ ہندی طبع اول کے متنِ تقریظ پر اضافہ ثابت ہوتے ہیں لیکن عودِ ہندی کے متنِ تقریظ میں بھی بعض ایسے اجزا ملتے ہیں جو گلزارِ سرور میں شامل تقریظ کے متن میں ___ موجود نہیں۔ تقریظ کے دونوں متون میں مجھے ۲۶ مقامات پر اختلافاتِ نسخ ملے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ سطورِ ذیل میں گلزارِ سرور سے غالب کی تقریظ کا متن نقل کیا جاتا ہے۔ تقریظ کے وہ اہم حصے جو عودِ ہندی پر اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں بطور نشان "[   ]" میں درج کیے گئے ہیں۔

گلزارِ سرور میں غالب کی تقریظ کا ایک سطری عنوان یوں درج ملتا ہے:

"تقریظ سرِ شیخ علم جادو رقم فصیح اللسان (کذا: فصیح اللسان) اعجاز بیان نواب والا مناقب نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں غالب"

اس عنوان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ گلزارِ سرور میں تقریظ کی اشاعت کے وقت غالب (متوفی ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء مطابق ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ) زندہ تھے۔ خود ہندی طبع رجب ۱۲۸۵ھ (ص ۱۸۰) میں تقریظ گلزارِ سرور کے عنوان میں "گلزارِ سرور" کا اِملا غلطی سے "گلذارِ سرور" درج کیا گیا ہے۔ "گلزار" میں حرف "ز" کے بجائے حرف "ذ" لکھا خود ہندی طبع اوّل کے کم سواد کاتب کی غلط نویسی کا کرشمہ ہے۔ گلزارِ سرور سے غالب کی تقریظ کا متن سطور ذیل میں ملاحظہ ہو:

"سبحان اللہ خدا کی کیا لطف و صنعتیں ہیں، تعالی اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں۔ یہ جو حدائق العشاق ۲۳ کا فارسی زبان سے عبارتِ اُردو میں نگارش پانا ہے، ارم کا زمینِ دُنیا سے اُٹھ کر بہارستانِ قدس کا ایک باغ بن جانا ہے۔ وہاں حضرت رضوان ارم کے نخل بند و آبیار ہوئے، یہاں مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کے صحیفہ نگار ہوئے۔ [اس مقام پر یہ ہیچ میرز جو موسوم بہ اسد اللہ خاں اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے، خدائے جہاں آفریں سے توفیق اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہاں اے صاحبانِ فہم و ادراک سرورِ سحر بیان کا] اُردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہدِ معنی کے واسطے کیا گراں بہا پیرایہ ہے ۔

ارم کی داستاں گر سنیے ← ہے زباں ایک تیغِ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے ← ہے قلم ایک ابرِ گوہر بار ۲۵

مجھ کو دعوائے اعجاز اندازِ بیان و شوخیِ تحریر میں فسانۂ عجائب بے نظیر ہے، جس نے میرے دعوے کو اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹایا وہ یہ تحریر ہے۔ کیا ہوا [اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے] یہ تو ہم یہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہے۔ مانی نقاش بے معنی صورتیں بناکر پیمبری کا دعوا کرے کیا عقل کی بات ہے، یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوائے خدائی نہ کرے کس حوصلے کا آدمی ہے ۲۶

سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجا صاحب والا مناقب عالی شان ایسری پرشاد نارائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے کارفرما ہوں اور پھر اس پر طرّہ یہ ہے کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں، وہ باغ کیسا ہوگا؟ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ کوئی نہ کہے کہ یہ دو دیدہ گوشہ نشین فضول ۲۷ کیوں ہے، بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے؟ صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں، رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ اس کی شجاعت کا ۲۸ ذکر کیا کرتے ہیں؟ معہذا جناب مہاراجا صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو ہرپرشاد نرائن کا مورد عنایت رہا ہوں، جن دنوں وہ دلّی میں تشریف لائے ہیں اکثر [اوقات] شریکِ صحبت رہا ہوں۔ جب ناشناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو، تو اُن کا نیاز مند کیوں اُن کا ثنا خواں نہ ہو۔ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثنا خوانی کا، میں تو عاشق ہوں اُن کے شاعر بے مثال و سخن دانی کا حضور نے قدر دانی کی، سرور نے گہر افشانی کی۔ حضور کا اقبال، سرور کا کمال۔ حضور کی عالی ہمتی، سرور کی خوش قسمتی۔ [ان شاء اللہ تعالیٰ] یہ نقش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گا، معشوق کا شہرہ رنگین بیانی میں مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا دورِ شمار ۲۹

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے گلزارِ سرور مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ کے حکم پر لکھی گئی تھی [گلزارِ سرور ص ۴ نیز ص ۶]۔ مہاراجا بنارس کے بلانے پر سرور ۱۶ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ / ۱۸ جون ۱۸۵۹ء [یوم شنبہ] کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر یکم ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ [مطابق شنبہ ۲ جولائی ۱۸۵۹ء] کو بنارس پہنچے تھے [بحوالہ رجب علی بیگ سرور: ڈاکٹر نیر مسعود ص ۱۰۲]۔ میری تحقیق ہے کہ والیٔ بنارس نے سرور کو حدائق العشاق کا ترجمہ [یعنی گلزارِ سرور لکھنے] کا حکم ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ [مطابق یک شنبہ ۳۱ جولائی ۱۸۵۹ء] کو دیا تھا[29]۔ ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ہیں کہ گلزارِ سرور کو سرور نے شبستانِ سرور کی تکمیل سے قبل مکمل کر لیا تھا۔ شبستانِ سرور کا سنہ تکمیل ۱۲۷۹ھ ہے[30] جو ازروئے تقویم یک شنبہ ۲۹ جون ۱۸۶۲ء سے چہار شنبہ ۱۷ جون ۱۸۶۳ء تک کی درمیانی مدت کو محیط ہے]۔ ان شواہد کی بنیاد پر میرا اندازہ ہے کہ گلزارِ سرور ۳۱ جولائی ۱۸۵۹ء [یک شنبہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ] کے بعد مگر ۱۲۷۹ھ تک مکمل ہو چکی تھی۔ ان حالات میں گلزارِ سرور پر غالب کی تقریظ میرے نزدیک ۱۲۷۹ھ [۶۳-۱۸۶۲ء] کے آس پاس لکھی گئی ہوگی۔ میرے اس نظریے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ گلزارِ سرور پر غالب کی زیرِ بحث تقریظ انتخابِ غالب میں بھی شامل ہے اور راقم السطور کی تحقیق کے مطابق انتخابِ غالب ۱۰ جنوری ۱۸۶۵ء سے قبل ۱۸۶۳ء - ۱۸۶۴ء تک مرتب ہو چکی تھی[31] خطوطِ غالب (حصہ اول): مرتبہ مالک رام سے پتا چلتا ہے کہ انتخابِ غالب میں شامل میر مہدی مجروح کے نام تمام خطوط جولائی ۱۸۵۹ء سے اگست ۱۸۶۳ء تک کے درمیانی زمانے میں لکھے گئے تھے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بہ شمول تقریظِ گلزارِ سرور انتخابِ غالب کے تمام مشمولات ۱۸۶۳ء تک معرضِ وجود میں آ چکے ہوں گے۔ گویا گلزارِ سرور پر غالب کی زیرِ مطالعہ تقریظ بھی شاید ۱۸۶۳ء تک یعنی اس سے کچھ قبل لکھی —— جا چکی ہوگی۔ میرے ان معروضات کی تصدیق مزید تحقیق ہی سے ہو سکتی ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا اندازہ ہے کہ تقریظِ گلزارِ سرور ۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۶ء تک کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی ہے[32]

تقریظ میں غالب کا مقفیٰ اسلوب خود گلزارِ سرور کے مقفیٰ اسلوب سے ہم آہنگ ہے۔ تقریظ میں غالب نے والیٔ بنارس کی مدحت سرائی میں جو عبارت آرائی کی ہے اس کے بین السطور سے غالب کی یہ خواہش صاف جھلکتی نظر آتی ہے کہ کاش وہ بھی والیٔ بنارس کی "شاعر پروری" اور "فیض رسانی" سے فیض یاب ہوں۔ والیٔ بنارس کی ثناگستری میں غالب کے حسنِ طلب کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ درباروں اور ریاستوں سے وابستگی کا بے پناہ شوق ایک ایسا منفی رجحان ہے جو سفرِ حیات کی منزلوں میں قدم قدم پر غالب کا ہم دم اور رفیقِ سفر نظر آتا ہے لیکن اسی منفی ذہنی رجحان کے بطن سے بعض مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ غالب کے متعدد ادبی آثار کو معرضِ وجود میں لانے میں یہی رجحان برسرِ عمل رہا ہے۔

گلزارِ سرور پر غالب کی اس تقریظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرور لکھنوی کے طرزِ نگارش کے بارے میں غالب بری رائے نہ رکھتے تھے اور تذکرۂ غوثیہ میں فسانۂ عجائب اور سرور کے اسلوبِ نگارش کے متعلق غالب سے منسوب کیا جانے والا بیان مشکوک ہے[33]۔ تقریظِ گلزارِ سرور میں غالب کے بیانات سرور و غالب کے مابین گہرے دوستانہ تعلقات کے مظہر ہیں۔ راقم السطور نے اپنے ایک مضمون

میں ان قیاسات پر تحقیق کرکے بعض اہم انکشافات کیے ہیں۔

حواشی

۱؎ بحوالہ خیابانِ تواریخ: سید محمد علی جویا مراد آبادی - مطبع منشی نول کشور، حضرت گنج لکھنؤ [طبع دوم] مطبوعہ اکتوبر ۱۸۸۱ء مطابق ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ ص ۶۰ نیز ص ۸۴ [مملوکہ راقم الحروف] ② تذکرۂ خمخانۂ جاوید میں سرور لکھنوی کا سنہ وفات ۱۲۸۵ھ بتایا گیا ہے ③ تاریخ ادب اردو میں ۱۲۸۴ھ [۱۸۶۷ء] کو سرور کا سال وفات مانا گیا ہے ④ تذکرۂ ریاض الفردوس کے حاشیہ نگار نے سرور کا سنہ وفات ۱۸۶۷ء درج کیا ہے ⑤ تاریخ لطیف میں ۱۲۸۴ھ کو سرور لکھنوی کا سنہ رحلت فرض کیا گیا ہے ⑥ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) کے بموجب سرور لکھنوی نے ۱۸۶۷ء میں وفات پائی تھی [ر ک: ① خمخانۂ جاوید جلد چہارم: لالہ سری رام - ہمدرد پریس دہلی طبع ۱۹۲۶ء ص ۱۸۵ ② تاریخ ادب اردو: مصنفہ رام بابو سکسینہ - مترجمہ مرزا محمد عسکری - مطبع تیج کمار، لکھنؤ طبع ۱۹۶۹ء (حصۂ نثر) صص ۲۳ تا ۲۴ ③ تذکرۂ ریاض الفردوس: تالیف محمد حسین خاں - ترتیب و حواشی از مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - علمی پریس لاہور طبع اپریل ۱۹۶۸ء ص ۹۲ ④ بحوالہ تلخیص تاریخ لطیف تلخیص از اکبر علی خاں عرشی زادہ مشمولہ نگار، رام پور تاریخ نمبر ماہ جولائی ۱۹۶۳ء ص ۴۲ ⑤ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلس ترقی ادب، لاہور طبع اپریل ۱۹۶۰ء ص ۸۶۹ (حاشیہ ۱)] - لیکن سنہ وفات سرور کے متعلق مذکورۂ بالا پانچوں مصادر کے اندراج نظرِ ثانی کے محتاج ہیں - جدید تحقیق کی رو سے سرور لکھنوی نے یکم محرم تا ۱۷ محرم ۱۲۸۶ھ [مطابق ۱۴ اپریل تا ۲۳ اپریل ۱۸۶۹ء] کی درمیانی مدت میں وفات پائی تھی [ر ک: رجب علی بیگ سرور - حیات اور کارنامے: ڈاکٹر نیر مسعود - ناشر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد طبع ۱۹۶۷ء ص ۴۱]-

۲؎ ر ک: ① سخنِ شعرا: نساخ - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۲۱۳
② طورِ کلیم: نور الحسن خاں کلیم - مطبع مفید عام آگرہ طبع ۱۲۹۸ھ [۱۸۸۱ء] (فروغ اول) ص ۵۰ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۳؎ بحوالہ: ① گلشنِ بے خار: شیفتہ - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۲۳۶ [مملوکہ کاظم علی خاں]
② تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا: مولفہ سعادت خاں ناصر - مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی - نسیم بک ڈپو، لکھنؤ طبع جولائی ۱۹۷۱ء ص ۱۸۷
③ سراپا سخن: محسن علی محسن - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۱ء

۴؎ ر ک: ① گلستانِ بے خزاں: قطب الدین باطن - مطبع نول کشور، لکھنؤ طبع جون ۱۸۷۵ء ص ۱۰۶
② بزمِ سخن: سید علی حسن خاں سلیم - مطبع مفید عام، آگرہ طبع ۱۸۸۱ء ص ۵۹ [مملوکہ کاظم علی خاں]
③ تذکرۂ نادر: مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۵۷ء ص ۸۰

۵؎ سرور لکھنوی کے ذکر پر مشتمل ایک درجن سے زائد تذکروں کی فہرست راقم الحروف کے ایک غیر مطبوعہ مقالے "غالب اور مرزا رجب علی بیگ سرور" میں حاشیہ نمبر ۲ کے ماتحت پیش کی گئی ہے اور یہ مقالہ راقم کی کتاب "خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ" میں شامل ہے۔

۶ میرے ذخیرۂ کتب میں سرور لکھنوی کی مندرجۂ ذیل کتابیں موجود ہیں:

① فسانۂ عجائب: تالیف مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی - ترتیب اطہر پرویز - سنگم پبلشرز الٰہ آباد جون ۱۹۶۹ء

② فسانۂ عبرت: تالیف مرزا سرور لکھنوی - ترتیب پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ ۱۹۵۷ء

③ سرورِ سلطانی: مترجمہ مرزا رجب علی بیگ سرور - مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر آغا سہیل - مجلس ترقی ادب، لاہور طبع اکتوبر ۱۹۷۵ء

④ انشاءِ سرور: تصنیف مرزا رجب علی بیگ سرور - ترتیب مرزا احمد علی - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع بار پنجم بہ ماہ جون ۱۹۱۶ء

⑤ گلزارِ سرور: مرزا رجب علی بیگ سرور - مطبع افضل المطابع، فرنگی محل لکھنؤ [سنہ اشاعت ندارد] شائع کردہ محمد یعقوب [لفظ بہ ظاہر یہ سرور کی زندگی میں شائع ہونے والا گلزارِ سرور کا خاصا کمیاب پہلا ایڈیشن ہے]-

۷ والیٔ بنارس مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ [خلف پرسدھ نرائن سنگھ] اپنے چچا اودت نرائن سنگھ کے متبنّیٰ [منہ بولے بیٹے] تھے۔ ایشری پرشاد نرائن سنگھ ۱۸۳۵ء میں بنارس راج کے مالک ہوئے اور ۱۳ر جون ۱۸۸۹ء کو فوت ہوئے [بہ حوالۂ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل]۔

۸ دیکھیے ① گلزارِ سرور - مطبع افضل المطابع لکھنؤ (متن) ص ۲، ص ۴، ص ۶ نیز ص ۷ تا ۸
② انشاءِ سرور طبع ۱۹۱۶ء ص ۱۷ (رقعہ نمبر ۱۲) نیز ص ۷۱ (رقعہ نمبر ۶۵)-
③ عودِ ہندی: غالب - مطبع مجتبائی، میرٹھ (طبع اوّل) مطبوعہ ۱۰ر رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۱۸۱ [غالب کی زندگی میں عودِ ہندی کا شائع ہونے والا یہ خاصا کمیاب پہلا ایڈیشن راقم الحروف کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے]-

۹ سرور لکھنوی یکم ذی الحج ۱۲۷۵ھ سے اپنی وفات [محرم ۱۲۸۶ھ] تک تقریباً دس برس بنارس میں مقیم رہے تھے اور یہ زمانہ عیسوی تقویم کی رو سے شنبہ ۲ر جولائی ۱۸۵۹ء تا اپریل ۱۸۶۹ء کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود کے ڈی۔ فل کے تحقیقی مقالے میں بنارس کو ہی سرور کا مدفن بتایا گیا ہے [دیکھیے رجب علی بیگ سرور: ڈاکٹر نیر مسعود ص ۱۰۷ نیز ص ۱۰۹]

۱۰ ایضاً

۱۱ تاریخِ ادبِ اردو: مترجمہ مرزا محمد عسکری (حصہ نثر) ص ۲۷

۱۲ داستانِ تاریخِ اردو: حامد حسن قادری - آگرہ اخبار پریس، آگرہ طبع ۱۹۶۶ء ص ۱۶۱

۱۳ سرورِ سلطانی: مرتبہ پروفیسر آغا سہیل ص ۲۷

۱۴ سب رس [سنہ تکمیل ۱۰۴۵ھ] ملا وجہی کی تحریر کردہ ایک رمزیہ داستان ہے جو فتاحی نیشاپوری [متوفیٰ ۸۵۲ھ] کے فارسی قصے حسن و دل پر مبنی بتائی جاتی ہے۔ ملا اسد اللہ وجہی دکن میں قطب شاہی دور کے اہم شاعر و نثر نگار تھے [① دکن میں اردو: نصیر الدین ہاشمی، نسیم بک ڈپو لکھنؤ طبع ۱۹۶۳ء ص ص ۷۰، ۷۱، ۱۶۵، ۱۶۶ ② داستانِ تاریخِ اردو ص ۳۷ ③ تاریخِ ادبِ اردو حصہ نثر ص ۱۸]

۱۵ بہ حوالہ ڈاکٹر نیر مسعود: رجب علی بیگ سرور ص ۲۸۹

۱۶ دیکھیے اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۸۶۹ (حاشیہ ۱)

۱۷ غالب کی اردو تقریظوں کی تعداد پر خود زیرِ نظر مقالے کے باب اوّل کی سطورِ گذشتہ میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۱۸ خمخانۂ جاوید (جلد چہارم) ص ۵۷

۱۹ تقریظ گلزارِ سرور غالب کی جن تین اہم کتابوں میں شامل ہے ان کے نام یہ ہیں:
(۱) عودِ ہندی (طبع اوّل) مطبوعہ ۱۲۸۵ھ (۲) اردوئے معلیٰ : غالب - مطبع مجتبائی دہلی
طبع ۱۸۹۹ء (حصہ دوم) (۳) انتخابِ غالب : مرتبہ عبد الرزاق راشد - جشتیہ پریس حیدر آباد
(دکن) طبع ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء

۲۰ انتخابِ غالب : مرتبہ عبد الرزاق راشد (مشمولہ) ص ۱

۲۱ آثارِ عیارِ غالب : مرتبہ مالک رام - علمی مجلس دلی طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۱۰۰

۲۲ ذکرِ غالب : مالک رام - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی (طبع پنجم) مطبوعہ فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۷۲ تا ۱۷۵

۲۳ رک اردوئے معلیٰ (حصہ اوّل) : غالب - اکمل المطابع دہلی (طبع اوّل) مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء
ص ۴۰۶ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۲۴ عودِ ہندی : غالب طبع رجب ۱۲۸۵ھ (ص ۱۸۱) میں حدائق الخاق کو کاتب نے غلطی سے
بہ تکرار "حدیقۃ الخاق" لکھا ہے۔

۲۵ یہ دونوں اشعار تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ غالب کے ایک اردو قطعے میں شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو
دیوانِ غالب - مطبع صدر مجلس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ۹۹ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۲۶ جیسا کہ اس مضمون کے حاشیہ نمبر ے میں عرض کیا جا چکا ہے پرسدہ نرائن سنگھ والیٔ بنارس مہاراجا
ایشری پرشاد نرائن سنگھ کے والد تھے۔

۲۷ راقم السطور کا یہ نظریہ انشائے سرور (ص ص ۷۰ تا ۷۱) میں شامل رقعہ نمبر ۶۵ میں سرور کے بیان
پر مبنی ہے اور اس خط کے باقہم مطالعے کے بعد تقویم کی مدد سے میں سرور کے اس رقعے کی تاریخ تحریر
۱۳ محرم ۱۲۷۶ھ مطابق چہارشنبہ ۳ اگست ۱۸۵۹ء متعین کرتا ہوں۔

۲۸ بہ حوالہ رجب علی بیگ سرور : ڈاکٹر نیر مسعود ص ۲۹۰ نیز ص ۲۹۲

۲۹ اس سلسلے میں تفصیلی بحث میرے پی ایچ ۔ ڈی کے زیرِ تسوید مقالے میں پیش کی گئی ہے ۔ انتخابِ غالب
کے متعلق مقالے کے اس حصے کو میں ایک مضمون کی شکل میں جلد ہی شائع کرانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

۳۰ عودِ ہندی : غالب - مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور طبع جون
۱۹۶۷ء ص ۱۸۸ (حاشیہ نمبر ۲)

۳۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مضمون از اکبر علی خاں عرشی زادہ مشمولہ "نگار" رام پور ماہ مارچ
۱۹۶۳ء ص ۳۶

خاشں و خاشاک پر غالب کی تقریظ

غالب کے متفرق اردو نثر پاروں میں منشی حبیب اللہ ذکا کی کتاب خاشں و خاشاک کے بارے میں ایک مختصر تحریر بھی شامل ہے۔ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء میں غالب کی اس اردو تحریر پر یہ عنوان درج ملتا ہے:

" دیباچہ کہ بر دیوان منشی حبیب اللہ المتخلص بہ ذکا نگاشتہ اند "[1] مولانا غلام رسول مہر بھی اس تحریر کو " دیباچۂ دیوان ذکا " بتاتے ہیں۔[2] اس کے برخلاف مالک رام، مولانا فاضل لکھنوی اور ضیاء الدین احمد شکیب[3] نے غالب کی اس تحریر کو تقریظ قرار دیا ہے۔ خلیل الرحمن داؤدی کے بہ موجب غالب کی یہ تحریر خاشں و خاشاک کا پیش لفظ ہے۔[4] ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ خاشں و خاشاک پر غالب کی اس تحریر کو دیباچہ، تقریظ یا پیش لفظ میں سے کیا کہا جائے؟ میرے نزدیک اس مسئلے کو حل کرنے میں غالب کے نام منشی حبیب اللہ کا ایک خط معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اس خط میں حبیب اللہ ذکا نے غالب سے اپنی کتاب پر تقریظ کی فرمائش کی تھی[5] اور انھیں غالب نے اس خط کے جواب میں یہ تحریر بھیجی تھی۔ منشی حبیب اللہ کا غالب سے تقریظ کی فرمائش کرنا اور غالب کا اس فرمائش کے جواب میں ذکا کو یہ تحریر ارسال کرنا اس تحریر کو خاشں و خاشاک پر غالب کی تقریظ ثابت کرتا ہے۔

زیر بحث تقریظ کے متعلق خلیل الرحمن داؤدی رقم طراز ہیں:

" مرزا غالب کا یہ پیش لفظ عود ہندی میں
شامل ہو کر پہلے چھپ گیا تھا۔ خاشں و خاشاک
کی اشاعت اول ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ اس
لیے ذکا کے مجموعۂ نظم و نثر کے ساتھ
یہ بہت بعد میں چھپا ہے۔ "[6]

خلیل الرحمن داؤدی کے اس بیان میں مندرجہ ذیل امور ترمیم طلب ہیں:

(۱) غالب کی اس تحریر کو پیش لفظ کے بجائے تقریظ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

(۲) غالب کی یہ تحریر عود ہندی کے کسی ایڈیشن میں شائع نہیں ہوئی ہے۔

(۳) خاشں و خاشاک کی پہلی اشاعت ۱۸۸۴ء کے بجائے ۱۲۹۵ھ [اردوئے تقویم مطابق ۱۸۷۸ء] میں ہوئی تھی [تلامذۂ غالب ص ۱۰۸]۔

(۴) یہ تقریظ پہلے خاشں و خاشاک طبع ۱۲۹۵ھ [۱۸۷۸ء] میں ہی چھپی تھی اور غالب کے مجموعۂ مکاتیب اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء میں بعد کو شائع ہوئی تھی۔

میری اطلاع کے مطابق خاشں و خاشاک پر غالب کی یہ اردو تقریظ اب تک جن کتابوں میں شائع ہو چکی ہے ان میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں:

(۱) خاشں و خاشاک مطبوعہ ۱۲۹۵ھ [۱۸۷۸ء]

(۲) اردوئے معلیٰ حصہ دوم۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء

۹

(۳) اُردوئے معلّیٰ: صدی ایڈیشن حصہ دوم: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لاہور طبع ۱۹۷۰ء
(۴) مجموعۂ نثرِ غالب اُردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء
(۵) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء
(۶) غالب اور ذکا: ضیاء الدین احمد شکیب۔ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۲ء۔ اِس کتاب میں زیرِ بحث تقریظ [بہ ۔۔ خطِ غالب] کا عکس بھی شامل ہے۔ تقریظ کا متن درج ذیل ہے:

"یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں، کسی امیر کا نہیں، کسی شیخ شیاد کا نہیں۔ یہ کلام میرے ایک دوست رُوحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوست کے کلام کو معرضِ اصلاح میں بہ نظرِ دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب تملق نہیں، مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا بے حیف و میل کہوں گا۔ نثر میں نعمت خان عالی کی طرز کا احیا کیا ہے مگر پیرایہ کچھ اُس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا چربہ اُتھایا ہے مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز، عاشقانہ سوز و گداز، منشی حبیب اللہ ذکا سخن ور ہمہ داں یکتا، لفظ طراز، معنی آفرین، آفرین صد آفرین صد ہزار آفرین۔" [غالب اور ذکا عکس مقابل ص ۹۳]

کتاب غالب اور ذکا میں اِس تقریظ کے عکس [بہ خطِ غالب] میں تحریر کے بعد غالب کی مہر بھی ثبت ملتی ہے جس میں ۱۲۷۸ھ منقوش ہے۔ اِس مہر سے اِس تحریر کا زمانۂ کتابت ۱۲۷۸ھ نہ سمجھنا چاہیے۔ تقریظ کا زمانۂ تحریر ۱۲۷۸ھ ہونا اِس لیے ممکن نہیں کہ یہ تقریظ ذکا کی فرمایش پر لکھی گئی تھی اور جس خط میں ذکا نے یہ فرمایش کی تھی وہ ضیاء الدین احمد شکیب کے مطابق ستمبر ۱۸۶۴ء میں یا بہ ہر صورت ۲ راکتوبر ۱۸۶۴ء سے قبل لکھا گیا تھا [غالب اور ذکا ص ۸۸]۔ تقویم ستمبر اکتوبر ۱۸۶۴ء کو ۱۲۸۱ھ کے مطابق بتاتی ہے۔ اِن حالات میں ظاہر ہے کہ جس تقریظ کے لیے ۱۲۸۱ھ میں فرمایش کی گئی ہو اُس کا ۱۲۷۸ھ میں تحریر ہونا خارج از امکان ہے۔ ذکا کے محولہ بالا خط کی شہادت کی بنیاد پر یہ تقریظ ستمبر ۱۸۶۴ء [ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ] کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

اِس سلسلے میں ایک اور شہادت بھی ملتی ہے۔ خاشں و خاشاک کے جس صفحے پر غالب کی یہ تقریظ شائع ہوئی ہے اُس کا عکس مجموعۂ نثرِ غالب اردو

میں صفحہ ۲۷۵ کے مقابل موجود ہے۔ عکس میں غالب کی تقریظ پر فارسی میں جو عنوان مرقوم ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب خاش و خاشاک جب بہ غرضِ اصلاح غالب کے پاس بھیجی گئی تو انھوں نے اُس کی پشت پر یہ عبارت اپنے قلم سے ۱۲۸۱ھ میں تحریر کرکے اپنی مہر ثبت کردی۔ اس سے بھی تقریظ کے زمانۂ تحریر ۱۲۸۱ھ کی تائید ہوتی ہے۔ تقویم میں ۱۲۸۱ھ ... مورخہ ۲۶ رمئی ۱۸۶۵ء تک جاری ملتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقریظ اکتوبر ۱۸۶۴ء سے ۲۶ رمئی ۱۸۶۵ء [جمادی الاول ۱۲۸۱ھ سے ۳۰ رذی الحج ۱۲۸۱ھ] تک کے درمیانی زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔

حواشی

لہ مولوی محمد حبیب اللہ ذکاؔ حافظ محمد میران ناطق کے فرزند اور مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ذکا ۱۲۴۴ھ [۲۹-۱۸۲۸ء] میں بہ مقام نیلور پیدا ہوئے تھے۔ نیلور پہلے صوبہ مدراس میں تھا مگر اب اندھرا پردیش کا ضلع ہے۔ ذکا ۱۸۵۵ء میں حیدرآباد دکن منتقل ہوگئے اور وہاں وہ نواب مختار الملک کی ملازمت میں آگئے۔ ذکا فارسی نظم و نثر سے خاص دل چسپی رکھتے تھے اب اُن کا اُردو دیوان بھی مل گیا ہے۔ ذکا پہلے جنوبی ہند کے مشہور اساتذہ میر مہدی ثاقب، میر مرتضیٰ بینش اور میر شمس الدین فیض کے شاگرد رہے لیکن بعد کو انھوں نے مرزا غالب کی شاگردی اختیار کی۔ ذکا کے نام اردو اور فارسی میں غالب کے ۱۷ عدد مطبوعہ خطوط موجود ہیں۔ ذکا نے ۱۲۹۱ھ میں بہ عارضۂ فالج وفات پائی۔ ذکا کے حالات مندرجہ ذیل مصادر پر مبنی ہیں:

① غالب اور ذکا: ضیاء الدین احمد شکیب - غالب اکیڈمی نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۲ء

② غالب اور حیدرآباد: ضیاء الدین احمد شکیب - ادبی ٹرسٹ حیدرآباد طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ص ۹۶ تا ۱۱۴

③ تلامذۂ غالب: مالک رام - مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر طبع اوّل ص ص ۱۰۵ تا ۱۱۰

④ متعلقاتِ غالب: کالیداس گپتا رضا - وِمل بیلی کیشنز بمبئی طبع اگست ۱۹۷۸ء ص ص ۱۱۹ تا ۱۶۵

⑤ بزمِ غالب: عبدالرؤف عروج - ادارۂ یادگارِ غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۱۵۶ تا ۱۵۹

⑥ فیضانِ غالب: عرش ملسیانی - غالب اکیڈمی نئی دہلی طبع مارچ ۱۹۷۷ء ص ص ۹۸ تا ۱۰۳

⑦ نادراتِ غالب: مرتبہ آفاق حسین آفاق - مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء (حصہ اوّل) ص ۱۵۲

(۸) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - علمی پرنٹنگ پریس لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۳۸۲ تا ۳۸۴

(۹) اردوے معلیٰ صدی ایڈیشن حصّہ اوّل جلد اوّل : مرتبہ سیّد مرتضیٰ حسین فاضل
مجلس ترقیِ ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۱۰۰ (حاشیہ ۱)

(۱۰) پنج آہنگ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب - مطبع منشی نول کشور کانپور طبع اپریل
۱۸۸۸ء ص ص ۲۴۶ تا ۲۴۷

(۱۱) اُردوے معلیٰ (حصّہ اوّل) : غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ ۶ مارچ
۱۸۶۹ء ص ص ۴۳ تا ۴۵

(۱۲) اُردوے معلیٰ (حصّہ دوم) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء
ص ص ۳۸ تا ۴۱

۲؎ اردوے معلیٰ (حصّہ دوم) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۲

۳؎ خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر ص ۱۷۵

۴؎ دیکھ : (۱) تلامذۂ غالب ص ۱۰۸
(۲) اردوے معلیٰ صدی ایڈیشن حصّہ دوم ص ۸۷۲ (حاشیہ ۱ و ۳)
(۳) غالب اور ذکا ص ۹۳

۵؎ مجموعۂ نثرِ غالب اُردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - مجلس ترقی ادب لاہور طبع نومبر
۱۹۶۷ء ص ۲۷۴

۶؎ بہ حوالہ غالب اور ذکا ص ۸۸

۷؎ مجموعۂ نثرِ غالب اُردو ص ۲۷۴

دیباچۂ سراج المعرفت

مفتی میرلال کی کتاب سراج المعرفت پر غالب کے دیباچہ جن مصادر میں دست یاب ہوتا ہے اُن میں درج ذیل مآخذ شامل ہیں:

۱- سراج المعرفت : مفتی میرلال - مطبع سلطانی - جمادی الاوّل ۱۲۷۰ھ مطابق فروری ۱۸۵۴ء

۲- یادگارِ غالب : حالی

۳- اردوئے معلّیٰ (حصہ ۲) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء

۴- خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - لاہور طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۶۸ء

۵- مجموعۂ نثرِ غالب اُردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء

۶- اردوئے معلّیٰ صدی اڈیشن حصہ دوم وسوم : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - لاہور طبع ۱۹۷۰ء

پاکستانی اہلِ قلم خلیل الرحمٰن داؤدی اِس دیباچے کو عودِ ہندی میں شامل بتاتے ہیں[۱] مگر مجھے عودِ ہندی کا اِس دیباچے سے خالی ملتی ہے۔

سراج المعرفت سراج العلما ضیا الفقہا مولوی سید رحمت علی عُرف مفتی میرلال کی کتاب ہے جو مغل حکم راں بہادر شاہ ظفر کے حکم پر لکھی گئی تھی۔ کتاب تصوّف کے موضوع پر ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی تصوّف سے غیر معمولی دل چسپی کتاب کا محرک بنی تھی۔ منشی امیر احمد علوی لکھتے ہیں: "بہادر شاہ پر فقر و درویشی کا رنگ ایامِ ولی عہدی سے چڑھا ہوا تھا لیکن --- حوادثِ گوناگوں نے یہ نشہ بہت تیز کر دیا۔ تختِ سلطنت پر بیٹھ کر اسرار و نکاتِ تصوف بیان فرماتے اور طالبین کو ہدایت و تلقین کرتے ..... بادشاہ سلامت کو تصوف میں اِس قدر غلو تھا کہ گلستاں کی شرح ایک صوفی کے نقطۂ نگاہ سے خود لکھی اور اشغال و اذکار میں ایک کتاب سراج المعرفت نام، مفتی میرلال سے لکھوائی تھی[۲]" تصوف کی اِس کتاب پر غالب کا مفصل دیباچہ خود غالب کے تصوّف سے گہرے شغف کا بھی مظہر ہے[۳]۔

سراج المعرفت اور اردوئے معلّیٰ (حصہ ۲) میں شامل غالب کے اِس دیباچے کی اشاعتوں کے متن میں متعدد اختلافات ملتے ہیں جن کی نشان دہی قاضی عبدالودود نے ایک مضمون میں فرمائی ہے[۴]۔ دیباچۂ سراج المعرفت کا کچھ حصّہ رسا ہمدانی کی کتاب میں شامل غالب کے ایک جعلی خط میں بھی نقل کیا گیا ہے[۵]۔

دیباچۂ سراج المعرفت کے متعلق مولانا حالی کی رائے ہے: "وہ دیباچہ جو انھوں نے سراج المعرفت پر لکھا ہے اُس میں جس خوبی اور متانت سے تصوّف کے اعلا خیالات ظاہر کیے ہیں اُس کے لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اُردو زبان تصوّف کے اعلا خیالات نہ اِس سے پہلے اور نہ اِس کے بعد ایسی عمدہ نثر میں کسی نے نہیں لکھے۔ کتاب ... میں منشی میرلال نے مرحوم بہادر شاہ کے ایما سے تمام اشغال و افکار - جو آں حضرت کے زمانے سے اس وقت تک سینہ بہ سینہ یا سفینہ بہ سفینہ چلے آتے تھے ایک جگہ جمع کیے تھے۔ مرزا نے اپنے دیباچے میں دکھایا ہے کہ ان اشغال و افکار کو معرفتِ الٰہی میں کیا دخل ہے اور کیونکر اُن کے ذریعے سے توحیدِ وجودی تک سالک کی رسائی ہو سکتی ہے ...."[۶]

دیباچے کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ حمد کے سلسلے میں غالب نے لکھا ہے:

"سبحان اللہ! آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعوا، حمد و شکر کی گزارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں؛ فکر اور نطق اور یہ دونوں قوتیں موہبتی ہیں۔ بخشی ہوئی دست گاہ پر خود نمائی؟ اور پھر اسی بخشنے والے کے آگے؟ کیسی تنگ ظرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی...." ۱۱

حمد کے بعد دیباچے میں توحید، نعت، نبوت، ولایت اور نظریۂ وحدت الوجود پر گفتگو ملتی ہے۔ دیباچے کے آخری حصّے میں غالب بہادر شاہ کی مدح کرتے ہیں، کتاب اور اُس کے مصنف کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں اور آخر میں بادشاہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اُنھیں پیشگی تنخواہ دے کر حج کے لیے بھیج دیں۔ چناں چہ غالب لکھتے ہیں:

"....حق سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے حضرت شاہنشاہی حق شناس حق آگاہ سراج الملۃ والدین، ابوظفر بہادر شاہ کو جو لباسِ بادشاہی میں یادِ الٰہی کر رہے ہیں: [سہ]

شاہی و درویشی ایں جا باہم است ۔ بادشاہِ عہد، قطبِ عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب.... مولانا مفتی سید رحمت علی خاں بہادر کو، اور فرمایا اُن سے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوسِ نزولی نبوت و ابتدائے قوسِ عروجی ولایت یعنی عہدِ جناب رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بہ سینہ و ہم سفینہ بہ سفینہ چلے آئے ہیں، اُن کو ایک رسالے میں درج کریں اور اِس رسالے کی تحریر میں وہ عبارت اُردو کہ صاف اور بے تکلف ہو خرچ کریں۔ کیوں نہ اربابِ فہم اِس رازداری پر قربان جائیں کہ مجموعِ اشغال و اذکار زبانِ حقیقت ترجمان سے فرماتے ہیں اور حکم دیا ہے کہ اُن کو وابستہ بہ سلاسلِ فقرا اور منقول من رسائل الرفا تحریر کریں۔ قضا را یہ ترکِ ہیچ زبان، اسد اللہ خاں ہیچ مداں کہ جس کا فنِ سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوبِ ہوسہائے خام ہے، اِس رسالے کے مشاہدے سے مستفیض ہوا۔ جی میں آیا کہ اِس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیے اور پھر برگِ سفر ساز کروں اور عزمِ سفرِ حجاز کروں۔ زمزم کے پانی سے وضو کروں اور اُس کاشانۂ ملائک آشیانہ کے گرد پھروں، اور پھر حجرِ اسود کو چوموں۔ اور پھر وہاں سے مدینۂ منورہ کو جاؤں اور خاکِ تربتِ اطہر کا سُرمہ آنکھوں میں لگاؤں۔ بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانۂ خدا کے

طواف کی رخصت دیں کہ یہ گنہگار وہاں جاوے اور اگر زیست باقی ہے تو وہاں جاکر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے، بخشواکر پھر آوے ....."[9]

مولانا فاضل لکھنوی کا کتاب سراج المعرفت کی تاریخ اشاعت [۳ر جمادی الاول ۱۲۷۰ھ مطابق ۲ر فروری ۱۸۵۴ء] کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ دیباچہ غالب نے ۱۸۵۳ء کے آخری مہینوں میں لکھا ہوگا۔[10] خود غالب کے بیان کی داخلی شہادت سے بھی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے یہ دیباچہ ستاون برس کے سن میں لکھا تھا۔ ہجری تقویم کی رو سے غالب (ولادت ۸ر رجب ۱۲۱۲ھ) ۸ر رجب ۱۲۶۹ھ کو ۵۷ برس کے ہوگئے تھے۔ ان امور کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ یہ دیباچہ ۸ر رجب ۱۲۶۹ھ کے بعد مگر سراج المعرفت کی تاریخ اشاعت ۳ر جمادی الاول ۱۲۷۰ھ سے قبل تک لکھا گیا ہو۔ عیسوی تقویم میں یہ زمانہ ۱۸ر اپریل ۱۸۵۳ء سے ۲ر فروری ۱۸۵۴ء تک کی درمیانی مدت کے مطابق ہے۔ شبیر احمد خاں غوری نے سراج المعرفت پر غالب کے اس دیباچہ کو غلطی سے "تقریظ" قیاس کیا ہے[11]

حواشی

۱۔ بہ حوالہ اُردوے معلّی صدی اڈیشن حصّہ دوّم و سوم، مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور طبع ۱۹۷۰ء ص ۸۵۹ (حاشیہ)

۲۔ مجموعۂ نثر غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی ص ۲۲۲

۳۔ بہادر شاہ ظفر: منشی امیر احمد علوی۔ لکھنؤ طبع ۱۹۳۵ء ص ۹۰

۴۔ تقوّف سے غالب کی دل چسپی کے لیے ملیکش اکبر آبادی اور شبیر احمد خاں غوری کے مضامین ملاحظہ ہوں (مشمولہ رسالہ اردوے معلّی دہلی غالب نمبر حصّہ سوم شمارہ ۱۰ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی ص ص ۱۹۰ تا ۲۵۷)

۵۔ رک رسالہ فکر و نظر علی گڑھ۔ اپریل ۱۹۶۲ء (بہ حوالہ فاضل لکھنوی)

۶۔ نادر خطوط غالب: مرتبہ سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی۔ کاشانۂ ادب لکھنؤ طبع ۱۹۳۹ء ص ص ۲۸ تا ۲۹

۷۔ یادگار غالب: حالی ص ۱۸۲

۸۔ اُردوے معلّی صدی اڈیشن حصّہ دوّم و سوم ص ۸۵۲

۹۔ ایضاً ص ص ۸۵۶ تا ۸۵۹

۱۰۔ ایضاً ص ۸۵۹ (حاشیہ)

۱۱۔ رک اردوے معلّی دہلی غالب نمبر حصّہ سوم شمارہ ۱۰ ص ص ۲۲۹ تا ۲۳۰

حدائق انظار پر غالب کا دیباچہ

اردو نثر میں غالب کے [redacted] مطبوعہ دیباچوں میں دیباچہ حدائق انظار بھی شامل ہے۔

حدائق انظار کے مولف خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان خواجہ حاجی کے چھوٹے بیٹے تھے۔ خواجہ امان ۱۸۱۷ء میں بہ مقام دہلی پیدا ہوئے۔ نو برس کے سن [۱۸۲۶ء] میں یتیم ہوگئے۔ خواجہ قمرالدین خاں راقم دہلوی [متولد ۱۸۳۲ء و متوفی مارچ ۱۹۱۰ء] انھیں خواجہ امان کے خلف اکبر اور غالب کے شاگرد تھے۔ خواجہ امان کے ایک اور فرزند خواجہ مرزا بھی تھے۔ خواجہ مرزا کے ایک نو سالہ فرزند نے پنج شنبہ ۲۵ جولائی ۱۸۶۱ء کی شب میں بہ عارضہ ہیضہ وفات پائی تھی۔ مشہور صاحب قلم مرزا فرحت اللہ بیگ خواجہ امان کے نواسے تھے۔ خواجہ امان ایک عرصے تک والیِ ریاست الور مہاراجا شیودان سنگھ [متوفی ۱۲۹۱ھ] کے اتالیق رہے۔ ۱۸۵۸ء کے آس پاس خواجہ امان الور سے دہلی واپس آگئے۔ مالک رام نے خواجہ امان کا سنہ وفات ۱۸۷۹ء بتایا ہے [تلامذۂ غالب ص ۱۱۲]۔ راقم دہلوی کا بیان ہے کہ اُن کے والد خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان نے اگست ۱۸۷۹ء میں رحلت کی تھی [احوال غالب ص ۲۸۸]۔ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور مورخہ ۶ رمضان ۱۲۹۶ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۷۹ء کے اندراج سے پتا چلتا ہے کہ خواجہ امان ۲۳ شعبان ۱۲۹۶ھ [از روئے تقویم مطابق سہ شنبہ ۱۲ اگست ۱۸۷۹ء] کو فوت ہوگئے تھے۔

بدرالدین خاں عرف خواجہ امان کی کتاب حدائق انظار دراصل میر تقی خیال کی ضخیم فارسی داستان بوستان خیال کی ایک جلد معز نامہ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ مہاراجا الور شیودان سنگھ کی فرمایش پر کیا گیا تھا۔ حدائق انظار کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے کتاب کا سال تکمیل ۱۲۷۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر کتاب کے تاریخی نام حدائق انظار کے بجائے "حدائق الانظار" لکھنا مناسب نہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین، مالک رام، غلام رسول مہر، امتیاز علی خاں عرشی اور قاضی عبدالودود نے کتاب حدائق انظار کا نام "حدائق الانظار" لکھا ہے جو محل نظر ہے۔ حدائق انظار طبع اول ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوئی [بحوالہ اردو کی نثری داستانیں ص ۱۹۹]۔ غالب کے بعض خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدائق انظار پہلی بار اکمل المطابع دہلی سے ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء [مطابق ۴ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ] کے آس پاس شائع ہوئی ہوگی۔ غالب کے ایک خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدائق انظار طبع اول کی قیمت چھ روپے فی جلد مقرر ہوئی تھی اور یہ کتاب ۲۳ جولائی ۱۸۶۶ء کو "معرض بیع" میں تھی۔ حدائق انظار دوسری بار مطبع بدرالدجی دہلی سے ۱۲۹۲ھ [مطابق ۷۶-۱۸۷۵ء] میں شائع ہوئی تھی۔ عبدالرؤف عروج کا بیان ہے کہ حدائق انظار اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوئی تھی [بزم غالب ص ۵۶]۔ یہ بیان محل نظر ہے۔ حدائق انظار اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۹۲ھ کے بجائے ۱۲۸۲ھ میں چھپی تھی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۲۹۲ھ میں اکمل المطابع دہلی کے بجائے مطبع بدرالدجی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ بحوالہ نثر غالب اردو (ص ۲۳۲) سے (×)

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے حدائق انظار پر غالب کے زیر بحث دیباچے کو ایک جگہ "تقریظ" فرض کیا ہے۔ دیباچے کو تقریظ بتانا محل نظر ہے۔ حدائق انظار پر غالب کی زیر بحث

(×) خلیل الرحمن داؤدی کا بیان ہے کہ یہ درست نہیں کہ حدائق انظار پہلی بار مطبع محمود المطابع دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں چھپی تھی۔ حدائق انظار مطبوعہ محمود المطابع دہلی ۱۲۸۱ھ کتاب کا دوسرا ایڈیشن تھا۔ حدائق انظار طبع ثانی مطبع بدرالدجی دہلی ۱۲۹۲ھ میں چھپی تھی

تحریر متعدد مصادر میں بطور دیباچہ ہی شامل ملتی ہے۔ دیباچۂ حدایق الانظار میں غالب کے بیان سے انکشاف ہوتا ہے کہ یہ دیباچہ کتاب کی تکمیل کے بعد خواجہ بدرالدین خاں کی خواہش پر لکھا گیا تھا [عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۲] - حدایق الانظار کے سنہ تکمیل ۱۲۷۵ھ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے یہ دیباچہ ۱۲۷۵ھ (مطابق ۵۹ء - ۱۸۵۸ء) یا اُس کے بعد لیکن کتاب کی پہلی اشاعت ۱۸۶۶ء [۱۲۸۲ھ] سے قبل لکھا ہوگا۔ حدایق الانظار پر غالب کا یہ دیباچہ انتخابِ غالب میں بھی شامل ہے جو میری اطلاع کے بموجب ۱۸۶۴ء [۸۱-۱۲۸۰ھ] کے آس پاس مرتب ہوئی تھی [تفصیل کے لیے انتخابِ غالب پر میرا مضمون مشمولہ نیا دور لکھنؤ اپریل ۱۹۶۲ء ملاحظہ ہو] ان حالات میں اندازہ ہوتا ہے کہ دیباچۂ حدایق الانظار ۱۸۶۴ء یا اُس سے قبل ہی لکھا جا چکا ہوگا۔

دیباچۂ حدایق الانظار میں غالب نے داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال کے بعض کرداروں اور واقعات کا ذکر جس طرح کیا ہے اُس سے مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ زیرِ بحث دیباچے کی تحریر کے وقت داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال غالب کے زیرِ مطالعہ رہی ہوں گی۔ مجروح کے نام غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

"..... مولانا غالب علیہ الرحمۃ اِن دنوں میں بہت خوش ہیں۔
پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر
حجم [کذا؟ حجم] کی ایک جلد بوستانِ خیال کی آگئی ہے۔
سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانے میں موجود ہیں۔ دن
بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں، رات بھر شراب پیا کرتے
ہیں....." [اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع ۱۸۶۹ء ص ۱۶۷]

غالب کے اِس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۶۱ء کا نصفِ اول متعین کیا گیا ہے [اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصہ اول جلد اول مرتبہ مولانا افضل لکھنوی ص ۲۳۳ حاشیہ ۱] - اِن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیباچۂ حدایق الانظار شاید ۱۸۶۱ء [۱۲۷۷ھ] کے آس پاس لکھا گیا ہوگا لیکن میرے اِس قیاس کی تصدیق مزید تحقیق ہی سے ہو سکتی ہے۔

دیباچۂ حدایق الانظار [عودِ ہندی طبع ۱۸۶۸ء ص ۱۸۳] میں خود غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ اِس دیباچے کی تحریر کے وقت تک خواجہ امان "جوانِ شیریں بیان تیز ہوش" اور "ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سخت کش و سخت کوش" تھے اور وہ موسیقی و مصوری میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے۔ موسیقی اور مصوری جیسے مشکل فنونِ لطیفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل کرنے کے لیے انسان کو برسوں محنت کرنا پڑتی ہے اور ایک طویل مدت تک مشق و ریاض کر کے انسان چالیس پچاس برس کے پختہ سن کے بعد ہی اِن فنون میں مشاق ہو پاتا ہے۔ اگر دیباچۂ حدایق الانظار کا زمانۂ تحریر ۱۸۶۱ء قابلِ قبول ہو تو اُس وقت خواجہ امان [متولد ۱۸۱۷ء] کی عمر تقریباً

۴۴ سال ہوتی ہے اور چوالیس برس کے سن میں [۱۸۶۱ء کے آس پاس زیرِ بحث دیباچے کی تحریر کے وقت تک] خواجہ امان کا موسیقی و مصوری میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لینا خلافِ قیاس نہ ہوگا۔ بہر حال میں اپنے اِن قیاسات کی توثیق و تصدیق کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت کا منکر نہیں ہوں۔

دیباچۂ حدائق الانظار کے ابتدائی حصّے میں غالب نے بہ طور تمہید "شاہدِ زیبائے سخن" کے متعلق جو عبارت آرائی کی ہے وہ کچھ زیرِ بحث دیباچے سے مخصوص نہیں۔ غالب نے بعض اور دیباچوں یا تقریظوں کے تمہیدی حصّوں میں بھی اِسی قسم کی انشا پردازی کی ہے۔ مثلاً کلب حسین نادر کے مجموعۂ قصائد پر غالب کے دیباچے کی تمہید میں "شاہدِ سخن" کے متعلق یہ عبارت آرائی ملتی ہے:

"سبحان اللہ! شاہدِ سخن کمالِ حسن میں لاثانی ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ یہ یوسفِ کنعانِ معانی ہے۔ کنعاں ہو کنواں ہو کارواں ہو، کوئی جگہ کوئی مقام کوئی مکاں ہو؛ زلف ویسی ہی معنبر، عارض بدستور تاب دار، لب کی جاں بخشی کا وہی عالم، چشم اُسی طرح بیمار، مجھ سا جو سلطنتِ مصر کے زمانے کا جمال تصوّر میں لائے گا وہ آفتابِ تاباں کو حضرتِ یوسف کا ادنیٰ ذرّہ پائے گا۔۔۔۔" [عودِ ہندی طبع اوّل ص ۱۸۴]

بہادر شاہ ظفر کی کتاب پر غالب کی تقریظ کی تمہید میں "نطق" پر بھی اِسی قسم کی انشا پردازی نظر آتی ہے:

"اللہ اللہ! نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امورِ دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالحِ دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود، بل کہ اگر بہ مثلِ اسمِ اعظم فرض کیجیے تو اُس کی بھی نمود جب تک اِس لطیفۂ عینی [؟ غیبی] کا شمول نہ ہو عالمِ امکان میں ممکن نہیں ۔۔۔ مسائلِ حکیمانہ کی ہستی، شرباتِ رندیانہ کی مستی؛ درد و درماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسوں کے مقاصد کا مدار؛ شکوہ و شکایت کا عنوان، نفرین و آفرین کا بیان؛ ردّ و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت؛ صرف و نحو کی راز دانی، لفظ و معنی کی گل افشانی؛ جو کچھ اگلوں نے کہا ہے، جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے؛ جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے؛ جو کچھ نیک و بد نو و کہن سے ہے، سب وابستہ نطق و سخن سے ہے۔ اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے، چشمہ ہے ندی ہے سیل ہے دریا ہے۔ کیسی روانی اور کس زور کا پانی؛ اُس کا چڑھاو اُس کی رفتار، اس پر کس کا زور اور کس کا اختیار۔

جدھر منہ کیا اُدھر ایک نالہ بہا دیا - دریا کی بہر گیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہو - بار بار دیکھا ہے کہ آغازِ کلام جس کو ہندی میں اُٹھان اور فارسی میں انگیزہ اور عربی میں باعث کہیے کچھ اور ہے اور بیچ وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ کیا طور ہے ---" [اردوئے معلّیٰ حصہ دوم طبع اوّل ۱۸۹۹ء ص ۹۱ تا ۹۲]

تقریظ شجاع مہر کی تمہید میں بھی غالب کی یہی تمام انشاپردازی دیکھی جا سکتی ہے [عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ص ۱۷۹ تا ۱۸۰] - "نطق" اور "شاہدِ سخن" پر غالب کی انشاپردازی کے ان نمونوں کے بعد دیباچۂ حدائق الانظار کی تمہید ملاحظہ ہو:

"سبحان اللہ! شاہدِ زیبائے سخن کا حسن بے مثال، شاہدہ اُس کا نور افزائے نگاہ، تصور اُس کا انجمن افروزِ خیال؛ از روئے لفظ اہلِ معنی کی نظر میں آئینۂ عارضِ جمال، من حیث المعنی بہ صورتِ صنعتِ قلبِ کلام "کا مقلوب یعنی کمال - اگر نفسِ ناطقہ کو حق نے بہ صورتِ انسان پیدا کیا ہوتا، ہم اُس صورت میں یہ کیوں کر کہیں کہ کیا ہوتا؟ اس لعبتِ دل فریب [لعبت: پتلی، گڑیا، تصویر — لغاتِ سعیدی] کی نظارگی سے بے مادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکرِ ہوش رُبا دیکھ کر اہلِ معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے - نظم میں اور ہی ڈھب، نثر میں اور ہی ڈھنگ، فارسی میں اور ہی زمزمہ، اردو میں اور ہی آہنگ ---" [عودِ ہندی طبع اوّل ص ۱۸۲]

دیباچہ و تقریظ کی تمہیدوں میں "شاہدِ سخن" یا "شاہدِ زیبائے سخن" یا "نطق" یا "نفسِ ناطقہ" کے متعلق یہ تمام عبارت آرائیاں اسلوب اور مواد دونوں ہی اعتبار سے ایک دوسرے کا چربہ محسوس ہوتی ہیں - ان تمہیدوں میں غالب اپنے آپ کو دوہراتے نظر آتے ہیں - مختلف کتابوں کے لیے ایک دوسرے سے مماثل یہ تمام عبارتیں ان کتابوں کے موضوع سے کوئی خصوصی ربط نہیں رکھتی ہیں - یہ دراصل آزاد نوعیت کی عبارتیں ہیں جن کی پیوند کاری نگارش کی آرائش کے لیے کسی بھی تحریر میں کی جا سکتی ہے - ان میں سے کسی ایک دیباچے یا تقریظ کی تمہید کسی بھی دوسرے دیباچے میں جوڑی جا سکتی ہے - دیباچوں اور تقریظوں کی تمہید میں یہ طریقۂ کار دیباچہ و تقریظ نگاری کے لیے غالب کے تساہل کا مظہر ہے - یہ صورتِ حال دیباچہ و تقریظ نگاری میں غالب کی اُس عدمِ دل چسپی کی غماز ہے جس پر میں اس مقالے کے زیرِ نظر باب میں غالب کی اردو تقریظ نگاری کے عنوان سے تفصیلی بحث کر چکا ہوں - دیباچۂ حدائق الانظار میں غالب نے اپنے عہد کے اُس مروجہ مقفّیٰ اسلوب کا التزام کیا ہے جس کے نقوش غالب کے اردو خطوط میں خال خال ہیں - تقریظ اور دیباچہ نگاری میں غالب نے عموماً جس قدیم مقفّیٰ اسلوب سے کام لیا ہے وہ دورِ حاضر میں مقبول نہیں - غالب کی

اُردو نثر کا بڑا حصہ اُن کے وہ خطوط ہیں جو نثرِ مقفیٰ سے زیادہ نثرِ عاری میں شگفتہ نگاری کے نمونے ہیں۔

دیباچۂ حدائق الانظار میں غالب نے تاریخ و داستان کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... سیر و تواریخ میں وہ دیکھو جو تم سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا ہو، افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو۔ ہر چند خردمند بیدار مغز تواریخ کی طرف بالطبع مائل ہوں گے لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل ــ میں قائل ہوں گے۔ کیا تاریخ میں ممتنع الوقوع حکایات نہیں؟ نا انصافی کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں۔ سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے، سیمرغ اُس کو اپنے گھونسلے میں اٹھا لائے، پرورش کرکے پہلوان بنائے، آدابِ حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے، زال اُسی اسمِ بے مسمیٰ کو بلائے۔ سیمرغ گرداں کبوتر کی طرح سیٹھی [کذا۔ سیٹی] کی آواز سن کے [کذا۔ سُن کے] ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کے لیپ سے یا اور کسی دوا سے رستم کے زخم اچھے کرے، ایک تیرِ دو شاخہ دے کر تشریف لے جائے۔ رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتی [کذا۔ ہاتھی] کو ہلاک کرے، جب چشمِ بد دور جوان ہو دیوِ سفید کو تہِ خاک کرے۔ فرعون کا دعوائے خدائی مشہور ہے، شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اگر اہلِ طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزۂ دیوکش رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمرد شاہ گمراہ دعوائے خدائی کرنے والا مثلِ نمرود گڑھ لیں، گویا ایک ڈھکوسلا بنایا ہے مگر اچھا بنایا ہے۔ انھیں روایات کا چربہ اُٹھایا ہے مگر اچھا اُٹھایا ہے۔ موعظت و پند نہیں، تجربات ندیمانہ ہے، سیر و اخبار نہیں جھوٹا افسانہ ہے ..." [عود ہندی، ص ۱۸۲ تا ۱۸۳]

یہاں غالب نے داستان ــ کے مقابلے میں سام، رستم و زال کے جن قصوں کو تاریخ سمجھ کر بیان کیا ہے وہ تاریخ کے بجائے تخیل کی پیداوار ہیں اور ان تخیلی افسانوں کو تاریخی واقعات کا درجہ دینا غالب کے ناپختہ تاریخی شعور اور تاریخ سے عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔

دیباچۂ حدائق الانظار میں غالب نے تاریخ و داستان کا جو موازنہ کیا ہے

وہ نظر بہ ظاہر تاریخ و افسانہ کے متعلق خواجہ امان کے اُس بیان کی آواز بازگشت معلوم ہوتا ہے جو حدائق انظار میں موجود ہے۔ تاریخ و داستان کے بارے میں خواجہ امان کا بیان ہے کہ " ---- تمہید قصّہ میں بجنسہٖ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو۔ نقل و اصل میں ہرگز فرق نہ ہو سکے۔" تاریخ و داستان کے متعلق خواجہ امان کے اِس بیان پر ڈاکٹر گیان چند جین نے قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے [اردو کی نثری داستانیں ص ص ۲۰۲ تا ۲۰۳ نیز ص ص ۲۱۳ تا ۲۱۴]۔

تمہید اور تاریخ و داستان کے موازنے کی منزلوں سے گزر کر زیر بحث دیباچے میں غالب نے داستانوں سے اپنی غیر معمولی دل چسپی کا اظہار کیا ہے نیز بوستان خیال کے مؤلف میر تقی [خیال] کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے بوستانِ خیال کو داستانِ امیر حمزہ پر ترجیح دی ہے۔ فارسی میں ان دونوں داستانوں میں سے کس کو کس پر ترجیح حاصل ہے اس کا فیصلہ فارسی ادب کے مورخین کریں گے لیکن اردو میں ان دونوں قصّوں میں داستانِ امیر حمزہ کو بوستانِ خیال سے بہتر مانا گیا ہے [اردو کی نثری داستانیں: ڈاکٹر گیان چند جین ص ص ۳۵۵ تا ۳۶۸ نیز دیکھیے فنِ داستان گوئی: کلیم الدین احمد۔ شائع کردہ دائرہ ادب بانکی پور پٹنہ ص ۱۱۱ نیز ص ص ۱۱۶ تا ۱۱۹]۔ یہاں غالب کے ذہن میں داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال کے درمیان مقابلہ کرنے کا خیال پیدا ہونے کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ بوستانِ خیال دراصل داستانِ امیر حمزہ کے مقابلے میں لکھی گئی تھی جیسا کہ حدائق انظار میں خواجہ امان کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے [تفصیلات کے لیے دیکھیے اردو کی نثری داستانیں ص ص ۱۹۵ تا ۱۹۶، ص ص ۲۰۳ تا ۲۰۴ نیز ص ۳۲۸]۔ دیباچۂ حدائق انظار کے زیر تبصرہ حصّے سے غالب کے بیانات درج ذیل ہیں:

" داستان طرازی من جملہ فنونِ سخن ہے، سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے۔ عمر [؟ عمرو] کی عیاریاں دیکھو، حمزہ کی میدان داریاں دیکھو۔ جامع ان حکایات کا گو اُسخن ور ایران کا ہے مگر وہ میر تقی، محمد شاہی جو ندیم موتمن الدولہ اسحٰق خان کا ہے، گویا باغ ارم کو ہندوستان اٹھا لایا۔ اُس نے بوستانِ خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے معزنامہ، واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم اور حسن و عشق کی گرمیِ ہنگامہ۔ معز الدین کی طلسم کشائیاں [کذا ۔ کشائیاں] اگر سنیں [تو] امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحب قرانی کو ڈھونڈتے پھریں اور کہیں پتا نہ پائیں۔ ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں

[تو] خواجہ عمر [؟ عمرو] کو بہ حیرت ہو کر زیرہ سی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں ...." [عود ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۳]

اِس اقتباس میں غالب نے داستانِ امیر حمزہ کو کسی ایرانی سخن ور کی تالیف بتایا ہے اور اِس داستان کے ایک اہم کردار خواجہ عمرو کا املا بہ تکرار "خواجہ عمر" لکھا ہے۔ والیٔ رام پور نواب کلب علی خاں کے نام ایک خط میں بھی غالب نے داستانِ امیر حمزہ کو ایرانی "صاحب طبعوں" کی تالیف قرار دیا ہے اور اِس خط کے ساتھ ارسال کردہ اپنے فارسی قصیدے میں بھی غالب نے خواجہ عمرو کا نام غلطی سے بہ تکرار "عمر" لکھا ہے۔ نواب کلب علی خاں کے نام غالب کے اِس خط کا تراشہ درج ذیل ہے:

"..... داستانِ حمزہ قصۂ موضوعی ہے۔ شاہ عباس ثانی کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اِس کو تالیف کیا ہے۔ ہندستان میں امیر حمزہ کی داستان اِس کو کہتے ہیں، اور ایران میں رموزِ حمزہ اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے اور ہمیشہ مشہور رہے گا۔ آپ کے اس تکیہ دار، روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے، مشتمل اس التزام پر کہ تشبیب کی ابیات اور مدح کے اشعار میں حمزہ و اولادِ حمزہ و زمرد شاہ وغیرہ یاراں کے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سو وہ قصیدہ آج اِس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اِس کو پڑھ کر محظوظ ہوں۔ خدا آپ کو قیامت تک سلامت رکھے! مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہے گا، یہ قصیدہ بھی شہرت پذیر رہے گا...." [مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی، متن ص ۴۱ تا ۴۲]

مولانا عرشی نے غالب کے اِس قول کو بہ دلائل رد کیا ہے کہ داستانِ امیر حمزہ شاہ عباس ثانی کے عہد میں لکھی گئی تھی [مکاتیبِ غالب متن ص ۴۱ حاشیہ ۳ بر صفحہ ۱۵۲]۔ غالب کے اِس خط کی تاریخِ تحریر ۲۱ اگست ۱۸۶۵ء ہے گویا غالب کا محولہ بالا فارسی قصیدہ ۲۱ اگست ۱۸۶۵ء سے قبل کہا جا چکا ہوگا۔ یہ قصیدہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء میں موجود نہیں ہے۔ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء میں اِس قصیدے کی عدم موجودگی اِس امر پر مشعر ہے کہ یہ قصیدہ ۱۸۶۳ء کے بعد کہا گیا ہوگا۔ مکاتیبِ غالب (متن ص ص ۴۲ تا ۴۴) میں غالب کے اِس فارسی قصیدے میں ۵۱ (اکیاون) اشعار ہیں مگر باغِ دو در میں یہ قصیدہ پچاس اشعار پر مشتمل ملتا ہے۔ نواب کلب علی خاں کی مدح میں داستانِ امیر حمزہ کے واقعات اور کرداروں کے ذکر پر مشتمل غالب کا یہ فارسی قصیدہ داستان سے غالب کی غیر معمولی دل چسپی کی یادگار ہے۔ اِس قصیدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ داستانیں بھی غالب کے ادبی شعور کی تشکیل میں کسی نہ کسی حیثیت سے معاون رہی ہیں۔ داستانوں کے زیرِ اثر معرضِ وجود میں آنے والا غالب کا یہ فارسی قصیدہ اِس لحاظ سے خصوصی مطالعے کا مستحق ہے۔

داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال کے مقابلے کے بعد دیباچۂ حدائق الانظار میں غالب نے خواجہ امان اور اُن کے بوستانِ خیال کے اُردو ترجمے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دریں ولا میرا برادر زادہ سعادت توامان خواجہ بدر الدین خاں
عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان خیر بین میاں تیز ہوش ہے اور
ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سخنی کش و سخت کوش ہے، ستار کا جو
خیال ہوا ایسا بجایا کہ میاں تان سین کو انگلیوں پر نچایا۔ مصوری
کی طرف کو [طرف کو، کذا — طرف] جو طبیعت آئی، وہ تصویر
کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت آئی۔ اس اقبال آثار
کا یہ ارادہ ہوا، حمزہ نامے کی فارسی نثر کی اردو کرنے پر آمادہ ہوا، معز الدین
فیروز بخت کی کشور کشائیاں، ابوالحسن جوہری کی نیرنگ نمائیاں،
عجائبات حکیم قسطاس کی حیرت فزائیاں، ملکہ نوبہار کی رنگیں ادائیاں،
جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں، صار [کذا — ضار] شکوس
منحوس کی بے حیائیاں، مسلمین اور کفار کی لڑائیاں، مسلمانوں کی
بھلائیاں، کافروں کی برائیاں فارسی سے اُردو میں لے آیا۔ یوں تصور
کرو کہ قلمروِ اُردو میں ایک قصرِ دلکش یا ایک خانہ باغ روح افزا
سر تا سر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے، گویا تقریر کو پیرایۂ تحریر
دیا ہے۔ بعد اختتامِ نگارش غالبِ فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی
کی آرزو کی۔ میں نے ہر چند عجز آمیز گفتگو کی، بیدادگر نے ایک
بات نہ سُنی اور ایک عذر نہ مانا [کذا — نہ مانا]؛ بھلا اس
اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا۔ بھتیجا اور پیارا
بھتیجا۔ ناچار بحر [کذا — بجز] خامہ فرسائی کچھ بن نہ آئی۔
اس دیباچے کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ
عالمِ ارواح کو سیدھا چلا گیا اور حضرت نظامی سے ایک شعر
مانگ لایا۔ اسی شعرِ شوخ شعار کو خاتمے میں لکھ دیتا ہوں،
بہت تنگ آ گیا ہوں اب دم لیتا ہوں: شعر

شکر کہ ایں نامہ بہ عنواں رسید
پیشتر از عمر بہ پایاں رسید" [عود ہندی طبع اوّل [illegible]]

دیباچے کے اس حصے میں کئی امور ذہن کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔ یہاں غالب نے خواجہ امان کو ایک جگہ اپنا برادر زادہ اور دوسری جگہ اپنا "بھتیجا اور پیارا بھتیجا" بتایا ہے حالانکہ اس سے برسوں قبل غالب خواجہ امان کے والد خواجہ حاجی سے اپنی رشتہ داری کے منکر تھے اور خواجہ حاجی کو غالب اپنے دادا کے سائیس کا بیٹا بتاتے تھے[16]

دیباچے کے اس حصے میں غالب کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ امان موسیقی اور مصوری میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ خواجہ امان کے حالاتِ زندگی سے اگر یہ معلوم ہو سکے کہ موسیقی و مصوری میں انھوں نے کس سن میں یہ کمال حاصل کر لیا تھا تو اس سے بھی زیرِ بحث دیباچے کے زمانۂ تحریر کا اندازہ ہو سکے گا۔

دیباچے کے اس حصے میں غالب نے کتاب حدائق الانظار کے بعض کرداروں اور بعض واقعات کا ذکر جس انداز میں کیا ہے اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ دیباچہ لکھتے وقت حدائق الانظار (قلمی شکل میں) یا بوستانِ خیال کی جلد معز نامہ اُن کے پیشِ نظر تھی اور انھوں نے حدائق الانظار پڑھنے کے بعد ہی یہ دیباچہ لکھا تھا۔ اس کے برخلاف مثنوی شعاعِ مہر پر غالب نے اپنی تقریظ پوری مثنوی پڑھے بغیر لکھی تھی کیونکہ غالب کی یہ تقریظ میرے نزدیک ذی الحجہ ۱۲۷۴ھ [اواخر جولائی یا اوائل اگست ۱۸۵۸ء] میں لکھی جا چکی تھی جب کہ مثنوی شعاعِ مہر کا سنہ تکمیل ۱۲۷۵ھ [۱۸۵۹ء] تھا۔[٭] ان امور پر میرے ایک مضمون مطبوعہ خبرنامہ لکھنؤ ماہ مئی و جون ۱۹۷۹ء (ص ص ۵ تا ۶) میں مفصل بحث کی گئی ہے اور میں بحث گذشتہ سطور میں بھی پیش کی جا چکی ہے۔

اپنے دیباچے میں غالب نے حدائق الانظار کے لیے یہ بھی لکھا ہے: "...... یوں تصور کرو کہ قلمرو اُردو میں ایک قصر دلکش یا ایک خانہ باغ روح افزا سرتاسر بنایا ......" یہاں غالب نے کتاب حدائق الانظار کے نام کی رعایت سے اسے "خانہ باغ" قرار دیا ہے۔ "حدیقہ" کے معنی ہیں درختوں سے بھرا ہوا چار دیواری والا باغ۔ حدیقہ کی جمع "حدائق" ہے درختوں سے بھرا ایسے باغات مراد ہیں جو دیواروں سے گھرے ہوئے ہوں۔[٭] یہاں غالب نے "خانہ باغ" کتاب کے نام کی رعایت سے لکھا ہے۔ "خانہ باغ" چونکہ گھر کے اندر ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی چار دیواری سے گھرا ہوتا ہے۔

حواشی

۱؎ خواجہ امان کے حالات مندرجہ ذیل مصادر میں موجود ہیں:

(۱) تلامذۂ غالب: مالک رام - مرکز تصنیف و تالیف نکودر طبع اول ص ص ۱۱۲ تا ۱۱۳

(۲) احوالِ غالب: مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع جولائی ۱۹۵۳ء ص ص ۱۳۲، ۲۸۴ تا ۲۸۸

(۳) بزمِ غالب: عبدالروف عروج - ادارۂ یادگار غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۵۶

(۴) خم خانۂ جاوید (جلد سوم) لالہ سری رام - دلی پرنٹنگ ورکس دہلی طبع ۱۹۱۷ء ص ۳۵۵

(۵) ذکرِ غالب: مالک رام - مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۲۸ (حاشیہ)

(۶) [illegible] ص ۲۲۲ تا ۲۲۴

۲؎ بہ حوالہ مکتوب غالب بہ نام مجروح مشمولہ عود ہندی: غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اول مطبوعہ اا رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۹۱ [نیز خط کی تاریخ کے لیے دیکھیے عود ہندی: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ص ۲۳۷ تا ۲۳۸]

۳؎ خیابانِ تواریخ: محمد علی جویا مراد آبادی - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۸۱ء ص ۷۰ [بحوالہ کاظم علی خان]

۴؎ بہ حوالہ رسالہ معاصر پٹنہ (حصہ ۲) بابت جنوری ۱۹۵۲ء ص ۱۳۰ [مضمون محمد علی خاں اثر]

ﻪ بوستانِ خیال کے مصنف میر محمد تقی خیال احمد آباد گجرات کے باشندے اور محمد افضل ثابت الہ آبادی
[متوفی ۱۱۶۲ھ] کے شاگرد تھے۔ میر تقی خیال بہ عہد محمد شاہ، گجرات سے دہلی آئے تھے۔ مؤتمن الدولہ نواب اسحاق خاں
سالار جنگ [illegible] (متوفی ۲۸ اپریل ۱۷۴۰ء) میر تقی
خیال کے سرپرستوں میں تھے۔ محمد شاہ رنگیلے کی وفات [۲۵ اپریل ۱۷۴۸ء] کے بعد خیال بنگال
میں سراج الدولہ کے پاس چلے گئے۔ بنگال میں وہ جعفر خاں ناظم بنگال کے فرزند نواب رشید الدین
خاں کی سرکار سے وابستہ رہے۔ میر تقی خیال نے ۱۱۷۳ھ [۶۰-۱۷۵۹ء] میں وفات پائی۔
میر تقی خیال نے داستانِ امیر حمزہ کے جواب میں بوستانِ خیال کے نام سے متعدد جلدوں
پر مشتمل فارسی میں ایک ضخیم داستان لکھی تھی۔ بوستانِ خیال کی پہلی جلد مہدی نامہ
۱۷۴۲ء میں دہلی میں شروع ہوئی تھی اور آخری جلد ۱۷۵۵ء میں مرشد آباد بنگال
میں ختم ہوئی تھی۔ بوستانِ خیال کی چھ جلدوں کا اردو ترجمہ خواجہ بدر الدین خاں عرف
خواجہ امان نے کیا اور دو جلدوں کا ترجمہ خواجہ امان کے فرزند خواجہ قمر الدین راقم نے کیا
تھا۔ اردو ترجمہ پر مشتمل یہ آٹھوں جلدیں چھپ چکی ہیں۔ بوستانِ خیال کے متعدد اردو ترجمے
ملتے ہیں اور ایسے مترجمین میں خواجہ امان و خواجہ قمر الدین راقم کے علاوہ حکیم سید حسین
خاں شمی، عالم علی، مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا، [illegible] مرزا محسن علی خاں عرف
آغا مجو ہندی، پیارے مرزا، نواب مرزا علی خاں، سید نادر علی سیفی نیز فرزند احمد
صفیر بلگرامی کے نام شامل ہیں۔ تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مصادر سے رجوع فرمائیں:

① داستانِ تاریخ اردو: حامد حسن قادری - آگرہ اخبار پریس آگرہ طبع ۱۹۶۶ء ص ۲۲۷

② احوالِ غالب ص ۲۸۷ ③ سخن شعرا: نساخ مطبع نولکشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۵۵۸

④ اردو کی نثری داستانیں: ڈاکٹر گیان چند جین۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی طبع
۱۹۵۴ء ص ص ۱۹۶ تا ۲۲۶

[معمولہ کاظم علی خاں]

⑤ شمع انجمن: صدیق حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی بھوپال طبع ۱۲۹۳ھ ص ص ۱۰۲ تا ۱۰۳

⑥ انگریزی کتاب دی فرسٹ لٹریچر آف اردو: ڈاکٹر آغا بیر بادی لال سری واستوا۔
شیو لال اگروالا اینڈ کمپنی آگرہ طبع جون ۱۹۵۵ء ص ۹۹ نیز ص ۱۳۲

ﻪ د۔ک: (۱) اردو کی نثری داستانیں: ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۹۵، ص ۱۹۷، ص ۱۹۹ نیز ص ۲۰۰
(۲) ذکرِ غالب: مالک رام ص ۱۷۵ [لیکن تلامذۂ غالب ص ۱۱۳ میں مالک رام نے
کتاب کا نام حدائق الانظار درست لکھا ہے]
(۳) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۶۷
(۴) مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی۔ ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۴۶ء دیباچہ
ص ۲۴۵ نیز ص ۲۵۲
(۵) عیارِ غالب: مرتبہ مالک رام۔ علمی مجلس دلی۔ طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۱۰۰ [مضمون
"جہانِ غالب" از قاضی عبدالودود]

[illegible]

۷؎ اردوئے معلّیٰ (حصّہ اوّل): غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء
ص ۶ نیز ص ۲۷ [مملوکۂ راقم الحروف]

۸؎ عودِ ہندی مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۱۳۱ - ۴۳

۹؎ حدائق الانظار: مترجمہ خواجہ بدر الدین خاں - مطبع بدر الدجیٰ دہلی طبع بارِ دوم مطبوعہ ۱۲۹۲ھ رضا لائبریری رام پور میں میری نظر سے گزری ہے - یہ کتاب سید حسن منیجر مطبع بدر الدجیٰ کے زیرِ اہتمام چھپی تھی - کتاب کے خاتمے (ص ۵۵۶) کا اندراج ایسے "طبع بارِ دوم" بتاتا ہے - اس کتاب کی ضخامت ۵۵۶ صفحات، ناپ ۱۰ × ۱۵ (انچ) اور مسطر ۲۹ سطری ہے - کتاب (ص ص ۲ تا ۳) میں غالب کا دیباچہ بھی شامل ہے -

۱۰؎ اردوئے معلّیٰ: صدی ایڈیشن حصّہ اوّل جلد دوم: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۷۵۰ (حاشیہ ۱)

۱۱؎ مصادر کی تفصیل درج ذیل ہے:
(۱) عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ص ۱۸۲ تا ۱۸۴
(۲) حدائق الانظار طبع ۱۲۹۲ھ ص ص ۲ تا ۳
(۳) اردوئے معلّیٰ (حصّہ دوم) مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۵۵ تا ۸
(۴) انتخابِ غالب: مرتبہ محمد عبد الرزاق - چشتیہ پریس حیدر آباد دکن طبع ۱۳۱۵ھ
(۵) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۵۶۷ تا ۵۶۹
(۶) مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۲۲۵ تا ۲۲۸

۱۲؎ عودِ ہندی طبع اوّل ص ۱۸۳

۱۳؎ ان تین الفاظ میں سے لفظ "اثقان" کے معنی ابتدا، آغاز، شروع فرہنگِ آصفیہ (جلد اوّل) طبع ۱۹۷۴ء ص ص ۱۱۱ تا ۱۱۲ میں مل جاتے ہیں لیکن "انگیزہ" اور "باعث" کے غالب کے بیان کردہ معانی نہ تو فرہنگِ آصفیہ میں ملتے ہیں اور نہ غیاث اللغات میں -

۱۴؎ کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء [مملوکہ کاظم علی خاں]

۱۵؎ باغِ دو در: غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی - پنجابی اکیڈمی پریس لاہور طبع ۱۹۷۰ء متن ص ص ۶۱ تا ۶۵

۱۶؎ دیکھ: (۱) متفرقاتِ غالب: مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۴۹ء ص ۹۴
(۲) ذکرِ غالب: مالک رام ص ۵۳ (حاشیہ)

۱۷ شجاع مہر: مرزا حاتم علی مہر۔ مطبع حیدری آگرہ مطبوعہ ۵ر دسمبر ۱۸۶۰ء ص ۱۲
۱۳۸ [نیز دیکھیے میرا مضمون مشمولہ ہماری زبان دہلی مورخہ ۲۲ر جولائی ۱۹۷۹ء
ص ۲ کالم ۲]

۱۸ غیاث اللغات: مولوی غیاث الدین رام پوری۔ مطبع منشی نول کشور کانپور
طبع نومبر ۱۸۷۳ء ص ۱۲۰ [مملوکہ کاظم علی خاں]

مجموعۂ قصائدِ نادر پر غالب کا دیباچہ

ناسخ لکھنوی کے شاگرد کلب حسین نادر (متوفی ۱۷؍جون ۱۸۷۸ء/ ۱۷؍جمادی الآخر ۱۲۹۵ھ)

مرزا غالب کے حلقۂ احباب میں شامل تھے۔ نادر کا مجموعۂ قصائد "ریاضِ نادریہ" کے تاریخی نام سے ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں مرتب ہو کر ۲۷؍ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ/ ۸؍ستمبر ۱۸۶۶ء کو مطبع دلکشا فتح گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ غالب کا زیرِ تبصرہ دیباچہ پہلی بار "ریاضِ نادریہ" ہی میں بطورِ تقریظ چھپا تھا مگر بعد کو عودِ ہندی اور اُردوئے معلّیٰ حصّہ ۲ میں غالب کا یہ نثر پارہ تقریظ کے بجائے دیباچے کے عنوان سے شائع ہوا اور اب بھی یہ دیباچے ہی کی شکل میں درجِ ذیل مصادر میں شامل ملتا ہے: خطوطِ غالب، مرتبہ غلام رسول مہر، مجموعۂ نثرِ غالب اُردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، نیز اُردوئے معلّیٰ (صدی اڈیشن) حصّہ دوم و سوم، مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی۔[۱]

ریاضِ نادریہ مطبوعہ ۲۷؍ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ مطابق ۸؍ستمبر ۱۸۶۶ء میں غالب کے اس نثر پارے کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہ دیباچہ ۸؍ستمبر ۱۸۶۶ء سے قبل لکھا جا چکا ہو گا۔ مولانا فاضل لکھنوی نے اس دیباچے کا زمانۂ تحریر ۶۶-۱۸۶۵ء قرار دیا ہے۔[۲]

زیرِ مطالعہ دیباچے کے ابتدائی نصف حصّے میں غالب نے بہ طورِ تمہید "شاہدِ سخن" کے بارے میں پُر تکلف عبارت آرائی کی ہے اور نثرِ مقفّیٰ کا التزام کیا ہے۔ مولانا حالی اور مولانا حامد حسن قادری نے غالب کے اُردو دیباچوں کے متعلق بطورِ ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس دیباچے پر بھی منطبق ہوتا ہے:

مولانا حالی: "مرزا نے چند ... دیباچے بھی اُردو زبان میں لکھے ہیں اور اُن سب میں مسجّع و مقفّیٰ عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے خطوں میں ... [پائی جاتی] ہے وہ ان ... دیباچوں میں نہیں ہے خصوصاً سجع کی رعایت نے ان میں آورد اور تصنع کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے، لیکن مرزا کو اس میں معذور سمجھنا چاہیے، جو لوگ تقریظوں اور دیباچوں کی فرمائش کرتے تھے وہ بغیر ان تکلفاتِ باردہ کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔"[۳]

مولانا حامد حسن قادری: "تقریظوں اور دیباچوں میں غالب نے تحریر کا طرز وہی رکھا ہے جو خود ان کتابوں کا ہے یا جو اس زمانے میں مقبول و رائج تھا، یعنی قافیہ پیمائی اور عبارت آرائی ... ان تحریروں میں کوئی جدت و ندرت نہیں۔"[۴]

اس دیباچے میں غالب نے نادر کے مجموعۂ قصائد کو ائمہ معصومین کی مدح میں سو قصیدوں پر مشتمل بتایا ہے۔ ریاضِ نادریہ کا جائزہ لینے پر غالب کا یہ بیان درست نہیں ثابت ہوتا کیونکہ اس کتاب (قصائدِ نادر) کی مجموعی تعداد سینتالیس (۴۷) بنتی ہے جن میں سے دو قصیدے اودھ کے حکمران واجد علی شاہ اور ایک قصیدہ ناسخ کی مدح میں ہے۔ کتاب کے بقیہ ۴۴ قصیدے چہاردہ معصومین اور دوسرے بزرگانِ دین کی شان میں ہیں۔ چہاردہ معصومین کی مدح میں صرف ۴۰ قصائد ہیں اور چار قصیدوں میں حضرت ابوالفضل العباس، حضرت علی اکبر

نیز حضرت قاسم ابن حسنؑ کی مدح ملتی ہے۔ حضرت عباسؑ کی مدح میں دو قصیدے ہیں۔ تعدادِ قصائد

کے سلسلے میں غالب کی یہ غلط بیانی جن وجوہ کا نتیجہ ہو سکتی ہے اُن میں سے ایک امکانی سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے یہ دیباچہ شاید نادر کی کتاب دیکھے بغیر لکھا ہو۔[۵۵] نادر کی زیرِ بحث کم یاب کتاب خود ہمیں بھی دست یاب نہیں ہو سکی ہے۔ ... کا ایک مطبوعہ نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ بتایا جاتا ہے۔[۵۶] ہمارے ذخیرۂ کتب میں ... ایک کتاب روضۂ رضوان حصّۂ سوم ضرور موجود ہے جس میں نادر کے متعدد نعتیہ و منقبتی قصائد شامل ہیں۔[۵۷]

مجموعۂ قصائدِ نادر پر غالب کا یہ دیباچہ سطورِ ذیل میں ملاحظہ ہو:

"سبحان اللہ! شاہدِ سخن، کمالِ حُسن میں لاثانی ہے، سچ تو یوں ہے کہ یہ کنعانِ معانی ہے۔ کنعان ہو، کنواں ہو، کاروان ہو، کوئی جگہ، کوئی مقام، کوئی مکان ہو، زُلف ویسی ہی معنبر، عارض بدستور تاب دار، لب کی جاں بخشی کا وہی عالم، چشم اُسی طرح بیمار، معہذا جو سلطنتِ مصر کے زمانے کا جمال تصوّر میں لائے گا، وہ آفتابِ تاباں کو حضرتِ یوسف کا ادنیٰ ذرّہ پائے گا۔ تو ہم ابھی قلمروِ سخن سے آئے ہیں اور حُسن پرستانِ سخن کے واسطے نویدِ سراسر امید لائے ہیں، سُنی سُنائی نہیں کہتے، نہ دیکھے آئے ہوتے تو چپ ہو رہتے۔ امید ہے کہ دانش مند آدمی باور کریں، آنو دیکھا ... دیدہ ور لوگ نظر کریں کہ یوسفِ سخن کنعان و چاہ و کاروان و بازار و زندان سے نکل کر تختِ فرماں روائیِ مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے، زُلیخائے عشق کے گھر عید ہوئی ہے اور یوسفِ حُسن کی سرکار میں نوروز ہوا ہے۔ غالبِ آشفتہ نوا، سُن! اِس ورق کے ناظرین جب تک رمز کو نہ جانیں گے، تیری بات کبھی نہ مانیں گے۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالی جناب والا دودمان، مرزا الطف حسین خاں ڈپٹی کلکٹر بہادر کو کیا اچھی طبیعت بخشی ہے جو اُنھوں نے اِن اوراق کو اپنے اشعار سے رونق اور اشعار کو نعت و منقبت سے زینت بخشی ہے۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعۂ نظم کو معرفرض کیا ہے اور شاہدِ معنی کو یوسف قرار دیا ہے۔ جس کتاب میں ائمۂ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح کے سو قصیدے زینتِ اوراق ہوں، والاد اُن اوراق کا کیوں نہ سرمۂ چشمِ اہلِ دین ہو اور وہ اوراق کیوں نہ حرزِ بازوئے مومنینِ آفاق ہوں۔ میں اپنے علوِ رتبت پر ناز کرتا ہوں کہ ائمۂ اطہار کے مداح کا ستائش گر ہوں اور بذریعے اِس ستائش کے غالب پر غالب یعنی آپ سے بہتر ہوں گا۔ اِس دعوے کا گواہ۔ اسد اللہ۔ فقط" [۵۸]

حواشی

۱ حوالے کے لیے دیکھیے :

(۱) میرزا کلب حسین خاں بہادر نادر - حیات و ادبی خدمات : ڈاکٹر معزز قیصر - نظامی پریس لکھنؤ - طبع ۱۹۸۳ء ص ص ۴۴، ۵۲، ۶۰، ۶۵ نیز ۱۶۹ تا ۱۷۱

(۲) عود ہندی : غالب - طبع اوّل (۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) ص ۱۸۵

(۳) اردوئے معلّی (حصہ ۲) : غالب - اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۱۳ تا ۱۴

(۴) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۷۲

(۵) مجموعۂ نثرِ غالب اُردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۲۸۷ تا ۲۸۸

(۶) اردوئے معلّی (اسدی اڈیشن) حصۂ دوم و سوم : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لاہور طبع ۱۹۷۰ء ص ص ۸۷۳ تا ۸۷۴

۲ عود ہندی : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۵۵ (حاشیہ ۱)

۳ یادگارِ غالب : مولانا حالی - الہ آباد - طبع ۱۹۵۸ء ص ۱۸۴

۴ داستانِ تاریخِ اُردو : حامد حسن قادری - آگرہ ۱۹۶۶ء ص ۲۱۴

۵ بہ حوالہ میرزا کلب حسین نادر - حیات و ادبی خدمات ص ص ۱۶۹ تا ۱۷۷

۶ بہ حوالہ ایضاً ص ۱۷۱

۷ روضۂ رضوان (جلد سوم) : مرتبہ سیّد محمد اصغر - مطبع اثنا عشری لکھنؤ - مطبوعہ ۲۲ رجب ۱۳۲۰ھ (مطابق ۱۹۰۲ء) ص ص ۷۲، ۷۷، ۱۵۹، ۱۷۴، ۱۸۱، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۶۶، ۲۷۹، ۲۸۳ نیز ۲۸۹

۸ ماخوذ از عود ہندی طبع اوّل ص ۱۸۵ - قلابین [بڑے براکٹ] کی عبارتیں اُردوئے معلّی (حصہ ۲) طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۱۳ تا ۱۴ سے اضافہ کی گئی ہیں۔

دیباچۂ فیضِ صغیر

قواعدِ تذکیر و تانیث کے متعلق صغیر بلگرامی کے رسالے فیضِ صغیر پر غالب کا جو تعارفی تحریر ملتی ہے اُسے متعدد اہلِ قلم نے تقریظ قرار دیا ہے۔ ان میں صغیر بلگرامی، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اور ڈاکٹر ظفر اوگانوی کے نام شامل ہیں۔[1] مگر غالب نے اپنے ایک خط میں اس تعارفی تحریر کو "دیباچہ" قرار دیا ہے[2] اور عودِ ہندی نیز اردوئے معلیٰ (حصہ ۲) جیسی غالب کی کتابیں بھی اس تحریر کو "تقریظ" کے بجائے "دیباچہ" بتاتی ہیں۔[3]

رسالۂ فیضِ صغیر پہلی بار ۱۲۸۹ھ / ۳-۱۸۷۲ء میں اپنے تاریخی نام "رشحاتِ صغیر" (۱۲۸۹ھ) کے عنوان سے چھپا تھا۔[4] اس میں غالب کا زیرِ بحث دیباچہ (بہ عنوان "تقریظ") بھی شامل تھا لیکن غالب کا زیرِ تبصرہ دیباچہ رسالۂ فیضِ صغیر مطبوعہ ۱۲۸۹ھ (مطابق ۳-۱۸۷۲ء) سے قبل عودِ ہندی طبع اول مطبوعہ ۱۷ رجب ۱۲۸۵ھ (مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء) میں "تقریظ" کے بجائے "دیباچہ" کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔[5] عودِ ہندی اور فیضِ صغیر کے علاوہ یہ دیباچہ اردوئے معلیٰ (حصہ ۲)، مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا عرشی، نادر خطوطِ غالب: مرتبہ رسا گیلانی، مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی نیز خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر جیسے مصادر میں بھی شامل ملتا ہے۔[6]

فرزند احمد صغیر بلگرامی نے اپنے مذکورہ رسالے پر غالب کے اس دیباچے کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۲ھ بتایا ہے[7] مگر خود غالب کے ایک خط مورخہ ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء (مطابق ۱۴ ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ) سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ دیباچہ اس خط کی تاریخِ تحریر سے چند روز قبل یعنی ۱۸۶۶ء مطابق ۱۲۸۳ھ میں لکھا تھا۔ غالب کے مذکورہ خط (مورخہ ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء / ۱۴ ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ) کا درجِ ذیل اقتباس ہماری اس بات کا اثبات کرتا ہے:

"دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا، مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لختِ جگر و نورِ بصر مولوی سید فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں؟"[8]

غالب کا یہ خط سید فرزند احمد صغیر بلگرامی کے نانا صاحب عالم مارہروی کے نام ہے۔

دیباچۂ فیضِ صغیر کے زمانۂ تحریر پر صغیر اور غالب کے بیانوں کے اختلاف کی نشان دہی قاضی عبدالودود نے اپنے ایک مقالے میں فرمائی ہے[9] جس سے ہم نے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس دیباچے کا زمانۂ تحریر ۱۸۶۶ء ہم سے قبل استادِ محترم مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مرحوم متعین فرما چکے ہیں۔[10]

دیباچۂ فیضِ صغیر سطورِ ذیل میں منقول ہے:

"سیدی، سندی، نورِ بصر و لختِ جگر، قرۃ العین اسد، مولوی سید فرزند احمد کے طولِ عمر و دوامِ دولت و بقائے اقبال کی دعا مانگتا ہوں جن کو مبدءِ فیاض سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! تذکیر و تانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے، کس لطف سے ادا ہوئی ہے۔ ہر چند اس راہ سے کہ سید صاحب دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں، قواعدِ تذکیر و تانیث کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں لیکن قوتِ علم و حسنِ فہم و لطفِ طبع سے وہ مضبوط ضوابط بہم پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسرے

تو کیا خبر مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں۔ دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ یہ

رسالہ صفحۂ دہر پر یادگار اور ہمیشہ منظورِ نظر اولوالابصار رہے گا۔ جو صاحب اس کو مطالعہ فرمائیں گے، نفع بھی پائیں گے اور لطف بھی اٹھائیں گے۔ مؤلف صاحب جو کامیاب اپنے ذہنِ رسا سے ہیں، رئیسِ جلیل القدر عظیم آباد و آرا اور حضرت فلک رفعت مولوی سید صاحب عالم مارہروی کے نواسے ہیں۔ سید واسطی بلگرامی ہیں جہاں کے سادات علم و فضل میں نامی اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں۔ ان حضرات کا مادح گویا اپنا ثنا خوان ہے، جیسا کہ مولوی معنوی رومی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے: شعر

مادحِ خورشید مداحِ خود است — کہ مرا دو چشم بر نامرمد است" [۱۱]

اس مختصر دیباچے میں غالب نے رسالۂ فیضِ صفیر اور اس کے موضوع سے زیادہ رسالہ نگار صفیر بلگرامی کی تعریف و توصیف پر توجہ صرف کی ہے جو دراصل غالب کے قریبی دوست صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے۔ غالب نے موضوعِ رسالہ پر مواد کی کمی کو دیباچے میں اپنے پر لطف اسلوب بیان سے دور کرنے کی کوشش ضرور کی ہے جو غالب کی فنکارانہ ذہانت پر دال تو قرار دی جا سکتی ہے مگر اس سے مواد کے فقدان کی تلافی نہیں ہوتی۔ تذکیر و تانیث کے موضوع پر خطوطِ غالب میں ایسے متعدد بیانات موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ غالب اس موضوع کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں خطوطِ غالب کے درج ذیل اقتباسات ہمارے معروضات کا اثبات کرتے ہیں:

(الف) "تذکیر و تانیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دہی، بعض کہتے ہیں کہ دہی اچھا، بعض کہتے ہیں دہی اچھی؛ قلم، کوئی کہتا ہے قلم ٹوٹ گیا، کوئی کہتا ہے قلم ٹوٹ گئی، فقیر دہی کو مذکر بولتا ہے اور قلم کو بھی مذکر جانتا ہے۔" [۱۲]

(مکتوبِ غالب بہ نام نواب انوار الدولہ شفق)

(ب) "... تانیث و تذکیر ہرگز متفق علیہ جمہور نہیں۔ اے لو "لوٹا" اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے، اہلِ پورب اس کو مؤنث بولتے ہیں ... جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا ہوں۔ اس باب میں کسی کا کلام حجت و برہان نہیں ہے۔ ایک گروہ نے کچھ مان لیا، ایک جماعت نے کچھ جان لیا۔ اس کا قاعدہ منضبط نہیں ..." [۱۳]

(مکتوب بہ نام یوسف علی خاں)

(ج) "سانس میری زبان پر مذکر ہے۔ رند کا یہ مطلع سے
سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے۔ اور خنجر کا دیا جلاد نے جاتے جاتے
میرے پسند نہیں۔ بندہ پرور! لکھنؤ اور دہلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پایئے گا۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اہلِ لکھنؤ اسے مؤنث کہیں تو میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہے کہیے۔" [۱۴]

[بہ نام احمد حسین مینا (یا تمنا) مرزا پوری]

(د) "...خرام کو کون مؤنث بولے گا، مگر وہ کہ دعوائے فصاحت سے ہاتھ دھولے گا۔

رفتار مؤنث اور خرام مذکر ہے۔ رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔۔۔" [15]

(مکتوبِ غالب بہ نام قدر بلگرامی)

(ہ) "فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ۔۔۔ یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔ منکر سے مجھے بحث نہیں، مجیب کا میں احسان مند نہیں۔ لغتِ فارسی اور روزمرۂ فارسی ہو تو اہلِ زبان کے کلام سے سند کریں۔ منطقِ فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں؟ اس امر کے مالک اور اہلِ زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغۂ متکلم مع الغیر ہے، یعنی ہم اور تم اور مجموعِ شرفا اور شعرائے دہلی و لکھنؤ۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے، زیادہ جھگڑا بے فائدہ۔۔۔" [16]

(بہ نام قدر بلگرامی)

(و) "۔۔۔ جفا کے مؤنث ہونے میں اہلِ دہلی [و] لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالے میں جہاں بولتے ہیں ہتھنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر اور بیداد و جفا مؤنث ہے۔۔۔" [17]

(مکتوبِ غالب بہ نام مردان علی خاں رعنا)

(ز) "۔۔۔ گلشن بعض کے نزدیک مؤنث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم، دہی، خلعت ان کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک دہی اور خلعت مذکر ہے اور قلم مشترک، چاہو مذکر کہو، چاہو مؤنث۔ گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔۔۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو۔۔۔" [18]

(بہ نام سیّاح)

(ح) "بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد ہو جاؤ اور اپنا کلام اُن کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو اُن سے پوچھ لیا کرو۔ دکن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امرِ خاص میں دلّی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے۔" [19]

(بہ نام سیّاح)

(ط) "تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے۔ جو جس کے کانوں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے۔ رتھ میرے نزدیک مذکر ہے۔ یعنی رتھ آیا لیکن جمع میں کروں گا ناچار مؤنث بولنا پڑے گا یعنی "رتھیں آئیں"۔ خبر مؤنث ہے بہ اتفاق۔ مگر کاغذ اخبار"

اسم کو اخود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے - میں تو مذکر کہوں گا یعنی

اخبار آیا - - - بلبل میرے نزدیک مونث ہے - جمع اس کی بلبلیں -

طوطی بولتا ہے - بلبل بولتی ہے - بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن

نہیں سکتا - اپنا عندیہ لکھتا ہوں جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے - - - " [2]

(مکتوب غالب بہ نام میر مہدی حسین مجروح)

تذکیر و تانیث کے باب میں غالب کے ان تمام بیانات سے جو نتائج اخذ کیے جا سکتے

ہیں وہ سطور ذیل میں پیش ہیں :

(۱) تذکیر و تانیث غالب کے نزدیک ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے -

(۲) تذکیر و تانیث کے معاملے میں غالب کسی واضح اصول کے قائل نہ تھے -

(۳) تذکیر و تانیث کے سلسلے میں غالب تعصب یا سختی کو روا نہ رکھتے تھے -

(۴) تذکیر و تانیث اردو کا معاملہ ہے جس کا فارسی سے کوئی تعلق نہیں لہذا اسے فارسی کی مدد سے حل نہیں کیا جا سکتا -

(۵) غالب کے نزدیک تذکیر و تانیث کے باب میں دہلی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کے شاعروں اور نثر نگاروں کے اقوال بھی قابل احترام تھے - اسی لیے اس سلسلے میں غالب نے شتاب[3] کو مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی سے مشورہ لینے کی ہدایت کی تھی -

(۶) تانیث و تذکیر کے معاملے میں دہلی اور لکھنؤ کے شرفا و شعرا کے فیصلوں کی پابندی بنگال اور دکن کے لوگوں کے لیے غالب جائز سمجھتے تھے -

تذکیر و تانیث کے موضوع پر لکھے جانے والے رسالۂ فیض صفیر کے دیباچے میں غالب اپنے انھیں تمام خیالات کا اظہار کر سکتے تھے مگر دیباچہ و تقریظ نگاری سے اپنی بیزاری کی بدولت انھوں نے اس دیباچے میں مختصر نویسی سے کام لیا اور اصل موضوع بحث سے کترا کر نکل گئے -

حواشی

[1] دیکھیے : (۱) تذکرۂ جلوۂ خضر تلخیص و تنقید : ڈاکٹر ظفر اوگانوی - کلکتہ دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۵

(۲) مکاتیب غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی - رام پور - طبع ۱۹۴۹ء (حواشی ص ۱۹۵)

(۳) صفیر بلگرامی : ڈاکٹر ظفر اوگانوی - کلکتہ - طبع جون ۱۹۷۶ء ص ۱۱۵

[2] بہ حوالہ اردوئے معلیٰ صدی اڈیشن حصہ دوم و سوم : مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۱۰۱۴ (مکتوب غالب بنام مجروح)

[3] عود ہندی : غالب - میرٹھ - طبع اول ص ۱۸۴ - نیز اردوئے معلیٰ حصہ ۲ : غالب - دہلی طبع ۱۸۹۹ء ص ۱۲

[4] بہ حوالہ صفیر بلگرامی : ڈاکٹر ظفر اوگانوی ص ۱۱۶

[5] عود ہندی طبع اول ص ص ۱۸۴ تا ۱۸۵

[6] دیکھیے : (۱) اردوئے معلیٰ حصہ ۲ ص ۱۲ (۲) مکاتیب غالب (حواشی ص ۱۹۵)

(۳) نادر خطوط غالب : مرتبہ وقار گیاوی - لکھنؤ طبع ۱۹۳۹ء ص ص ۵۹ تا ۶۰

(۴) مجموعۂ نثر غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی ص ص ۲۴۳ تا ۲۴۴

(۵) خطوط غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - لاہور - طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۵۷۲ تا ۵۷۳

۷ جلوہ خضر (تلخیص و ترتیب) ص ۱۰۵

۸ اردوئے معلی؛ صدی اڈیشن حصہ دوم و سوم ص ۱۰۱۴

۹ مقالہ قاضی عبدالودود مشمولہ آئینۂ غالب - فرید آباد طبع ستمبر ۱۹۶۴ء ص ۱۰۳

۱۰ اردوئے معلی صدی اڈیشن حصہ ۲ و ۳ ص ۸۷۶ (لوح حاشیہ)

۱۱ عودِ ہندی طبع اول ص ص ۱۸۴ تا ۱۸۵

۱۲ غالب کی نادر تحریریں: مرتبہ خلیق انجم - دہلی طبع ۱۹۶۱ء ص ۳۳

۱۳ ایضاً ص ۹۶

۱۴ ایضاً ص ۹۸

۱۵ خطوط غالب حصہ ۱: مرتبہ مالک رام - علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۲۶۴

۱۶ ایضاً ص ۲۶۱

۱۷ ادبی خطوط غالب: مرزا محمد عسکری - ص ۹۸

۱۸ ایضاً ص ۱۶۲

۱۹ ایضاً ص ۱۶۳

۲۰ ایضاً ص ص ۱۷۷ تا ۱۷۶

دیباچۂ دیوانِ سخن

خواجہ میر سخن دہلوی کے دیوان پر غالب کا دیباچہ درجِ ذیل مصادر میں موجود ہے:

۱- دیوانِ سخن: سخن دہلوی - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء)
۲- خطوطِ غالب، مرتبہ غلام رسول مہر
۳- مجموعۂ نثرِ غالب اُردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی

مالک رام اور قدرت نقوی نے دیوانِ سخن پر غالب کی اس تحریر کو تقریظ قیاس کیا ہے لیکن متعدد دوسرے مصادر اسے "دیباچہ" بتاتے ہیں۔

خلیل الرحمٰن داؤدی دیباچۂ دیوانِ سخن کے متعلق لکھتے ہیں:

"سخن نے اپنا دیوان مکمل کر کے مرزا غالب کی خدمت میں دیباچے کے لیے پیش کیا تھا، جس پر مرزا نے موجودہ دیباچہ لکھا تھا۔ یہ دیباچہ بھی عودِ ہندی میں شامل کر لیا گیا اور دیوانِ سخن کی اشاعت سے پہلے عودِ ہندی میں شامل ہو کر منظرِ عام پر آ گیا۔۔۔ جہاں تک مجھے علم ہے دیوانِ سخن صرف ایک مرتبہ ۱۸۸۶ء میں مطبعِ نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ دیباچہ بھی صرف ایک بار اُس دیوان کے ساتھ شائع ہوا۔ عودِ ہندی میں شامل ہو کر یہ دیباچہ لاتعداد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔"[۳]

فاضل پاکستانی اہلِ قلم کا یہ ارشاد بے بنیاد ہے۔ میں عودِ ہندی کو اس دیباچے سے خالی پاتا ہوں - یہ دیباچہ اردوے معلیٰ (حصہ ۲) میں بھی موجود نہیں۔ دیباچۂ دیوانِ سخن کا متن سطورِ ذیل میں پیش ہے:

"نام خدا، سلطانِ قلم رو سخن، دیوانِ خاص میں رونق افزا ہوا ہے اور "نگاہ روبرو"، "بادشاہ سلامت" کا شور ہر طرف بپا ہے۔ اہلِ نظر بادشاہ کا حسن و جمال اور بارگاہ کی علوِ شان دیکھیں۔ سخن وروں کے ہزاروں دیوان دیکھے ہوں گے، اب سخن کا دیوان دیکھیں۔ زہے شاعرِ یکتا و نامی کہ جس کا پیارا نام سخن ہے یعنی ہمہ تن سخن اور کام سخن ہے۔ قرۃ العین خواجہ سید محمد فخرالدین حسین کو اگر سخن ورِ بے عدیل کہوں تو بجا ہے، کیوں کہ اُس کا حسنِ کلام میرے دعوے پر دلیل اقوی ہے۔ اس سحر کارِ جادو نگار نے بیری زادانِ معنی کو الفاظ کے شیشوں میں اس طرح اُتارا ہے جیسے آبگینے سے رنگ مے نظر آئے، لفظ سے جلوۂ معنی آشکار رہے۔ میں مغلوبِ دہر، غالب نام جو بازارِ ہستی میں متاعِ کاسد ہوں، بہ حسب اصطلاح فقہا اس سید زادۂ قدسی نہاد کا حاسد ہوں۔ چشم بد دور ہنوز آغازِ جوانی اور نوبہارِ باغِ زندگانی ہے۔ عمر کے لیے دفترِ قضا و قدر میں حکمِ دوام لکھا گیا ہے۔

بس اگر جودتِ فکر طبیعت کی روانی ہے، اغلب ہے ذوقِ شعر اور شغلِ تحریرِ اشعار چلا جائے گا، پھر تو یہ دیوان اوراقِ افلاک میں نہ سمائے گا۔"[4]

غالب کے اِس بیان سے پتا چلتا ہے کہ یہ دیباچہ اُس زمانے میں لکھا گیا تھا جب سُخن (سنہ ولادت ۱۲۵۸ھ) کا آغازِ شباب تھا۔ اگر آغازِ جوانی سے ۱۸ یا ۲۰ برس کا سن مراد لیا جائے تو دیباچے کا زمانۂ تحریر ۱۲۷۶ھ یا ۱۲۷۸ھ کے آس پاس قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اِس دیباچے کے اسلوب میں مقفیٰ نثر کا التزام اور عبارت آرائی اہتمام کیا گیا ہے جو غالب کی تقریظوں اور دیباچوں میں عام ہے، مگر خطوطِ غالب بڑی حد تک اِس التزام سے عاری ہیں۔

<u>حواشی</u>

۱۔ خواجہ جلال الدین کے فرزند خواجہ میر فخر الدین حسین خاں سُخن دہلوی (سنہ ولادت ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲-۴۳ء سالِ وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) غالب کے شاگرد تھے۔ (بحوالہ تلامذۂ غالب: مالک رام طبع اوّل و طبع دوم، خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر، رجب علی بیگ سرور - حیات اور کارنامے: ڈاکٹر نیر مسعود، ہنگامۂ دل آشوب مرتبہ قدرت نقوی)

۲۔ دیکھیے، (۱) تلامذۂ غالب: مالک رام طبع اوّل ص ۱۴۸ - طبع دوم ص ۲۷۰
(۲) ہنگامۂ دل آشوب: مرتبہ قدرت نقوی - انجمن ترقی اُردو ہند کراچی طبع ۱۹۶۹ء ص ۱۴۰

۳۔ مجموعۂ نثر غالب اُردو ص ص ۲۷۹ تا ۲۸۰

۴۔ ایضاً ص ص ۲۸۱ تا ۲۸۲

دوسرا باب

اردو رسائل اور متفرق تحریریں

اُردُو نثر میں غالب کے رسائل اور متفرق تحریریں

یادگارِ غالب (ص ۱۶۷) میں مولانا حالی نے غالب کے اُردُو رسائل کی مجموعی تعداد تین بتائی ہے لیکن بعد کی تحقیق کی بدولت یہ تعداد اب نصف درجن تک پہنچ چکی ہے۔ ان چھ رسائل میں سے دو ((۱) انتخابِ غالب (۲) نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب) تو نصابی نوعیت کی چیزیں ہیں، باقی چار کتابچے غالب کے فارسی رسالے قاطعِ برہان پر چھڑنے والے ادبی معرکہ کی یادگار ہیں۔ اِن چار رسائل میں سے دو ((۱) لطائفِ غیبی (۲) سوالاتِ عبدالکریم) خود غالب کے بجائے دوسروں کے نام سے چھپے ہیں مگر یہ غالب کی تحریر تسلیم کیے جا چکے ہیں۔ ہم نے اپنے اِس تحقیقی مقالے میں غالب کے درج ذیل تمام نصف درجن رسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے:

(۱) لطائفِ غیبی۔ زمانۂ تحریر ۱۸۶۴ء (یہ رسالہ شاگردِ غالب میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھپا تھا)
(۲) سوالاتِ عبدالکریم۔ زمانۂ تحریر ۱۸۶۴ء (یہ کتابچہ عبدالکریم کے نام سے شائع ہوا تھا)
(۳) انتخابِ غالب۔ زمانۂ تحریر ۱۸۶۴ء
(۴) نامۂ غالب۔ زمانۂ تحریر قبل از ۱۳ اگست ۱۸۶۵ء
(۵) نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب۔ زمانۂ تحریر قبل از فروری ۱۸۶۷ء
(۶) تیغِ تیز۔ زمانۂ تحریر مارچ ۱۸۶۷ء

اِن اُردُو رسائل کے علاوہ اُردُو نثر میں غالب کی ۲۸ عدد متفرق تحریریں بھی ملتی ہیں جن کی فہرست زیرِ نظر دوسرے باب کے آخر میں موجود ہے۔ اِس مختصر تعارف کے بعد اب رسائلِ غالب پر مفصل تحقیق و تنقید پیش کی جاتی ہے۔

لطائفِ غیبی پر ایک نظر

لطائفِ غیبی اُردو نثر میں ایک مختصر سی کتاب ہے جسے رسالہ کہا جا سکتا ہے۔ لطائفِ غیبی طبع اوّل کے سرورق پر اسے میاں داد خاں سیّاح کا "نتیجۂ فکر" بتایا گیا ہے لیکن اب یہ بات بہ خوبی ثابت ہو چکی ہے کہ یہ رسالہ خود غالب نے لکھا تھا اور اسے اپنے شاگرد سیّاح کے نام سے چھپوایا تھا۔ لطائفِ غیبی کو غالب کی تحریر قرار دینے والوں میں مولانا محمد حسین آزاد، مولانا حالی، مولانا امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، مولانا غلام رسول مہر، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مالک رام، شیخ محمد اکرام اور آفاق حسین آفاق کے نام شامل ہیں۔ غالب کی فارسی کتاب قاطعِ برہان کے نتیجے میں جو ادبی معرکہ چھڑا تھا وہ موافقین و مخالفین کی جانب سے متعدد کتابیں وجود میں لایا۔ لطائفِ غیبی اسی سلسلے کا ایک رسالہ ہے جو منشی سعادت علی کی فارسی کتاب محرقِ قاطعِ برہان کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

لطائفِ غیبی طبع اوّل میں شامل قطعاتِ تاریخ کتاب کا سنہ انطباع ۱۲۸۱ھ نیز ۱۸۶۴ء بتاتے ہیں اور لطائفِ غیبی طبع اوّل کے خاتمے کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب ۲۹ ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ [ازروئے تقویم مطابق یک شنبہ ۲ اکتوبر ۱۸۶۴ء] کو طبع ہوئی تھی۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر مالک رام کا یہ قول ناقابلِ قبول ہے کہ لطائفِ غیبی ۱۸۶۵ء میں لکھی گئی تھی [ذکرِ غالب ص ۱۸۲]۔ جناب مالک رام کے قول کو قبول کرنا اِس بات کے ہم معنی ہوگا کہ لطائفِ غیبی تحریر ہونے سے قبل ہی چھپ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب ۲ اکتوبر ۱۸۶۴ء کو چھپی تھی اُس کا ۱۸۶۵ء میں تحریر ہونا خارج از امکان ہے۔ غالب کے ایک خط مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۴ء میں ایک کتاب کے زیرِ طبع ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ یہ زیرِ طبع کتاب بہ ظاہر لطائفِ غیبی [مطبوعہ ۲ اکتوبر ۱۸۶۴ء] تھی جس کا ۱۷ ستمبر ۱۸۶۴ء کو زیرِ طبع ہونا قرینِ قیاس ہے۔

علاء الدین احمد خاں علائی کے نام غالب کا ایک خط لطائفِ غیبی کے زمانۂ تحریر کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اِس خط میں علائی کو غالب نے لکھا ہے:

"یہ رسالہ موسوم بہ محرقِ قاطعِ برہان جو ثاقب نے تم کو بھیجا ہے میرے کہنے سے بھیجا ہے اور اِس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ اس کے معائنے کے وقت اِس کتاب کی بے ربطیِ عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عدیدہ پر نظر نہ کرو۔ بیگانہ وار دیکھو اور ازروئے انصاف حکم ہو، بے حیف و میل۔ اُس نے جو مجھے گالیاں دی ہیں اس پر خفا نہ ہو۔ غلطیاں عبارت کی، شدتِ اطناب مُمل کی صورت، سوال دیگر جواب دیگر، اِن باتوں کو ملحوظ نظر رکھ کر اگر فرصت مساعدت کرے تو اِن مراتب کو الگ ایک کاغذ پر لکھو اور بعد اتمام میرے پاس بھیج دو۔

میرا ایک دوست روحانی کہ وہ من جملہ رجال الغیب ہے ان ہفوات کا خاکا اڑا رہا ہے۔ تیر دختاں نے اُس کو مدد دی ہے تم بھی بھائی مدد دو ...."

غالب کا یہ خط چہار شنبہ ۱۸ مئی [۱۸۶۴ء] کو لکھا گیا ہے۔ اس خط میں غالب کے

بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لطائفِ غیبی کے زیرِ تحریر ہونے کا ذکر ہے۔ محرقِ قاطعِ برہان کے جواب میں رسالہ سوالاتِ عبدالکریم بھی لکھا گیا تھا لیکن فقرہ "من جملہ رجال الغیب" سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لطائفِ غیبی کا ذکر ہے۔ اِن امور سے معلوم ہوتا ہے کہ لطائفِ غیبی ۱۸ مئی ۱۸۶۴ء کے آس پاس زیرِ تسوید تھی اور اُس کی تحریر میں نہ صرف نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی مدد شامل تھی بلکہ غالب علائی کی مدد کے بھی طالب تھے۔ مکتوبِ غالب بنام علائی مورخہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۴ء [مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۲۴۲] سے اندازہ ہوتا ہے کہ محرقِ قاطعِ برہان کے جواب میں غالب کو علائی سے مدد نہ ملی ہوگی۔ وجہ یہ تھی کہ علائی محرقِ قاطعِ برہان کو پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے کیونکہ اِس کتاب میں اُن کے استاد غالب پر سخت لعن و طعن کی گئی تھی۔

لطائفِ غیبی (طبع اول) ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ لطائفِ غیبی کی قیمت کے بارے میں غالب کے ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ ۱۵ جلدوں کے دام سات روپے آٹھ آنے تھے [اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۱۷]۔ گویا لطائفِ غیبی طبع اول کی قیمت آٹھ آنے فی جلد تھی۔ لطائفِ غیبی طبع اول کی ناپ ۶ × ۹½" (انچ) تھی۔ لطائفِ غیبی طبع اول کے سرورق سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب میر فخرالدین کے زیرِ اہتمام اکمل المطابع دہلی سے طبع ہوئی تھی۔ لطائفِ غیبی کے آخر میں شامل بہاری لال مشتاق کے قطعۂ تاریخ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ لطائفِ غیبی کے پہلے ایڈیشن کی کتابت بہاری لال مشتاق نے کی تھی۔ مشتاق کو غالب کی شاگردی کا فیض حاصل تھا۔

لطائفِ غیبی کے متعلق غالب کا بیان ہے: "---- صاحب! میں نے اپنے صرفِ زر سے لطائفِ غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں، مالکِ مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں [چھاپی ہیں]۔ بیس میں نے مول لیں، تیس تم کو دلوا دیں، بیس بھائی ضیاء الدین خاں نے لیں، دس مصطفیٰ خاں صاحب نے لیں، باقی کا حال مجھے نہیں معلوم ----" [مکتوبِ غالب بنام سیاح مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۲۲]۔ اِس سے پتا چلتا ہے کہ لطائفِ غیبی غالب کے مصارف سے نہ چھپی تھی اور اِس کی جلدیں غالب کے دوستوں نے خریدی تھیں۔

اپنے ۱۵ شعبان ۱۲۸۱ھ کے خط میں لطائفِ غیبی طبع اول کے متعلق غالب نے سیاح کو لکھا تھا:

"---- میرا ایک پارسل جو بعد دو یار رسالوں کے بھیجا گیا ہے اِس میں وہی لطائفِ غیبی ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اِس کے بھیجنے سے مدعا یہ [ہے] کہ تم اُن تیس رسالوں کو اِس کے مطابق صحیح کر لو----" [اردوئے معلیٰ ص۱ طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۲۲]

اِس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ لطائفِ غیبی طبع اول اغلاط سے خالی نہ تھی اور غالب نے اِس کی تصحیح کر کے سیاح کو ایک جلد اِس لیے روانہ کی تھی کہ وہ اپنی تیس جلدیں بھی اسی کے مطابق صحیح کر لیں۔ لطائفِ غیبی طبع اول (ص ۴۴) میں ایک صحت نامہ بھی شامل ہے جس میں ساڑھے تین درجن سے زائد اغلاط کا نشان دہی اور تصحیح کی گئی ہے۔

سطورِ گزشتہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے لطائفِ غیبی طبع اول کے متعلق

مندرجہ ذیل امور کا انکشاف ہوتا ہے:

(۱) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کے سرورق پر اسے سیاح کی تحریر بتایا گیا ہے لیکن یہ رسالہ دراصل غالب کی اُردو نثر کا نمونہ ہے۔

(۲) لطائفِ غیبی منشی سعادت علی کی فارسی کتاب محرقِ قاطعِ برہان کے جواب میں تھی۔ لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کے سرورق کے عکس سے بھی اس امر کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳) لطائفِ غیبی مئی ۱۸۶۴ء میں زیرِ تسوید تھی۔

(۴) لطائفِ غیبی کی تحریر میں نیرِ درخشاں کی مدد شامل تھی۔ اس رسالے کی تسوید میں غالب علائی کی بھی مدد کے طالب تھے لیکن علائی کی مدد شاید نہ مل سکی تھی۔

(۵) لطائفِ غیبی ۱۷ ستمبر ۱۸۶۴ء کو زیرِ طبع تھی۔ لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کی تاریخِ اشاعت ۲۹ ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ [مطابق یک شنبہ ۲ اکتوبر ۱۸۶۴ء] تھی۔

(۶) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کی ضخامت ۴۴ صفحات تھی۔

(۷) اس رسالے کے پہلے ایڈیشن کی قیمت آٹھ آنے فی جلد تھی۔

(۸) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل [نسخۂ رضا لائبریری رام پور] کی ناپ 6 × 9½" ہے۔

(۹) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل میر فخر الدین کے زیرِ اہتمام چھپی تھی۔

(۱۰) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

(۱۱) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کے کاتب تلمیذِ غالب بہاری لال مشتاق تھے۔

(۱۲) لطائفِ غیبی کا پہلا ایڈیشن غالب کے مصارف سے نہ چھپا تھا بلکہ مالکِ مطبع کے سرمایے سے شائع ہوا تھا۔

(۱۳) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کی متعدد جلدیں غالب، سیاح، مصطفیٰ خاں شیفتہ اور نیرِ درخشاں وغیرہ نے خریدی تھیں۔

(۱۴) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل پر از اغلاط تھی اور ان اغلاط کی تصحیح سیاح کے بجائے خود غالب نے کی تھی۔

(۱۵) لطائفِ غیبی طبعِ اوّل کے آخری صفحے [یعنی ص ۴۴] پر "تصحیح نامہ" ہے جس میں ساڑھے تین درجن سے زائد اغلاط کی نشان دہی اور تصحیح کی گئی ہے۔

لطائفِ غیبی اپنی پہلی اشاعت [۱۸۶۴ء] کے ایک طویل عرصے کے بعد ہندستان اور پاکستان میں ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ دونوں جدید ایڈیشن میرے پاس موجود ہیں۔ پیشِ نظر مقالے میں بعض مقامات پر میں نے ان دونوں جدید اشاعتوں سے بھی کام لیا ہے کیوں کہ لطائفِ غیبی طبعِ اوّل [مملوکہ رضا لائبریری رام پور] کے متن سے متعلق میری یادداشتیں اس مقالے کی تسوید کے وقت کہیں کہیں ناکافی ثابت ہوئی ہیں۔

لطائفِ غیبی کے آخر میں غالب کے بعض شاگردوں [جوہر، عزیز، رضوان نیز مشتاق] کے قطعاتِ تاریخ ہیں۔ غالب کے شاگردوں کے حالات مع نمونۂ کلام مالک رام نے تلامذۂ غالب میں پیش کیے ہیں۔ تلمیذِ غالب مرزا یوسف علی خاں عزیز کے نمونۂ کلام کے ماتحت تلامذۂ غالب میں عزیز کا کوئی قطعۂ تاریخ نہیں موجود ہے جو لطائفِ غیبی میں شامل

[illegible]

[illegible] [... NAVIS ...] [illegible]

[illegible]

[illegible]

V — NAVIS = V-AZW

[illegible]

[illegible]

I — IVAIO = I-AVAI

[illegible]

(A)

NAVIS

[illegible]

(1)

[illegible]

IVAIO

[illegible]

لطائفِ غیبی طبع اوّل [ص ۲ و بعد] میں جو تعارفی بیان یا دیباچہ "سیف الحق میاں داد خاں" سیّاح کے نام سے شامل ہے وہ دراصل غالب ہی کا تحریر کردہ ہے۔ اس دیباچے کا اسلوبِ نگارش پکار پکار کر اسے غالب کی تحریر بتا رہا ہے۔ لطائفِ غیبی اس طرح غالب کے اردو دیباچوں کی محدود تعداد میں ایک دیباچے کا اضافہ کرتی ہے۔ اردو نثر میں غالب کے سات عدد مطبوعہ دیباچے دست یاب ہیں جن کی تعداد دیباچۂ لطائفِ غیبی شامل ہونے کے بعد آٹھ ہو جاتی ہے۔

لطائفِ غیبی کا دیباچہ غالب نے سیّاح کے نام سے اس لیے لکھا ہے کہ اس میں غالب نے اپنی اور اپنی تحریروں کی مدح کی ہے۔ اپنے نام سے غالب اپنی مدح سرائی نہ کر سکتے تھے لہٰذا سیّاح کے نام کا سہارا لے کر انھوں نے یہ کام آسانی سے سرانجام دیا ہے۔ لطائفِ غیبی کے دیباچے کے بعض حصے درج ذیل ہیں[۱۷]:

"سیّاحِ بحر و بر ہیچ مدانِ بے ہنر، سیف الحق، میاں داد خاں حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۔۔۔۔ ان دنوں میں دو رسالے نثر کے میری نظر سے گزرے۔ ایک قاطعِ برہان اور ایک محرقِ قاطعِ برہان۔ پہلا نسخہ، یعنی قاطعِ برہان کا مولف ایک شخص ہے معزز اور مکرّم، والا رتبہ، عالی شان، عالی خاندان، انگریزی رئیس زادوں [کذا انگریزی سرکار سے رئیس زادوں] میں محبوب، بادشاہِ دہلی کے حضور سے مخاطب بہ نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ، یعنی غالب تخلص، اسد اللہ خاں بہادر۔ اور محرقِ قاطعِ برہان کا جامع کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمۂ انگریزی کا سررشتہ دار ہو گیا تھا، اور اب خانہ نشین ہے، موسوم بہ منشی سعادت علی، نہ نثر سے واقف، نہ نظم سے آگاہ، نہ عقل کا سرمایہ، نہ علم کی دستگاہ، کسی بستی میں، کسی گاؤں میں، کسی گھاٹ پر، کسی باٹ پر، اس بزرگ کا نام کبھی نہیں سنا۔ اللہ اللہ، غالب نام آور، نام دار، کوئی شہر ایسا نہ دیکھا، جس میں ان کے دو چار شاگرد، دس بیس معتقد نہ دیکھے ہوں۔ ایک عالم ان کی فارسی دانی اور شیوا بیانی کا معترف، نظم میں ظہوری و نظیری و عرفی کے برابر، نثر میں نثارانِ سابق و حال سے بہتر، کلیاتِ نظم نسخۂ سحرِ سامری، نثر میں پنج آہنگ سلکِ دُرِّ خوشاب، دستنبو گوہرِ نایاب، مہرِ نیم روز غیرتِ آفتاب، ہر کلمہ ایک کتاب، ہر کتاب ممتنع الجواب، جو بلاغت اور فصاحت کو جانتے ہیں، اور معنی کا حسن پہچانتے ہیں، متفق علیہ ان کا یہی عقیدہ ہے ۔۔۔۔ محرق کی عبارت، واہ، کیا کہنا، مبتدا کچھ، خبر کچھ، روابط نامربوط، ضمائر محذوف، اوّل سے آخر تک

سوالِ دیگر جوابِ دیگر کا التزام، عبارت یک قلم حشو، اور حشو
بھی قبیح، با این ہمہ وہ رسالہ سراسر تعصّب و عناد و سوءِ ظن
و حمق و خبط و سبّ و فحش کا مجموعہ ہے۔ آیا خاطر ہمون
منشی صاحب میں کیا آیا جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا؟
کتاب خوگیر، عبارت خوگیر کی بھرتی؛ جو اشعار بہ چشمِ داشت سند
لکھے ہیں، وہ زیر تنگ، زبر تنگ، سوار نابینا، مرکب کہنہ
لنگ، کتاب گدڑی، ہر فقرہ ٹکڑا، ہر ٹکڑے کا نیا رنگ۔
کیا منشی جی نے یہ قیاس کیا ہے کہ تمام ہندستان میں کوئی عالم،
کوئی عاقل، کوئی منصف نہیں ہے؟ اللہ اللہ، ہندستان مجمع فضل و کمال
ہے، منشی جی کے حمق کا پردہ کھل جائے گا۔ کابل کے مولانا غالب کا
ایک ایک شاگرد منشی جی کا خاکا اڑائے گا۔ مجھ کو تو حمیت
اور رعایتِ حق اس تحریر کی باعث ہوئی، تا کہ میں نے بیس
لطائف جمع کیے اور اس نگارش کا "لطائفِ غیبی" نام رکھا۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم"

لطائفِ غیبی کا یہ دیباچہ اُردو نثر میں غالب کی اُس مزاح نگاری کا نمونہ ہے جس سے اُن کی فارسی نثر محروم ملتی ہے۔ غالب کی ظرافت کے متعدد نمونے اُن کے اُردو خطوط میں بھی موجود ہیں۔

لطائفِ غیبی کا یہ دیباچہ بتاتا ہے کہ غالب دربار اور سرکار سے خطاب، خلعت، انعام اور نمبر وغیرہ کے کس درجہ شائق تھے۔ شاید اسی وجہ سے غالب نے ان چیزوں کے حصول کے لیے زندگی بھر غیر معمولی تگ و دو کی تھی۔

لطائفِ غیبی کے دیباچے میں غالب نے اپنی فارسی دانی اور فارسی کتابوں کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ غالب کی فارسی نظم و نثر پر کام کرنے والوں کے لیے نہ صرف دلچسپ بلکہ مفید بھی ثابت ہوں گے۔ اس دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی نظم میں غالب اپنے کو ظہوری، نظیری اور عرفی کے برابر سمجھتے تھے اور فارسی نثر میں وہ خود کو "نثارانِ سابق و حال" سے بہتر قرار دیتے تھے۔

لطائفِ غیبی کا یہ دیباچہ دراصل غالب کے اُس قول کی مکمل تفسیر ہے جو غالب کے ایک مکتوب بنام سیّاح میں درج ملتا ہے اور سطورِ ذیل میں منقول ہے:

"---- یہ جو میں نے تم کو سیف الحق کا خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو، تم میرے بازو ہو، میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ لطائفِ غیبی نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں ----" [اردوئے معلیٰ طبع اول ص ۱۷]

لطائفِ غیبی میں جا بجا محرقِ قاطع برہان اور اس کے مؤلف منشی سعادت علی کو طنز و ظرافت کا ہدف بنایا گیا ہے۔ لطائفِ غیبی دراصل صاحب محرقِ قاطع برہان کی منثور ہجو کی حیثیت رکھتی ہے۔ لطائفِ غیبی میں غالب کے نطق کی جس تلوار نے قیمہ کر ڈالے ہیں وہ بعد کو تیغِ تیز کی شکل میں کھل کر سامنے آئی تھی۔ قاطع برہان کے مخالفین سے غالب کی یہ معرکہ آرائی اُن کے اُس گرم مخل خون کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جو انھیں اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ اپنے آبا و اجداد کے پیشے کے متعلق خود غالب کا قول تھا: ع

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

نطق کی تلوار‘ سیف الحق اور تیغِ تیز جیسی ترکیبیں غالب کے اسی جنگجویانہ ذہنی رجحان کی دین ہیں۔ لطائفِ غیبی میں کئی جگہ صاحب برہانِ قاطع اور صاحب محرقِ قاطع برہان کے لیے نازیبا کلمات استعمال ہوئے ہیں جو کسی سنجیدہ علمی بحث میں مناسب نہیں۔ لطائفِ غیبی میں منشی سعادت علی کو احمق‘ ٹیں ٹیں کرنے والا توتا‘ اشتہاری‘ منشی بھیرون ناتھ‘ رمنشی گینڈا مل [رک لطائفِ غیبی لطیفہ نمبر ۱] ‘ ہیجڑا‘ سڑی [لطیفہ نمبر ۲] کے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں لطیفہ نمبر ۲ کی یہ عبارت بھی آتی ہے: ”.... جامعِ برہانِ قاطع مر کر بھوت بن گیا ہے اور .... مؤلفِ محرقِ قاطع برہان پر آ چڑھا ہے۔ بھلا صاحب جب دکنی [یعنی صاحب برہانِ قاطع محمد حسین] طالب اور منشی جی [منشی سعادت علی مؤلف محرقِ قاطع برہان] مطلوب‘ وہ محب اور یہ محبوب ہیں‘ تو چاہیے کہ از روئے ناز و کرشمہ‘ جوتی پیزار‘ گالی گلوچ سے اُس [یعنی محمد حسین مؤلف برہانِ قاطع] کو رجھائیں ....“ لطیفہ نمبر ۲ میں ایک جگہ منشی سعادت علی کو اس بات کا بھی طعنہ دیا گیا ہے کہ منشی جی کے بھائی شیعہ ہیں اور ان پر منشی جی روک ٹوک نہیں لگاتے۔ یہ طعنہ زنی کسی ادبی اور علمی بحث کے لیے کسی طرح جائز نہیں۔ لطیفہ نمبر ۲ کے آغاز میں منشی سعادت علی کی منظوم ہجو بھی موجود ہے۔

دیباچۂ لطائفِ غیبی طبع اول (ص ۲) میں لکھا گیا ہے کہ سیاح نے کشمیر و کابل و قندھار کے سفر کیے ہیں۔ یہ بیان خلافِ واقعہ ہے۔ سیاح نے لطائفِ غیبی طبع اول کی اشاعت کے وقت تک کشمیر کا سفر نہیں کیا تھا اور کابل و قندھار تو وہ گئے ہی نہیں تھے۔ ان امور کی تصدیق میاں داد خاں سیاح اور اُن کا کلام سے بھی ہوتی ہے۔

لطائفِ غیبی [طبع اول ص ۲ نیز ص ۴] میں منشی سعادت علی کو غالب نے جتنا غیر معروف یا گم نام ظاہر کیا ہے وہ بھی قابلِ غور ہے۔ میر سعادت علی دہلی کے باشندے اور سید باقر علی کے فرزند تھے۔ سعادت علی کے نانا محمد موسیٰ خاں تھے جن کا مقبرہ آستانۂ حضرت نظام الدین اولیاء کے مشرقی دروازے کے باہر بتایا جاتا ہے۔ واقعاتِ دار الحکومت دہلی ۲۳۹ نیز ص ۷۹۹] میں سعادت علی اور ان کے والد میر باقر علی کا ذکر موجود ہے۔ سعادت علی پیر منشی

دفتر فارسی محکمہ عالیہ صاحب انتظام کل امور ۔۔۔ متعلقہ ۔۔۔ راجستان " بھی تھے ۔
میر سعادت علی نے دہلی میں اپنے نانا کے مقبرے کو ۱۲۷۱ھ میں از سر نو بنوایا تھا ۔ میر سعادت علی نے اجمیر میں ایک مسجد نیز ایک کنواں ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء) میں بنوایا تھا اور غالب نے اس مسجد اور کنویں کے لیے ایک فارسی قطعۂ تاریخ بھی کہا تھا جس میں میر سعادت علی کی مدح بھی تھی [یہ قطعہ باغِ دودر : غالب لاہور طبع ۱۹۷۰ء متن ص ص ۱۰ تا ۱۱ میں ملاحظہ ہو] ۔ ان حقائق کے پیشِ نظر غالب کا میر سعادت علی کو لطائفِ غیبی میں گم نام اور غیر معروف شخص ظاہر کرنا خلافِ واقعہ ہے[18] میر سعادت علی کی کتاب محرقِ قاطعِ برہان مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوئی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر سعادت علی نے ایک کتاب حدائق العجائب لکھی تھی اور اس میں محمد حسین کے لغت برہانِ قاطع سے بھی مدد لی تھی ۔ قاطعِ برہان میں غالب نے برہانِ قاطع کے جن الفاظ پر اعتراض کیے تھے ان میں سے دو درجن الفاظ میر سعادت علی کی کتاب حدائق العجائب میں بھی تھے ۔ میر سعادت علی نے غالب کے اعتراضات کے لیے لغات رشیدی و جہانگیری وغیرہ کو دیکھا تو اعتراضات غلط نظر آئے ۔ چنانچہ انھوں نے غالب کے ان اعتراضات کے جواب میں محرقِ قاطعِ برہان لکھی ۔ قاضی عبدالودود نے اِس کتاب میں میر سعادت علی کی بہت سی باتوں کو درست مانا ہے ۔ لیکن محرقِ قاطعِ برہان کی طرزِ تحریر کو اتنا [illegible] بنایا ہے کہ آسانی سے اُس کی تفہیم ہو سکتی ہے ۔ محرقِ قاطعِ برہان میں میر سعادت علی نے غالب کے لیے بعض نامناسب باتیں بھی لکھی ہیں ۔ جن کے جواب میں غالب نے بھی لطائفِ غیبی میں سخت لہجہ اختیار کیا ہے[19] علمی مباحث میں ذاتی حملوں کی اجازت نہ تو میر سعادت علی کو تھی اور نہ غالب کو مل سکتی ہے ۔ ادبی مباحث میں اپنے دفاع کا حق تو ہر ایک کو حاصل ہے لیکن ایک دوسرے پر ذاتی حملے کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں دیا جا سکتا ۔

لطائفِ غیبی میں غالب کے بعض ایسے اشعار بھی شامل ہیں جو لطائفِ غیبی طبع ۱۸۶۴ء سے قبل غالب کے کسی مطبوعہ مجموعہ کلام میں شامل نہ ہوئے تھے ۔ گویا یہ اشعار غالب کے ایسے غیر متداول کلام کی حیثیت رکھتے ہیں جو لطائفِ غیبی کی مدد سے دست یاب ہوتا ہے ۔ غالب کے یہ اشعار درج ذیل ہیں :

(۱)

این نسخہ کہ ہست رشکِ ارتنگ ← سرچنگ بود برائے خرچنگ

یہ فارسی شعر لطائفِ غیبی طبع ۱۸۶۴ء کے سرورق پر ابتدا میں مرقوم ہے ۔ یقین ہے کہ یہ شعر غالب ہی کا نتیجۂ فکر ہے[20] یہ فارسی شعر کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، کلیاتِ غالب طبع جنوری ۱۸۷۲ء پر اضافہ ہے[21] اس کے علاوہ یہ شعر باغِ دودر نیز کلیاتِ غالب مرتبہ امیر حسن نورانی کے فردیات میں بھی موجود نہیں ہے[22] اس طرح غالب کا یہ فارسی شعر خاصا غیر معروف ثابت ہوتا ہے ۔ جناب قاضی عبدالودود نے اسے آثارِ غالب (ص ۱۲) میں پیش کیا ہے ۔

②

اے منشیِ خیرہ سر سخن ساز نہ ہو ← عصفور ہے تُو مقابلِ باز نہ ہو
آواز تری نکلی اور آواز کے ساتھ ← لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہ ہو [23]

غالب کی یہ اُردو رباعی لطائفِ غیبی کے لطیفہ نمبر سات میں شامل ہے۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے اسے لطیفہ نمبر دس میں شامل بتایا ہے [24] لیکن مولانا عرشی کے اندراج کے برخلاف یہ رباعی لطائفِ غیبی کے ساتویں لطیفے کے آغاز میں مرقوم ہوئی ہے۔ غالب کی یہ اُردو رباعی دیوانِ غالب کے کسی معاصر مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے دیوانِ غالب کے پانچوں ایڈیشن ۱۸۴۱ء سے ۱۸۶۳ء تک شائع ہوئے تھے [25] اور یہ رباعی ۱۸۶۳ء کے بعد ۱۸۶۴ء میں لطائفِ غیبی کی تسوید و اشاعت کے موقع پر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ دیوانِ غالب طبع ۱۸۸۲ء بھی اس رباعی سے خالی ہے [26]

③

کوئی اس کا جواب دو صاحب ← سانٹوں کا ثواب لو صاحب

غالب کا یہ غیر معروف اردو شعر لطائفِ غیبی کے دسویں لطیفے میں مرقوم ہے [لطائفِ غیبی مشمولہ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۲۲۰]۔ دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) متن ص ۲۹۱ میں یہ شعر لطائفِ غیبی کے حوالے سے غالب کے غیر متداول کلام کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

منقولہ بالا کلام کے علاوہ لطائفِ غیبی میں چند اور ایسے اشعار بھی ہیں جن پر کسی شاعر کا نام نہیں ہے۔ عجب نہیں کہ ان میں سے بعض غالب نے ازراہِ تمسخر خود گڑھ کر پیش کیے ہوں۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں [27]:

(۱) عارض کا چمکنا کہوں یا زلف کا چھٹنا ← ششی ہی اد ابھت کہوں یا پان کی سُرخی
(۲) تھوڑی سی روئی دھنیے سے لے آ ← منہ میں چبھو دے اور پھر نکل جا
(۳) داشتہ فرجدش دہی روزی ← در سرایل فضول دہقانی
(۴) زہے ہمچوں چہ تاریک در ویرانہ الجیرہ ← سراسر گرد دے از موے ہمچوں سبزہ زنجیرہ

حواشی

رک: ① آبِ حیات: محمد حسین آزاد - الہ آباد طبع ۱۹۶۲ء ص ۵۱۹
② یادگارِ غالب: حالی - الہ آباد طبع ۱۹۵۸ء ص ۱۶۷
③ مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی عرشی - رام پور طبع ۱۹۴۹ء دیباچہ ص ۳۵
④ نقدِ غالب: مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد - علی گڑھ طبع جون ۱۹۵۶ء ص ۳۱۷، ص ۳۸۲ نیز ص ۵۳۵ [مقالہ قاضی عبدالودود]
⑤ جلوۂ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر - لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۳۶۳
⑥ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے بنام اپنے ایک خط میں لطائفِ غیبی کو غالب کی تحریر قرار دیا ہے۔
⑦ ذکرِ غالب: مالک رام - مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۸۲
⑧ غالب نامہ: شیخ محمد اکرام - احیائی بک ڈپو لکھنؤ ص ۱۶۰ تا ۱۶۱
⑨ نادراتِ غالب: مرتبہ آفاق حسین آفاق - مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصہ اول ص ۱۶۱

۲ قاطع برہان : غالب ۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اول مطبوعہ ۱۷ رمضان ۱۲۷۸ھ [مطابق شنبہ ۲۲ مارچ ۱۸۶۲ء] ۔ اس کتاب کا یہ نہایت کمیاب پہلا ایڈیشن میرے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔
قاطع برہان میں غالب نے محمد حسین برہان کی فارسی فرہنگ برہان قاطع [زمانۂ تکمیل ۱۰۶۲ھ] کے دو سو چوراسی الفاظ کے مطالب وغیرہ پر سخت اعتراض کیے ہیں۔ قاطع برہان کی مخالفت اور موافقت میں متعدد کتابیں شائع ہوئیں جن کی تفصیل ذکر غالب ص ص ۱۷۶ تا ۱۸۸ میں ملاحظہ ہو۔

۳ لطائف غیبی ۔ اکمل المطابع دہلی طبع اول مطبوعہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء ص ص ۲ تا ۴۳ [یہ کتاب رضا لائبریری رام پور میں میری نظر سے گزری ہے]

۴ ایضاً ص ۴۳ ۔ مکتوب غالب بنام ذکا [مشمولہ اردوئے معلیٰ (حصۂ اول) : غالب ۔ اکمل المطابع دہلی طبع اول مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۳۷ مملوکہ راقم الحروف] کے باہم مطالعے سے بھی پتا چلتا ہے کہ لطائف غیبی طبع اول دوشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۴ء سے قبل چھپ چکی تھی۔

۵ تقویم یک صد و دو سالہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۵ء [مملوکہ رضا لائبریری رام پور]

۶ خطوط غالب : مرتبہ غلام رسول مہر ص ص ۳۲۱ تا ۳۲۲

۷ اردوئے معلیٰ حصۂ اول طبع اول ص ص ۱۱۱ تا ۲۲۸

۸ رک : ① لطائف غیبی مشمولہ قاطع برہان و رسائل متعلقہ : مرتبہ قاضی عبدالودود ۔ لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۱۹۳ تا ۲۱۱

② لطائف غیبی مشمولہ مجموعۂ نثر غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی ۔ مجلس ترقی ادب لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ص ۵۹ تا ۱۲۳

۹ تلامذۂ غالب : مالک رام ۔ مرکز تصنیف و تالیف نکودر طبع اول ص ص ۲۳۷ تا ۲۳۸

۱۰ لطائف غیبی مشمولہ مجموعۂ نثر غالب اردو ص ۱۲۱

۱۱ بزم غالب : عبدالرؤف عروج ۔ ادارۂ یادگار غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۱۳۱

۱۲ لطائف غیبی مشمولہ مجموعۂ نثر غالب اردو ص ۱۲۱

۱۳ ایضاً ص ۱۲۳

۱۴ لطائف غیبی کا دیباچہ مندرجہ ذیل مصادر میں بھی شامل ہے :
① آثار غالب : مرتبہ قاضی عبدالودود ص ص ۱ تا ۲ [مشمولہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر مرتبہ مختار الدین احمد ۱۹۴۹ء ۔ ۱۹۴۸ء]
② غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم ۔ مکتبہ شاہراہ دہلی طبع ۱۹۶۱ء ص ص ۱۱۳ تا ۱۱۴

۱۵ غالب نے اپنے شاگرد قدر بلگرامی سے بھی محرق قاطع برہان کا جواب لکھنے کی فرمائش کی تھی مگر قدر اس فرمائش کی تعمیل سے قاصر رہے تھے [خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر ص ص ۳۷۴ تا ۳۷۷] ۔ اس کے علاوہ غالب نے اپنے شاگرد علائی سے بھی محرق قاطع برہان کا خاکہ اڑانے کی فرمائش کی تھی [اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع ۱۸۶۹ء ص ص ۲۷۴ تا ۲۸۶ نیز ص ۲۹۴]

۱۶ تیغ تیز : غالب ۔ اکمل المطابع دہلی [طبع ۱۸۶۷ء] ۔ یہ اردو رسالہ غالب نے اپنی کتاب قاطع برہان کے دفاع اور مؤید برہان [تالیف آغا احمد علی مطبوعہ ۱۲۸۲ھ] کے جواب میں لکھا تھا۔

۱۷ بحوالہ بین الاقوامی غالب سیمینار - کوہ نور پریس دہلی طبع ۱۹۶۹ء ص ص ۳۰ تا ۳۱ [مقالۂ قاضی عبدالودود]

۱۸ میر سعادت علی کے حالات باغِ دودر : غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی لاہور طبع ۱۹۷۰ء (تحقیق نامہ ص ص ۱۳۰ تا ۱۳۱) نیز آثارِ غالب مرتبہ قاضی عبدالودود (ص ۴۷) سے ماخوذ ہیں -

۱۹ میر سعادت علی کی تالیفات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جناب قاضی عبدالودود کی کتاب آثارِ غالب (ص ۴۷) سے ماخوذ ہے -

۲۰ قاضی عبدالودود نے اس شعر کو غالب کا کلام مانا ہے [آثارِ غالب ص ۱۲ نیز ص ۵۲]

۲۱ رک : ① کلیاتِ غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء [غالب کی زندگی میں شائع ہونے والا کلیاتِ غالب کا یہ کم یاب نسخہ میرے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے]
② کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع جنوری ۱۸۷۲ء [مملوکہ راقم الحروف]

۲۲ رک : ① باغِ دودر : مرتبہ وزیر الحسن عابدی متن ص ص ۸۲ تا ۸۴
② کلیاتِ غالب : مرتبہ امیر حسن نورانی - رام کمار بک ڈپو لکھنؤ طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ص ۲۰ تا ۲۲

۲۳ لطائفِ غیبی مشمولہ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۲۱۰

۲۴ دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) : مرتبہ امتیاز علی عرشی - انجمن ترقیٔ اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۵۸ء متن ص ۳۱۳ (حاشیہ)

۲۵ ایضاً دیباچہ ص ص ۱۱۵ تا ۱۱۶

۲۶ دیوانِ غالب - مطبع صدر محبس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء [مملوکہ راقم السطور]

۲۷ لطائفِ غیبی مشمولہ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۲۰۳، ص ۲۰۹، ص ۲۲۶ نیز ص ۲۲۹

نیرِ درخشاں

میاں داد خاں سیاح اور اُن کا کلام : مرتبہ ڈاکٹر سید [illegible] - ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد دکن طبع ۱۹۵۰ء ص ص ۱۷ تا ۲۳

رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم

رسالہ سوالاتِ عبدالکریم بھی اُن اُردو رسائل میں شامل ہے جو قاطعِ برہان کے ادبی معرکے کے سلسلے میں شائع ہوئے تھے۔ یہ رسالہ سیّد سعادت علی کی فارسی کتاب محرقِ قاطعِ برہان میں پائی جانے والی زبان و بیان کی فروگذاشتوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ سیّد سعادت علی کی کتاب محرقِ قاطعِ برہان غالب کی کتاب قاطعِ برہان کی رد میں چھپی تھی۔ رسالہ سوالاتِ عبدالکریم غالب کی تائید میں تھا۔

رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم موضوع اور اسلوبِ نگارش دونوں ہی اعتبار سے غالب کے دوسرے رسائل مثلاً تیغِ تیز اور نامۂ غالب سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے قاضی عبدالودود[1]، مالک رام[2]، مولانا غلام رسول مہر[3] اور مولانا امتیاز علی عرشی[4] کے ایسے ماہرینِ غالبیات نے رسالہ سوالاتِ عبدالکریم کو غالب کی تحریر تسلیم کیا ہے۔[5]

بقول مالک رام سوالاتِ عبدالکریم غالب کا ایک مختصر اُردو رسالہ ہے جس کا پہلا اڈیشن ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔[6] غالب ببلیوگرافی میں اس کی ضخامت ۹۶ صفحات بتائی گئی ہے جو کسی سہو کا نتیجہ ہے۔[7] مالک رام کے اندازے کی روشنی میں رسالہ سوالاتِ عبدالکریم اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں چھپا تھا۔[8] ۱۲۸۱ھ تقویم میں ۷ رجون ۱۸۶۴ء سے ۲۶ رمئی ۱۸۶۵ء تک کے زمانے کے مطابق ہے۔ غالباً اسی لیے مالک رام نے سوالاتِ عبدالکریم کا سنہ اشاعت ایک جگہ ۱۸۶۴ء[9] اور دوسری جگہ ۱۸۶۵ء/۱۲۸۱ھ درج کیا ہے۔[10] خلیل الرحمٰن داؤدی نے بھی رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم کا سنہ اشاعت "۱۸۶۵ء" قیاس کیا ہے۔[11] لیکن غالب کے ۱۸۶۴ء کے بعض خطوط بتاتے ہیں کہ رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم ۱۸۶۴ء ہی میں چھپ چکا تھا۔ حبیب اللہ خاں ذکا کے نام غالب کے ایک خط مکتوبہ دوشنبہ ۲۸ رنومبر ۱۸۶۴ء سے پتا چلتا ہے کہ تاریخِ مذکورہ سے قبل ہی رسالہ سوالاتِ عبدالکریم چھپ چکا تھا اور اس خط کے ہمراہ غالب نے اُس کا ایک نسخہ ذکا کو بھیجا تھا۔[12] خواجہ غلام غوث بےخبر کے نام غالب کے ایک خط کا زمانۂ تحریر مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے اگست ۱۸۶۴ء متعین کیا ہے۔ اس خط میں غالب کے بیانات سے بھی پتا چلتا ہے کہ رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم اس خط کے زمانۂ تحریر (اگست ۱۸۶۴ء/مطابق صفر و ربیع الاوّل ۱۲۸۱ھ) تک چھپ چکا تھا۔[13] اس کا پہلا اڈیشن میری نظر سے نہیں گزرا۔ اب اس رسالے کی ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ جدید اشاعتیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن میں درج ذیل مصادر شامل ہیں:

(۱) رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم مشمولہ رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۳، ۱۹۵۲ء (شائع کردہ قاضی عبدالودود) — بہ حوالہ مجموعۂ نثرِ غالب اُردو ص ۱۲۸

(۲) سوالاتِ عبدالکریم مشمولہ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ (حصہ ۱) مرتبہ قاضی عبدالودود۔ لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی۔ طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۱۷۷ تا ۱۹۰

(۳) مشمولہ مجموعۂ نثرِ غالب اُردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی۔ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور۔ طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ص ۱۲۹ تا ۱۴۶

رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم میں مولوی سعادت علی کی کتاب محرقِ قاطعِ برہان کے ابتدائی ۵۰ صفحات کے مندرجات کے متعلق سولہ[14] سوال کیے گئے ہیں۔ سوالاتِ عبدالکریم کا جو متن قاضی عبدالودود کی مرتب کردہ کتاب قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ (حصہ ۱) میں چھپا ہے اُس میں کاتب کے سہو کے باعث ۱۷ سوال درج ملتے ہیں۔ اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ چودھویں سوال کے بعد پندرھویں سوال (ص ۱۸۶)

کو سوال ۱۶ درج کیا گیا ہے اور سوال ۱۶ کو اسی غلطی کے باعث سوال ۱۷ قرار دیا گیا ہے۔

مہیش پرشاد [۱۴] اور ڈاکٹر عبادت بریلوی [۱۵] نے بھی کسی سہو سے سوالات کی تعداد ۱۷ بتائی ہے۔ سوالات کے بعد زیرِ بحث رسالے کے خاتمے میں منشی سعادت علی کو یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ ان سوالوں کے جوابات شریفانہ ہوں اور اگر بد زبانی کی گئی تو ایک کے بدلے دو سننا پڑیں گی۔ رسالے کے آخر میں ایک استفتا چھپا ہے جس میں دو سوال کیے گئے ہیں اور ان کے جوابات غالب کے علاوہ عہدِ غالب کے چند مدرسین نے بھی دیے ہیں۔

رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم میں منشی سعادت علی اور ان کی کتاب محرقِ قاطعِ برہان پر طنز و مزاح کے جو وار کیے گئے ہیں ان کے بین السطور میں غالب کی ظرافت و ذہانت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ درجِ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"منشی صاحب، تمہارے قدموں کی قسم، اس مجمعے میں بنسبت آپ کی فارسی عبارت کے وہ لطائفِ ذوق انگیز درمیان آئے ہیں کہ سب اہلِ محفل ہنسی کے مارے مرے جاتے تھے۔ آخر کو باتفاق رائے یہ ٹھہری کہ فرہنگ نویسوں نے فارسی کو سات قسم پر منقسم کیا ہے، ان اقسام سبعہ میں سے ساتویں فارسی شکر خندی ہے، منشی سعادت علی نے آٹھویں فارسی نکالی ہے، اس کا نام خندی ہے۔ چونکہ فدوی آپ کا معتقد اور خیر خواہ ہے، اس امر سے بہت خوش ہوا، اور آپ کی خوشی کے واسطے اس امر کی آپ کو اطلاع دی۔" [۱۶]

حواشی

[۱] دیکھیے: (۱) "آثارِ غالب"، مرتبہ قاضی عبدالودود حواشی ص ۷۴ (مشمولہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء)

(۲) قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ: مرتبہ قاضی عبدالودود۔ لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی۔ طبع ۱۹۶۷ء میں غالب ہی کی تحریریں پیش کی گئی جن میں رسالۂ سوالاتِ عبدالکریم بھی شامل ہے (ملاحظہ ہو "پیش گفتار" از قاضی عبدالودود صفحہ ک)

[۲] ذکرِ غالب: مالک رام۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ طبع ۱۹۷۵ء ص ۱۷۶ (حاشیہ ۴)

[۳] خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔ طبع ۱۹۶۸ء ص ۱۳ تا ۱۴

[۴] بہ حوالہ مکتوب مولانا امتیاز علی عرشی بہ نام راقم الحروف مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء

[۵] پاکستانی اہلِ قلم مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے مجھے اپنے ۵ جولائی ۱۹۷۵ء کے خط میں لکھا ہے کہ "[میں]۔۔۔ سوالاتِ عبدالکریم کو تحریرِ غالب نہیں مانتا۔ ہاں تجویز و تحریک و اصلاحِ غالب ممکن ہے۔۔۔" منظور الحسن برکاتی بھی سوالاتِ عبدالکریم کو غالب کی تحریر نہیں مانتے (آج کل نئی دہلی۔ فروری ۱۹۶۹ء ص ص ۴۰ تا ۴۳ نیز ص ۵۱)

[۶] بہ حوالہ ذکرِ غالب ص ۱۷۶ (حاشیہ ۴)

[۷] غالب ببلیوگرافی حصہ اول ص ۴۰ (مرتبہ انصار اللہ)

[۸] ذکرِ غالب: مالک رام ص ۱۷۶

۹ ایضاً ص ۱۲۶

۱۰ عیارِ غالب طبع اوّل، مرتبہ مالک رام

۱۱ مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - مجلس ترقیِ ادب لاہور - طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۲۸

۱۲ اردوئے معلیٰ (حصّہ ۱) : غالب - اکمل المطابع دہلی - طبع اوّل مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۳۲

۱۳ اردوئے معلیٰ (صدی اڈیشن) حصّہ اوّل (جلد دوّم) : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلسِ ترقیِ ادب لاہور طبع [۱۹۶۹ء] ص ص ۵۵۲ تا ۵۵۳

۱۴ ررک علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ص ۱۳۳

۱۵ غالب اور مطالعۂ غالب، ڈاکٹر عبادت بریلوی - خواجہ بیتھو پریس دہلی - طبع جون ۱۹۶۰ء ص ۲۰۲

۱۶ سوالاتِ عبدالکریم مشمولۂ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۱۸۶

انتخابِ غالب پر ایک نظر

انتخابِ غالب کے عنوان سے کئی کتابیں چھپی ہیں لیکن پیشِ نظر صفحات میں
انتخابِ غالب: مرتبہ محمد عبد الرزاق چشتیہ پریس چھتہ بازار حیدر آباد دکن طبع ۱۳۴۵ھ
کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب اب خاصی کم یاب ہے۔ انتخابِ غالب طبع ۱۳۴۵ھ رضا لائبریری
رام پور میں میری نظر سے گزری۔ انتخابِ غالب کا ایک ایڈیشن ۱۹۴۳ء میں دین محمدی پریس
لاہور سے بھی نکلا تھا۔ انتخابِ غالب کے متعلق پاکستانی ادیب جناب خلیل الرحمٰن داؤدی
کا ارشاد ہے: "یہ کتاب محمد عبد الرزاق نے مرتب کر کے دین محمدی پریس لاہور سے ۱۳۴۵ھ
میں شائع کرائی تھی۔" خلیل الرحمٰن داؤدی کا یہ بیان محلِ نظر ہے۔ انتخابِ غالب ۱۳۴۵ھ
میں دین محمدی پریس لاہور کے بجائے چشتیہ پریس حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی تھی اور
دین محمدی پریس لاہور سے یہ کتاب ۱۳۴۵ھ [۱۹۲۷ء] کے بجائے ۱۹۴۳ء [مطابق ۱۳۶۲ھ
تا ۱۳۶۳ھ] میں شائع ہوئی تھی۔ انتخابِ غالب کتابی شکل میں شائع ہونے سے قبل رسالہ
تحفہ حیدر آباد دکن بابت اکتوبر، نومبر و دسمبر ۱۹۲۶ء میں قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اس
سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتخابِ غالب کتابی صورت میں شاید دسمبر ۱۹۲۶ء کے بعد ۱۹۲۷ء
کے نصفِ اول میں شائع ہوئی ہوگی۔ ہجری کیلنڈر کی رو سے کتاب کا سالِ اشاعت ۱۳۴۵ھ
ہے۔ تقویم ۱۳۴۵ھ کو ۱۲ جولائی ۱۹۲۶ء سے ۳۰ جون ۱۹۲۷ء تک کی درمیانی مدت
کے مطابق بتاتی ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ یہ کتاب نصفِ آخر ۱۳۴۵ھ [مطابق نصفِ اول
۱۹۲۷ء] میں شائع ہوئی ہوگی۔

انتخابِ غالب طبع ۱۳۴۵ھ کی ضخامت جناب مالک رام نے ۲۸ صفحات
درج فرمائی ہے۔ یہ اندراج نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ انتخابِ غالب طبع ۱۳۴۵ھ [مملوکہ رضا لائبریری
رام پور] مجھے ۵ + ۱۹ = ۲۴ صفحات پر مشتمل ملتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی پانچ صفحات سرنامے،
اشتہار اور دیباچۂ مرتب پر مشتمل ہیں۔ ان ابتدائی پانچ صفحوں کے بعد صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۹
کے مابقی صفحات کا جو نیا سلسلہ ملتا ہے اس میں غالب کے بعض منثور و منظوم اردو
ادبی آثار ہیں۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں غالب کی بعض منثور اردو
تحریریں ہیں اور دوسرے حصے میں غالب کے چند منتخب اردو اشعار ملتے ہیں۔ کتاب کے
شروع اور آخر میں غالب کا تحریر کردہ دیباچہ و خاتمہ بھی شامل ہے۔

انتخابِ غالب طبع ۱۳۴۵ھ میں دیباچۂ مرتب کے بعد اردو نثر میں
غالب کی ایک تحریر ہے۔ قاضی عبد الودود نے غالب کی اس تحریر کو تمہید بتایا ہے لیکن
انتخابِ غالب کے خاتمے (ص ۱۹) میں خود غالب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر
دراصل کتاب کا دیباچہ ہے۔ انتخابِ غالب کے اس دیباچے کو مولانا غلام رسول مہر
نے "دیباچۂ اوقاتِ غالب" کے عنوان سے شائع کیا ہے حالانکہ اس کا عنوان "دیباچۂ
انتخابِ غالب" ہونا زیادہ اچھا تھا۔ خلیل الرحمٰن داؤدی کی کتاب مجموعۂ نثرِ غالب اردو
(ص ص ۲۶۵ تا ۲۶۶) میں دیباچۂ انتخابِ غالب کے متن میں طباعت کی غلطی سے ایک
ایسی عبارت ["کیا ہوا اگر ایک نفس ۔۔۔۔ تا روزِ شمار رہے گا۔ فقط"] شامل

ہو گئی ہے جو دیباچہ انتخابِ غالب سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ فاضل عبارت دراصل غالب کی تحریر کردہ تقریظ گلزارِ سرور کا جز ہے۔ (اس تقریظ کے علاوہ) تقریظ گلزارِ سرور پر راقم الحروف نے ایک مضمون[5] میں مفصل گفتگو کی ہے۔ دیباچۂ انتخابِ غالب کا متن سطورِ ذیل میں منقول ہے:

"یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر یہ میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے حسبِ محل و مقام کے مناسب ہے [کہ اس کی مناسبت ہے] درج کیا جائے۔ اور یہ مجموعہ نذر اُس جناب رفعت مآب کی ہے جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی [ہے]۔ صاحب والا مناقب عالی شان، علم و اہلِ علم کے قدردان، یگانۂ روزگار جن کا مطیع و محکوم ہونا اہلِ ہند کو سرمایۂ عز و افتخار، والا پایہ عالی رتبہ معلی القاب حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر بہادر قلمرو پنجاب۔ پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبانِ تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر قبول ہونے کا طالب ہے، نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونسا کا بھتیجا موسوم بہ اسد اللہ خاں و متخلص بہ غالب ہے۔ میرے چچا کی سرداری اور ریاست کا حال گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا جواب من جانب لارڈ ایلن برا بہادر کے ذریعے سے وزیر اعظم کے پاس پہنچا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکۂ معظمہ و محتشمہ کے حضور پر نور میں گزرانا از روئے مشاہدۂ خطوط آمدہ ولایت جو بہ سبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں، گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ کوئینس پوئٹ [QUEEN'S POET] گنا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر رتبہ نہ بڑھایا جائے قدیم عزت میں تو فرق نہ آنے پائے۔

اے جہاں آفریں خدائے کریم ← صانعِ ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام مکلوڈ جن کا ہے مشہور ← یہ ہمیشہ بہ صد نشاط و سرور
عمر و دولت سے شادماں رہے ← اور غالب پہ مہرباں رہے" [6]

انتخابِ غالب کا یہ دیباچہ کئی لحاظ سے اہم ہے۔ یہ دیباچہ غالب کے مطبوعہ اردو دیباچوں کی محدود تعداد میں اضافہ کرتا ہے۔ دیباچۂ انتخابِ غالب کو ملا کر غالب کے اردو دیباچوں کی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔

دیباچے میں غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ انتخابِ غالب کے دوسرے حصے

میں غالب کے ایسے اُردو اشعار ہیں جو اُردو مکتوب نگاری میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ کتاب کے پہلے حصّے میں غالب کے اُردو خطوط اور دوسرے حصّے میں خطوط کے لیے غالب کے اشعار کی موجودگی بتاتی ہے کہ اس زمانے تک غالب اُردو مکتوب نگاری سے غیر معمولی دل چسپی لینے لگے تھے۔

دیباچے سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ انتخابِ غالب نصابی نوعیت کی کتاب ہے جسے غالب نے انگریزوں کی درس و تدریس کے مقصد سے لکھا تھا۔ نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب طبع فروری ۱۸۶۷ء کا مقصد بھی یہی تھا۔[11] اسی سلسلے میں اُردو نظم میں غالب کی مختصر کتاب قادر نامہ بھی آتی ہے جو بچوں کی تدریس کے لیے لکھی گئی تھی۔[12] غالب کے اُردو خطوط کے مجموعے اردوئے معلّیٰ حصّہ اوّل کے پہلے ایڈیشن کے سرورق پر اردوئے معلّیٰ کو "تعلیم اطفال کے لیے دستور العمل" قرار دیا گیا ہے۔[13] گویا اردوئے معلّیٰ (حصّہ اوّل): غالب اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء بھی طلبہ کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے شائع ہوئی تھی۔ یہ تمام کتابیں درسی کتب میں غالب کی دل چسپی کی مظہر ہیں۔

دیباچۂ انتخابِ غالب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب اِسی کتاب کے ذریعے انگریزی حکومت سے منصب و خطاب کے طالب تھے اور وہ خود کو "پوئٹ لارییٹ" کے خطاب کا مستحق سمجھتے تھے۔

یہ دیباچہ اُردو نثر میں غالب کے اُس مقفّیٰ اسلوبِ نگارش کا نمونہ ہے جس کے نقوش اُن کے اُردو خطوط میں خال خال ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب اُردو خطوط میں تو مقفّیٰ اسلوب کے عادی نہ تھے لیکن اُردو دیباچوں اور تقریظوں میں وہ مقفّیٰ اسلوب کو برتنے کے قائل تھے۔

دیباچے میں غالب کے بیان سے انکشاف ہوتا ہے کہ انتخابِ غالب اُس زمانے میں لکھی گئی تھی جب مسٹر میکلوڈ پنجاب کے فنانشیل کمشنر تھے اور وہ پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر نہ ہوئے تھے۔ سر ڈانلڈ میکلوڈ ۱۰ر جنوری ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر رہے تھے اور اُس سے قبل وہ پنجاب کے جوڈیشل اور فنانشیل کمشنر رہ چکے تھے۔[14] ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ انتخابِ غالب ۱۰ر جنوری ۱۸۶۵ء سے قبل اُس زمانے میں لکھی گئی تھی جب سر میکلوڈ کو پنجاب کی لفٹیننٹ گورنری کا عہدہ نہ ملا تھا۔

دیباچۂ انتخابِ غالب کا خاتمہ غالب نے سر میکلوڈ کے لیے اپنے جن تین عدد مدحیہ اُردو اشعار پر کیا ہے وہ غالب کے غیر متداول کلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن اشعار سے غالب کے متداول اُردو دیوان کی وہ پانچوں اشاعتیں خالی ہیں جو غالب (متوفیٰ ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء) کی زندگی میں اکتوبر ۱۸۴۱ء، مئی ۱۸۴۷ء، جولائی ۱۸۶۱ء، جون ۱۸۶۲ء نیز ۱۸۶۳ء کے دوران منظرِ عام پر آئی تھیں۔[15] دیوانِ غالب طبع اپریل ۱۸۸۲ء بھی اِن تینوں اشعار سے محروم ہے۔[16] یہ تینوں اشعار اب غالب

کے غیر متداول کلام کی حیثیت سے غالب کا منسوخ دیوان میں انتخاب غالب ہی کے حوالے سے شامل ملتے ہیں[17]۔ اس طرح دیباچۂ انتخاب غالب کی مدد سے دیوان غالب میں تین غیر متداول اشعار کا اضافہ ہوتا ہے۔ دیوان غالب طبع ۱۸۶۳ء کا زیر بحث اشعار سے محروم ہونا اس امر پر منتج ہے کہ یہ اشعار ۱۸۶۳ء کے بعد کہے گئے ہوں گے۔ ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتخاب غالب ۱۸۶۳ء کے بعد [مگر اواخر جنوری ۱۸۶۵ء سے قبل] شاید ۱۸۶۴ء کے آس پاس مکمل ہوئی ہوگی۔

دیباچے کے بعد انتخاب غالب کے پہلے حصے کا آغاز ہوتا ہے۔ غالب کی منثور اردو تحریروں پر مشتمل کتاب کے اس باب میں خود غالب اور غالب کی تقلید میں جناب مالک رام و جناب قاضی عبدالودود کے بیانات کے بموجب دو عدد دیباچے شامل ہیں[18] لیکن کتاب کے پہلے باب (ص ص ۳ تا ۱۵) میں دو دیباچوں کے بجائے ایک تقریظ اور ایک دیباچہ ملتا ہے۔ تقریظ مرزا رجب علی بیگ سرور کی کتاب گلزار سرور پر ہے اور دیباچہ خواجہ بدرالدین خاں کی کتاب حدایق انظار پر ہے۔ انتخاب غالب میں گلزار سرور پر غالب کی جس تحریر کو دیباچہ قرار دیا گیا ہے وہ دراصل تقریظ ہے۔ غالب کی یہ تحریر تقریظ "گلزار سرور" کے طور پر "عود ہندی" و "اردوئے معلیٰ" حصہ دوم میں شائع ہو چکی ہے[19]۔ ان حقائق کے پیش نظر تقریظ گلزار سرور کو دیباچہ قرار دینا درست نہیں۔

تقریظ گلزار سرور کے بعد انتخاب غالب کے پہلے باب میں خواجہ امان کی کتاب حدایق انظار پر غالب کا دیباچہ ہے۔ خواجہ بدرالدین عرف خواجہ امان [متولد ۱۸۱۷ء و متوفی ۱۲ اگست ۱۸۷۹ء] کی کتاب حدایق انظار دراصل میر تقی خیال کی ضخیم فارسی داستان بوستان خیال کا اردو ترجمہ ہے[20]۔ حدایق انظار کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۷۵ھ مستخرج ہوتا ہے:

ح	د	ا	ی	ق	ا	ن	ظ	ا	ر	=	حدایق انظار
۸	۴	۱	۱۰	۱۰۰	۱	۵۰	۹۰۰	۱	۲۰۰	=	۱۲۷۵ھ

ان امور کی روشنی میں کتاب حدایق انظار کا نام "حدائق الانظار" لکھنا درست نہیں۔ جناب مالک رام[21]، جناب غلام رسول مہر[22]، جناب مولانا امتیاز علی عرشی[23] نیز جناب قاضی عبدالودود[24] جیسے صف اول کے غالب شناسوں نے ان امور کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث کتاب حدایق انظار کا نام "حدائق الانظار" درج فرمایا ہے جو محل نظر ہے۔ حدایق انظار کا ۱۲۹۲ھ میں شائع ہونے والا دوسرا ایڈیشن رضا لائبریری رام پور میں میری نظر سے گزرا ہے[25] اور اسی ایڈیشن میں بھی کتاب کا نام حدایق انظار ہی درج ملتا ہے۔ انتخاب غالب کے پہلے باب میں شامل حدایق انظار پر غالب کا دیباچہ بھی نیا نہیں ہے۔ یہ دیباچہ عود ہندی طبع اول مطبوعہ اکتوبر ۱۸۶۸ء (ص ص ۱۸۲ تا ۱۸۴) نیز اردوئے معلیٰ حصہ

دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء (ص ص ۵ تا ۸) میں شائع ہو چکا ہے۔ انتخاب غالب [زمانۂ تالیف ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۱ھ–۱۲۸۰ھ] میں حدائق الانظار پر غالب کے دیباچے کی شمولیت سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کا یہ دیباچہ ۱۸۶۴ء تک لکھا جا چکا تھا۔ حدائق الانظار ۱۲۷۵ھ [مطابق ۱۸۵۹ء – ۱۸۵۸ء] میں لکھی گئی تھی اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۲ھ [۱۸۶۶ء – ۱۸۶۵ء] میں شائع ہوا تھا۔[۲۶] حدائق الانظار کا یہ پہلا ایڈیشن شاید ۱۲۸۱ھ [مطابق ۶۵–۱۸۶۴ء] میں چھپنا شروع ہوا تھا جو لفظ "غفار" [$\frac{غ}{۱۰۰۰}$ $\frac{ف}{۸۰}$ $\frac{ا}{۱}$ $\frac{ر}{۲۰۰}$ = ۱۲۸۱ھ] سے برآمد ہوتا ہے جیسا کہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے سرورق کے ایک اندراج سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حدائق الانظار میں غالب کا دیباچہ شروع میں ہی شامل ہے۔ ان شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدائق الانظار طبع اول کی اشاعت کے آغاز [۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء] سے قبل ہی اس کتاب پر غالب کا زیر بحث دیباچہ لکھا جا چکا ہوگا۔ ان قرائن سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انتخاب غالب ۱۸۶۴ء [مطابق ۱۲۸۱ھ–۱۲۸۰ھ] کے آس پاس لکھی گئی ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ ان امور پر مزید تحقیق میرے معروضات کی تصدیق کر سکے گی۔

انتخاب غالب کے پہلے باب (ص ص ۶ تا ۱۲) میں میر مہدی حسین مجروح کے نام غالب کے گیارہ اردو مکاتیب ہیں۔ مالک رام نے ان خطوط کی تعداد خلاف واقعہ بارہ بتائی ہے [ذکر غالب ص ۱۲۴]۔ مجروح کے نام یہ تمام خطوط بعض اختلافات کے ساتھ عود ہندی، اردوئے معلی اور خطوط غالب حصہ اول مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۶۲ء میں مل جاتے ہیں۔ یہ تمام خطوط جولائی ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۳ء تک کے درمیانی زمانے کے ہیں۔[۲۷] انتخاب غالب میں ۱۸۶۳ء تک کے خطوط کی موجودگی اور ۱۸۶۴ء یا اس کے بعد کے خطوط کی عدم موجودگی سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۶۳ء کے بعد ۱۸۶۴ء کے آس پاس مکمل ہوئی ہوگی۔ یہ کتاب غالب کے بعض خطوط کی تاریخوں کے تعین میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے [دیکھئے خطوط غالب مرتبہ مالک رام ص ۳۲ حاشیہ ۳]۔

خطوط کے بعد انتخاب غالب کے پہلے باب (ص ص ۱۴ تا ۱۶) میں ایک لطیفہ اور دو نقلیں بھی شامل ہیں۔ یہ تینوں اردو تحریریں اب غالب کی نادر تحریریں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔[۲۸] اردو نثر میں یہ تینوں چیزیں غالب کی ظرافت کا نمونہ ہیں۔

انتخاب غالب کا دوسرا باب (ص ص ۱۶ تا ۱۹) غالب کے ایسے انتیس اردو اشعار پر مشتمل ہے جو بہ قول غالب مکتوب نگاری میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ان ۳۱ شعروں میں سے پہلا اور آخری شعر درج ذیل ہے:

پہلا شعر: ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ← ورنہ کیا بات کر نہیں آتی[۲۹]

آخری شعر: ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ← ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے[۳۰]

انتخابِ غالب کے دیباچے میں غالب کا بیان ہے کہ یہ اشعار خط و کتابت میں استعمال کیے جا سکتے ہیں لیکن اشعار دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے متعدد اشعار مکتوب نگاری کے لیے کسی خصوصی افادیت کے حامل نہیں اور میری رائے میں خود غالب کے کلام سے خط و کتابت کے لیے مفید مطلب اشعار کا اس سے بہتر انتخاب ہو سکتا تھا۔

کتاب کے ایک حصے میں خطوط اور دوسرے حصے میں خط و کتابت کے لیے اشعار کا التزام کوئی ایسا نیا طریقۂ کار بھی نہیں جو انتخابِ غالب میں پہلی بار سامنے آیا ہو۔ انتخابِ غالب ۱۸۶۴ء کے آس پاس مرتب ہوئی تھی اور غالب اس سے قبل اپنی فارسی نثر کی کتاب پنج آہنگ طبع اول مطبوعہ اگست ۱۸۴۹ء میں اس طریقۂ کار کا التزام کر چکے تھے۔ پنج آہنگ کی تیسرے آہنگ غالب کے منتخب فارسی اشعار پر مشتمل ہے اور اس کتاب کی پانچویں آہنگ میں غالب کے فارسی خطوط شامل ہیں۔ گویا انتخابِ غالب کی ترتیب میں کسی حد تک پنج آہنگ کی ترتیب کی تقلید کی گئی ہے۔ ان حالات میں بہ لحاظ طرزِ ترتیب انتخابِ غالب دراصل پنج آہنگ کا نقشِ ثانی ثابت ہوتی ہے۔ نقشِ ثانی عموماً نقشِ اول سے بہتر ہوتا ہے لیکن یہاں نقشِ ثانی کا نقشِ اول سے بہتر ہونا تو درکنار نقشِ ثانی کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے نقشِ اول کے برابر بھی نہیں نظر آتا۔ میرے نزدیک یہاں نقشِ ثانی [انتخابِ غالب] دراصل نقشِ اول [پنج آہنگ] کا ایک غیر معیاری اور ناکام چربہ ثابت ہوتا ہے۔

پنج آہنگ کے مقابلے میں انتخابِ غالب کی ناکامی کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ پنج آہنگ کی کامیابی میں فارسی ادب سے غالب کی غیر معمولی دلچسپی بھی ایک اہم سبب معلوم ہوتی ہے۔ انتخابِ غالب جیسی مختصر سی اردو کتاب کی تیاری میں غالب نے کچھ زیادہ دلچسپی لی ہوگی۔

پنج آہنگ [طبع ۱۸۴۹ء] انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل چھپ چکی تھی اور غالب اس وقت تک ان روح فرسا مصائب سے محفوظ تھے جو انھیں غدر ۱۸۵۷ء میں برداشت کرنا پڑے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے دل شکن اور ہوش ربا مصائب نے غالب کے قلب و ذہن کی دنیا کو درہم و برہم اور تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ ایسے ہمت شکن حالات کے بعد ۱۸۶۴ء میں انتخابِ غالب کی ترتیب کے لیے غالب کی ادبی صلاحیتوں کا پوری قوت سے بروئے کار نہ آنا حیرت کی بات نہیں۔

پنج آہنگ کی پہلی اشاعت [اگست ۱۸۴۹ء] تک غالب [متولد دسمبر ۱۷۹۷ء] کا سن کم و بیش ۵۲ سال تھا اور اس سن میں غالب صحت اور توانائی کی اس دولت سے محروم نہ ہوئے تھے جو انتخابِ غالب کی ترتیب [۱۸۶۴ء] کے وقت تک ۶۷ برس کے سن میں ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

انتخابِ غالب کی ترتیب ۱۸۶۴ء کے آس پاس عمل میں آئی تھی۔ خطوطِ غالب کے مطالعے سے انکشاف ہوتا ہے کہ غالب رجب ۱۲۷۹ھ [مطابق جنوری ۱۸۶۳ء] تا جمادی الآخر ۱۲۸۰ھ [مطابق نومبر ۱۸۶۳ء] کے دوران مہینوں پھوڑوں اور پھنسیوں کے باعث بڑے شدید جسمانی اور روحانی آزار میں گرفتار رہے تھے۔ ۱۸۶۳ء میں غالب کا سن

تقریباً ۶۶ سال تھا۔ ۶۶ برس کے بوڑھے آدمی کا ۱۸۶۳ء کے دوران کئی ماہ تک طویل علالت میں مبتلا رہ کر ۱۸۶۴ء میں انتخابِ غالب مرتب کرنا آسان کام نہ تھا۔ بڑھاپے، بیماری اور کمزوری کے عالم میں ۱۸۶۴ء کے دوران مرتب ہونے والی کتاب انتخابِ غالب کے لیے غالب زیادہ محنت اور مشقت کرنے کی حالت ہی میں نہ تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر پنج آہنگ کے مقابلے میں انتخابِ غالب کی ناکامی حیرت کی بات نہیں رہتی۔

غالب کے ادبی آثار میں سوالاتِ عبدالکریم اور لطائفِ غیبی نام کے دو مختصر رسالے بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں رسائل غالب نے اپنے نام کے بجائے دوسروں کے نام سے شائع کرائے تھے۔ میری اطلاع کے مطابق غالب نے یہ دونوں رسائل بھی ۱۸۶۴ء میں لکھے[32]۔ اس طرح ۱۸۶۴ء میں غالب جیسے ۶۷ سال کے ضعیف شخص کو انتخابِ غالب، سوالاتِ عبدالکریم اور لطائفِ غیبی نام کے تین عدد رسائل تیار کرنا پڑے تھے۔ ان حالات میں انتخابِ غالب کی تیاری کے لیے غالب کے پاس زیادہ وقت بھی میسر نہ رہا ہوگا۔ انتخابِ غالب ان ہی تمام وجوہ سے غالب کی ایک ناکام ادبی کاوش ثابت ہوتی ہے۔

انتخابِ غالب جیسی معمولی اور ناکام کتاب شاید ان ہی کمزوریوں کے باعث اپنی ترتیب (۱۸۶۴ء) کے ایک عرصے بعد تک اشاعت سے محروم رہ کر گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی تھی۔ مولانا حالی کی یادگارِ غالب اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب غالب میں انتخابِ غالب کا ذکر موجود نہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ضخیم کتاب غالب اور مطالعۂ غالب بھی انتخابِ غالب کے بارے میں خاموش ملتی ہے۔ تاریخِ ادبِ اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری اور داستانِ تاریخِ اردو مولفہ مولانا حامد حسن قادری جیسی ضخیم کتابیں بھی انتخابِ غالب کے ذکر سے خالی ہیں البتہ شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب غالب نامہ میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے[33]۔

انتخابِ غالب کی شانِ نزول[34] کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ ڈاکٹر مولوی ضیاء الدین خاں پروفیسر عربی کالج دلی انگریز افسروں کو اردو پڑھانے کے لیے ایک انتخاب مرتب کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس سلسلے میں غالب سے بھی تعاون کے خواہاں ہوئے۔ غالب نے یہ مجموعہ مرتب کرکے ان کے سپرد کیا۔ مولوی ضیاء الدین خاں نے اس مجموعے میں سے صرف غالب کے خطوط کو اپنی مرتبہ انشائے اردو (حصہ دوم) مطبع فیض احمدی طبع ۱۸۶۶ء میں شائع کرادیا۔ کتاب کا قلمی نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے سے جب عارضی طور پر محمد عبدالرزاق راشد کو دستیاب ہوا تو انھوں نے اسے انتخابِ غالب کے نام سے ۱۳۶۱ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع کرادیا۔ اس کتاب کا نام انتخابِ غالب دراصل غالب کے بجائے عبدالرزاق راشد کا تجویز کردہ ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس بھی موجود تھا۔ مولوی ضیاء الدین خاں کے نام غالب کا ایک طویل اردو خط بھی ملا ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اس خط کا سالِ تحریر ۱۸۶۴ء متعین کیا ہے[35]۔ اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ غالب اور مولوی ضیاء الدین کے مابین ۱۸۶۴ء میں دوستانہ روابط قائم تھے۔ شاید ان ہی دوستانہ تعلقات کی وجہ سے غالب نے ۱۸۶۴ء میں کتاب انتخابِ غالب کا مسودہ تیار کیا ہو۔

حواشی

۱؎ مثلاً: (۱) انتخابِ غالب: مرتبہ امتیاز علی عرشی، مطبع قیمہ بمبئی طبع ۱۹۴۲ء
(۲) انتخابِ غالب: ممتاز حسین، اردو اکیڈمی سندھ کراچی طبع ۱۹۵۷ء
(۳) انتخابِ غالب: مفتی بشیر احمد
[بہ حوالہ غالب ببلیوگرافی: ڈاکٹر محمد انصار اللہ علی گڑھ طبع ۱۹۷۲ء حصہ اول ص ص ۳۵ تا ۳۶]

۲؎ بہ حوالہ ذکرِ غالب: مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۲۵

۳؎ مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی مجلس ترقی ادب لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ۲۶۱

۴؎ ذکرِ غالب ص ۱۲۵ (حاشیہ ۲)

۵؎ ایضاً ص ۱۲۶ — خلیل الرحمٰن داؤدی نے بھی مجموعۂ نثرِ غالب اردو (ص ۲۶۱) میں انتخابِ غالب کی ضخامت ۴۸ صفحات بتائی ہے جو محلِ نظر ہے۔

۶؎ عیارِ غالب: مرتبہ مالک رام علمی مجلس دلی طبع فروری ۱۹۶۶ء ص ۹۶ [مضمون "انتخابِ غالب" از قاضی عبدالودود]

۷؎ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر - علمی پرنٹنگ پریس لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۵۷۶

۸؎ ملاحظہ ہو مضمون کاظم علی خاں: "گلزارِ سرور پر غالب کی تقریظ" مشمولہ نوائے ادب بمبئی ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء

۹؎ غالب کا یہ بیان محلِ نظر ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں دراصل ایک دیباچہ اور ایک تقریظ شامل ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

۱۰؎ یہ دیباچہ مندرجہ ذیل مصادر میں شامل ہے:
(۱) انتخابِ غالب: مرتبہ محمد عبدالرزاق - چشتیہ پریس حیدرآباد دکن طبع ۱۳۳۵ھ متن ص ۱ تا ۲
(۲) غالب کی نادر تحریریں: مرتبہ خلیق انجم - مکتبہ شاہراہ دہلی طبع فروری ۱۹۶۱ء ص ۱۲۹/۱۳۰
(۳) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ص ۵۷۶ تا ۵۷۷
(۴) مجموعۂ نثرِ غالب اردو ص ۲۶۳
(۵) علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء): مرتبہ مختار الدین احمد آرزو ص ص ۹۸ تا ۹۹

۱۱؎ بہ حوالہ نکات و رقعاتِ غالب: مرتبہ اکبر علی خاں عرشی زادہ، کوہ نور پریس دہلی طبع ۱۹۷۳ء ص ۱۸۶

۱۲؎ تفصیلات کے لیے دیکھیے قادر نامۂ غالب: مرتبہ عبدالقوی دسنوی - علوی پریس بھوپال طبع ۱۹۷۱ء

۱۳؎ توضیحات کے لیے ملاحظہ ہو خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ: کاظم علی خاں - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۸۱ء ص ص ۹۷ تا ۹۸

۱۴؎ بہ حوالہ: (۱) مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی - ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۳۷ء (حواشی ص ۱۸۰ حاشیہ ۸)
(۲) باغِ دو در: غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی لاہور طبع ۱۹۷۰ء (تحقیقی مقدمہ ص ۱۲۸)

۱۵ بہ حوالۂ ذکرِ غالب ص ص ۱۶۵ تا ۱۶۷
۱۶ دیوانِ غالب - مطبع صدر مجلس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء [مملوکہ کاظم علی خاں]
۱۷ غالب کا منسوخ دیوان : مرتبہ مسلم ضیائی - ادارہ یادگارِ غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۳۱
۱۸ د-ک : (۱) انتخابِ غالب متن ص ۱
(۲) ذکرِ غالب : مالک رام ص ص ۱۷۴ تا ۱۷۵
(۳) عیارِ غالب ص ۱۰۰ (مضمون قاضی عبد الودود)
۱۹ د-ک : (۱) گلزارِ سرور : رجب علی بیگ سرور - مطبع افضل المطابع فرنگی محل لکھنؤ [سنہ اشاعت ندارد] پشت سرورق پر غالب کی تقریظ شامل ہے - گلزارِ سرور کا یہ نظر بظاہر پہلا ایڈیشن ہے جو غالب اور سرور کی زندگی میں شائع ہوا تھا اور اب کمیاب ہے - اس کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔
(۲) عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ [مملوکہ کاظم علی خاں]
(۳) اردوئے معلیٰ (حصہ دوم) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۱۱ تا ۱۳ [اس کمیاب کتاب کا ایک نسخہ میں نے ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء کو جناب توفیق احمد تاجر نادر کتب امروہہ سے خریدا تھا — کاظم علی خاں]
۲۰ تفصیلات کے لیے دیکھیے —— "حدائق الانظار پر غالب کا دیباچہ" جو زیرِ نظر مقالے کے اوراقِ گذشتہ میں شامل
۲۱ ذکرِ غالب : مالک رام طبع ۱۹۷۶ء ص ۱۷۵
۲۲ خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر طبع ۱۹۶۸ء ص ۲ نیز ص ۵۷۶
۲۳ مکاتیبِ غالب : مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی طبع ۱۹۴۶ء (دیباچہ ص ۲۴۵ نیز ص ۲۵۲)
۲۴ عیارِ غالب ص ۱۰۰ (مضمون جناب قاضی عبد الودود)
۲۵ حدائق الانظار : مترجمہ خواجہ بدر الدین خاں - مطبع بدر الدجیٰ دہلی طبع ۱۲۹۲ھ [اس کتاب کی ضخامت ۵۵۶ صفحات ہے - ناپ ۱۰ x ۱۵" (انچ) ہے - سطر ۲۹ سطری ہے اور کتاب (ص ص ۲ تا ۳) میں غالب کا دیباچہ شامل ہے]
۲۶ بہ حوالہ عودِ ہندی : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۳۳۲ (حاشیہ ۱)
۲۷ بہ حوالہ خطوطِ غالب (حصہ اوّل) : مرتبہ مالک رام - سرفراز پریس لکھنؤ طبع ۱۹۶۲ء نیز بہ حوالہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔
۲۸ غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم ص ص ۱۳۷ تا ۱۳۸
۲۹ انتخابِ غالب طبع ۱۳۶۵ھ ص ۱۶
۳۰ ایضاً ص ۱۹
۳۱ تفتہ، جنون، قدر، علائی، آرام، میر سرفراز حسین، سیاح، ذکا، چودھری عبد الغفور سرور اور محمود مرزا کے نام ۱۸۶۳ء کے متعدد خطوط میں غالب نے اپنی طویل علالت

کا ذکر کیا ہے۔ مکتوب غالب بہ نام شفق مورخہ ۱۵ ارفروری ۱۸۶۲ء میں بھی غالب نے اپنی بیماری کے متعلق لکھا ہے۔ غالب کے یہ تمام خطوط مندرجہ ذیل مصادر میں دیکھے جا سکتے ہیں:

(۱) اُردوئے معلّیٰ (حصّہ اوّل): غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء ص ص ۲۹ تا ۳۰، ص ص ۲۹۵ تا ۲۹۶ نیز ص ص ۲۲۲ تا ۲۲۳

(۲) اُردوئے معلّیٰ (حصّہ دوم): غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۳۱ تا ۳۲، ص ۳۴ نیز ص ۳۴

(۳) اُردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصہ دوم: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی - مجلس ترقی ادب لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ص ۹۰۵ تا ۹۰۷

(۴) خطوطِ غالب (عرشی): مرتبہ مالک رام ص ص ۱۸۶ تا ۱۸۷، ص ص ۲۰۷ تا ۲۰۸ نیز ص ۴۵۶

(۵) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ۲۴۷، ص ۴۲۴، ص ۴۲۶ نیز ص ۵۴۴ — زیرِ نظر مقالے

؎۳۲ تفصیلات کے لیے لطائفِ غیبی اور سوالاتِ عبدالکریم سے متعلق حصّہ ملاحظہ ہوں۔

؎۳۳ غالب نامہ: شیخ محمد اکرام - احسان بک ڈپو لکھنؤ ص ۱۲۳ (حاشیہ)

؎۳۴ بہ حوالہ ذکرِ غالب ص ۱۲۴ (حاشیہ ۲) نیز ص ۱۲۵

؎۳۵ ایک اُردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ سوم: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی مجلس ترقی ادب لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ص ۱۱۲۷ تا ۱۱۳۴

پس نوشت

انتخابِ غالب کا ایک نیا ایڈیشن بہ عنوان "انتخابِ رقعات و اشعارِ غالب" کالی داس گپتا رضا نے مرتب کر کے بمبئی سے بھی شائع کرایا ہے جس کی تاریخِ اشاعت ۱۵ ارفروری ۱۹۹۲ء ہے۔

نامۂ غالب

نامۂ غالب بہ شکلِ خط غالب کا ایک مختصر اُردو رسالہ ہے لیکن یہ مختصر رسالہ غالب کا طویل ترین اُردو خط بھی ثابت ہوتا ہے۔ نامۂ غالب دراصل قاطعِ برہان کے ادبی معرکے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ساطعِ برہان کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ خود ساطعِ برہان دراصل غالب کی کتاب قاطعِ برہان کا جواب تھی۔ ساطعِ برہان کے مصنف مرزا رحیم بیگ ہی نامۂ غالب کے مکتوب الیہ تھے۔

نواب کلب علی خاں والی رام پور کے نام غالب کے ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ نامۂ غالب ایک جزو کے رسالے کی شکل میں ۱۳؍اگست ۱۸۶۵ء/مطابق ۲۰؍ربیع الاول ۱۲۸۲ھ تک چھپ چکا تھا[1]۔ نامۂ غالب چونکہ مطبوعہ ساطعِ برہان کا جواب ہے لہٰذا ساطعِ برہان بھی ۲۰؍ربیع الاول ۱۲۸۲ھ سے قبل شائع ہو چکی ہوگی۔ ان حقائق کے پیشِ نظر مالک رام، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اور سید لطیف الرحمٰن کا یہ ارشاد بے بنیاد ثابت ہوتا ہے کہ ساطعِ برہان ۱۲۸۳ھ میں چھپی تھی[2]۔ ساطعِ برہان کا ۱۲۸۳ھ میں شائع ہونا اس لیے قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ ساطعِ برہان کی اشاعت سے قبل ہی اس کتاب کا جواب (نامۂ غالب) شائع ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی طباعت سے قبل اُس کا جواب شائع ہونا خارج از امکان ہے۔ نامۂ غالب میں مطبوعہ ساطعِ برہان کے مندرجات کی عبارتیں بہ حوالۂ صفحہ و سطر نمبر اس امر پر مُشعر ہیں کہ نامۂ غالب، ساطعِ برہان کے کسی قلمی نسخے کے بجائے مطبوعہ نسخے کا جواب تھا۔ مطبوعہ ساطعِ برہان رضا لائبریری رام پور میں میری نظر سے گزری ہے جس کے قطعاتِ تاریخِ طبع سے انکشاف ہوتا کہ یہ کتاب ۱۲۸۲ھ ہی میں چھپی تھی[3]۔ ان حقائق کے پیشِ نظر ساطعِ برہان کا سنہ اشاعت ۱۲۸۳ھ قیاس کرنا خلافِ واقعہ ہے۔

رسالہ نامۂ غالب کا پہلا اڈیشن سر دست میری دسترس میں نہیں۔ دوسرے مصادر کی مدد سے پتا چلتا ہے کہ یہ رسالہ جب پہلی بار مطبع محمدی دہلی[4] سے ۱۳؍اگست ۱۸۶۵ء/۲۰؍ربیع الاول ۱۲۸۲ھ سے قبل شائع ہوا تو اس کی ضخامت ایک جزو (۱۶ صفحات) تھی[5]۔ نامۂ غالب طبعِ اول کے بارے میں غالب نے اپنے ایک خط (بہ نام سیاح) میں یہ اطلاع دی ہے:

”نامۂ غالب صاحبِ مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپا جو میں مول لے کر بھیجوں، اور تم سے اُس کی قیمت مانگ لوں۔ میں نے آپ تین سو جلد چھپوائی، دوستوں کو دور و نزدیک بانٹ دی۔ آج یک شنبہ ہے، پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے یہ نسخے اب میرے پاس باقی ہیں، کل تمھیں بھیج دوں گا....“

غالب کا یہ بیان یک شنبہ ۱۷؍ستمبر ۱۸۶۵ء کے خط سے ماخوذ ہے[6]۔ اس سے نامۂ غالب کے بارے میں کئی امور کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً نامۂ غالب مالکِ مطبع نے فروخت کے لیے خود نہ چھاپا تھا بلکہ یہ رسالہ پہلی بار خود غالب نے چھپوایا تھا۔ نامۂ غالب طبعِ اول کے صرف تین سو نسخے چھاپے گئے تھے اور یہ نسخے غالب نے اپنے احباب میں تقسیم کر دیے تھے۔ یک شنبہ ۱۷؍ستمبر ۱۸۶۵ء تک غالب کے پاس اس رسالے کے جو چند نسخے بچ گئے تھے وہ بھی تاریخِ مذکورہ کے بعد غالب نے سیاح کو بھیج دیے ہوں گے۔ اس طرح گویا ستمبر ۱۸۶۵ء کے آخر تک نامۂ غالب کے تقریباً تمام مطبوعہ نسخے ختم ہو چکے ہوں گے۔ غالباً اسی لیے نامۂ غالب کو دوسری بار اکتوبر ۱۸۶۵ء میں اودھ اخبار لکھنؤ میں شائع کرایا گیا تھا۔ اودھ اخبار لکھنؤ میں نامۂ غالب ۱۰؍اکتوبر اور ۱۷؍اکتوبر ۱۸۶۵ء کی دو اشاعتوں میں چھپا تھا[7]۔

اودھ اخبار لکھنؤ کے بعد نامۂ غالب تیسری بار عودِ ہندی کے پہلے اڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا تھا[۸] اور پھر یہ رسالہ ایک خط کی شکل میں عودِ ہندی کی مختلف اشاعتوں کے ساتھ بار بار چھپتا رہا۔ اِس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ رسالہ غالب کے تمام اردو رسائل کے مقابلے میں سب سے زیادہ مرتبہ اور سب سے زیادہ تعداد میں چھپ چکا ہے۔ نامۂ غالب اب خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر، مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی نیز قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ: مرتبہ قاضی عبدالودود جیسے مصادر میں بھی موجود ہے[۹]۔

نامۂ غالب کے مکتوب الیہ مرزا رحیم بیگ کے بارے میں غالب نے اصل رسالے میں کسی مصلحت کے ماتحت مصالحانہ بلکہ "دوستانہ" انداز اختیار کیا ہے جیسا کہ نامۂ غالب کے اِس اقتباس سے واضح ہوتا ہے: "۔۔۔۔ عزمِ مقابلہ نہیں، قصدِ مجادلہ نہیں، سرتاسر دوستانہ حکایت ہے، خاتمے میں ایک شکایت ہے۔ شکوۂ دردمندانہ منافیِ شیوۂ ادب نہیں، محض اظہارِ دردِ دل مراد ہے، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا، اُن کے حسنِ ظن کے مطابق مجھ کو مستوق میرے اُستاد کا نہ لکھا۔۔۔۔"[۱۰]

مرزا رحیم بیگ کے بارے میں اِس رسالے میں غالب کے اِس صلح پسندانہ رویے کو غالب کی مصلحت قرار دینا چاہیے۔ مرزا رحیم بیگ کے بارے میں غالب کا اصلی اور دلی جذبات غالب کے اُن خطوط میں ملتے ہیں جو اُنھوں نے اپنے ہمراز دوستوں کے نام لکھے ہیں۔ اِس سلسلے میں خطوطِ غالب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) "وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے پڑھانے والے مُلّا مکتب دار کا خبط ہے۔ رحیم بیگ اُس کا نام، میرٹھ کا رہنے والا۔ کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے۔۔۔۔" (مکتوبِ غالب بہ نام میاں داد خاں سیّاح)[۱۱]

(۲) "۔۔۔۔ بندہ پرور سنیے کہنے ہو۔ رحیم بیگ کا وطنِ اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اُس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔" (بہ نام سیّاح)[۱۲]

(۳) "نامۂ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتابت [کذا: کتاب] پڑھ نہیں سکتا، سُن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا، لکھوا دیتا ہے بلکہ اُس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوتِ علمی بھی نہیں رکھتا، اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہلِ دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اُس کو تلمذ نہیں۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو اُن کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ واے اُس پیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجبِ عزّ و وقار ہو۔ رسالہ اُس کا ساطعِ برہان دلّی پہنچ کر ڈھونڈوں گا، اگر مل گیا تو خدمت میں بھیجوں گا۔۔۔۔" (بہ نام عبدالرزاق شاکر)[۱۳]

نامۂ غالب میں دراصل غالب نے اپنی فارسی کتاب قاطعِ برہان کا دفاع کیا ہے جو محمد حسین دکنی کے مشہور فارسی لغت برہانِ قاطع کے اغلاط پر گرفت کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔ مرزا رحیم بیگ نے اپنی فارسی کتاب ساطعِ برہان میں غالب کی فارسی کتاب قاطعِ برہان پر اعتراضات وارد

کیے تھے۔ نامۂ غالب میں اِس طرح "مُہرِ برہانِ قاطع"، "قاطع برہان" اور "ساطع برہان" جیسی فارسی کتابیں موضوعِ بحث بنی ہیں لیکن خود نامۂ غالب فارسی کے بجائے اُردو میں ہے۔ غالب کا فارسی کتابوں کے مباحث پر نامۂ غالب جیسا اُردو رسالہ لکھنا اِس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ نامۂ غالب کے زمانۂ اشاعت (۱۸۶۵ء) تک فارسی نثر سے زیادہ اُردو نثر پر انحصار کرنے لگے تھے۔ نامۂ غالب کو سمجھنے کے لیے "مُہرِ برہانِ قاطع"، "قاطع برہان" اور "ساطع برہان" جیسی فارسی کتابوں کا مطالعہ کرنا دورِ حاضر کے قاری کے لیے سخت دشواری کا باعث ہے۔ اِسی لیے عصرِ حاضر کے قاری کو نامۂ غالب کو پڑھ کر سمجھنے میں سخت اُلجھن سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اِس رسالے میں غالب نے فارسی کے خشک علمی اور ادبی مباحث کو اپنے اسلوب سے دلکش بنا دیا ہے۔ یہ رسالہ غالب کے دیگر خطوط کی طرح "تحریرِ سرسری" نہیں ہے جسے "قلم سنبھال کر اور دل لگا کر" نہ لکھا گیا ہو، بلکہ اِس کی تحریر پر مرزا غالب نے اچھی خاصی محنت کی تھی جس کا اعتراف خلیل الرحمٰن داؤدی نے بھی کیا ہے۔[۶] نامۂ غالب کے اسلوب میں دل کشی پیدا کرنے کی غرض سے اِس میں نثرِ مقفّیٰ کا التزام کیا گیا ہے۔ اِس رسالے کے دل نشین اسلوب میں طنز و مزاح کی پیوندکاری سے بھی کام لیا گیا ہے جو اِس خشک علمی بحث کو دلچسپی سے ہم کنار کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سنجیدہ علمی بحث میں مزاح کی پیوندکاری عام طور پر معیوب قرار دی جاتی ہے۔

نامۂ غالب (مطبوعہ ۱۸۶۵ء) خطوطِ غالب میں اِس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اِس کی اشاعت سے قبل غالب کا کوئی اُردو خط شائع نہ ہوا تھا۔ گویا نامۂ غالب کو غالب کے دوسرے تمام خطوط پر اپنے زمانۂ اشاعت کے لحاظ سے اوّلیت اور سبقت حاصل ہے۔ غالب کے اُردو خطوط میں نامۂ غالب اِس حیثیت سے بھی امتیاز رکھتا ہے کہ یہ غالب کا طویل ترین اُردو خط ثابت ہوتا جیسا کہ سطورِ گذشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ غالب کے اُردو رسائل میں نامۂ غالب ہی وہ اُردو رسالہ ہے جو عودِ ہندی میں شائع ہونے کے باعث سب سے زیادہ مرتبہ اور سب سے زیادہ تعداد میں چھپ چکا ہے۔

حواشی

۱۔ مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی۔ ناظم پریس رام پور۔ طبع ۱۹۴۹ء متن ص ۷۱ (مکتوب نمبر ۳۵)

۲۔ دیکھیے (۱) ذکرِ غالب: مالک رام۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ طبع ۱۹۷۶ء ص ۱۷۷ (حاشیہ ۱)
(۲) عودِ ہندی: غالب۔ مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور۔ طبع جولائی ۱۹۶۷ء ص ۳۵۸ (حاشیہ)
(۳) غالب اور اُن کے معترضین: سید لطیف الرحمٰن۔ کلکتہ۔ طبع جنوری ۱۹۸۳ء ص ۱۶۶

۳۔ ساطعِ برہان: [مرزا رحیم بیگ]۔ مطبع ہاشمی میرٹھ ص ۱۷۵ میں رام جس اقبال کے ایک فارسی قطعۂ تاریخ میں مادہ "مرغوبِ دل" سے ساطعِ برہان کا سالِ انطباع ۱۲۸۲ھ نکالا گیا ہے۔

۴۔ بہ حوالۂ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۳۵۷ (حاشیہ)

۵۔ بہ حوالۂ ذکرِ غالب ص ۱۷۷

۶۔ اُردوئے معلّیٰ (حصہ اوّل): غالب۔ اکمل المطابع دہلی۔ طبع اوّل مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۲۶ تا ۳۴

۷۔ بہ حوالۂ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۳۵۷ (حاشیہ)

۸؎ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ - طبع اوّل مطبوعہ رجب ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء ص ص ۱۴۱ تا ۱۵۵

۹؎ دیکھ : (۱) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - لاہور - طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۱۵۵ تا ۵۶۱

(۲) مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۱۸۱ تا ۱۸۳

(۳) قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ (جلد ۱) : مرتبہ قاضی عبدالودود - دہلی طبع ۱۹۶۷ء ص ص ۲۶۵ تا ۲۶۷

۱۰؎ قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۲۶۵

۱۱؎ اردوئے معلّیٰ (حصہ ۱) طبع اوّل ص ۳۱

۱۲؎ ایضاً ص ۲۷

۱۳؎ عودِ ہندی طبع اوّل ص ۱۶۱

۱۴؎ مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی ص ص ۱۴۸ تا ۱۴۹

نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب

اِس مختصر رسالے کی پہلی اِشاعت کے بارے میں بعض امور ذیل میں درج ہیں:

(۱) ناپ ۲۲×۱۸ انچ (۲) ضخامت ۳۶ صفحات (۳) سنہ اِشاعت فروری ۱۸۶۷ء (۴) مطبع، مطبع سراجی دہلی (۵) مالکِ مطبع، محمد سعادت علی خاں (۶) مطبوعہ نسخوں کی تعداد پانچ سو (۷) حسب الحکم میجر فلر ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب۔

پیشِ نظر نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب کی پہلی اڈیشن سے ماخوذ ہیں جو رضا لائبریری رام پور میں ہمارے زیرِ مطالعہ رہا ہے۔ مولانا فاضل لکھنوی نے اِس رسالے کے پہلے اڈیشن کا سالِ طباعت "فروری ۱۸۶۸ء" درج کیا ہے جو کسی سہو کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اِس رسالے کی طبع اوّل کا صحیح سنہ طباعت فروری ۱۸۶۷ء ہے جیسا کہ اِس میں شامل ماسٹر پیارے لال کی تحریر "التماس" کے خاتمے پر درج اِن کے قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے:

ہزار و ہشت صد و شصت و ہفت سالِ مسیح ← کہ ماہِ عید و مہِ فروری بہم بود است
کہ ایں نکات گراں مایۂ درخشندہ ← ز انطباع خود انوارِ مطبع افزود است

اِس قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس رسالے کا سنہ طباعت فروری ۱۸۶۷ء ہے جو ماہِ عید [یعنی شوال ۱۲۸۳ھ] کے مطابق ہے۔ تقویم سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء میں ماہِ عید یعنی ماہِ شوال کی ابتدا ۶ فروری سے ہوئی تھی۔ گویا غالب کا یہ رسالہ ۶ فروری ۱۸۶۷ء کے بعد لیکن ۲۸ فروری ۱۸۶۷ء سے قبل طبع ہوا تھا۔ رسالے کے پہلے اڈیشن کے سرورق کی عبارت اور کتابچے کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رسالے ہیں ایک کا نام "نکاتِ غالب" ہے اور دوسرے کا "رقعاتِ غالب"۔ اِسی لیے دونوں رسائل کے صفحات کا شمار ایک کے بجائے دو الگ الگ سلسلوں میں کیا گیا ہے۔ پہلا رسالہ صفحہ ۲۰ پر تمام ہوتا ہے اور یہ اُردو میں ہے۔ دوسرا رسالہ "رقعاتِ غالب" فارسی میں ہے۔ اِس کے صفحات ۱ تا ۱۶ میں غالب کے پندرہ عدد فارسی رقعات ہیں۔

یادگارِ غالب میں مولانا حالی نے غالب کے رسائل کے ماتحت نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب کا ذکر نہیں فرمایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یادگارِ غالب کی تالیف تک یہ رسالہ کافی کمیاب ہو چکا تھا۔ نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب پر ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنی مشہور و ضخیم کتاب غالب اور مطالعۂ غالب میں محض چند سطروں کے تبصرے پر اکتفا فرمائی ہے۔ یہ تبصرہ نہ صرف سطحی ہے بلکہ اغلاط سے بھی خالی نہیں۔ چند فروگذاشتوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے رسالے کے پہلے اڈیشن کا ذکر کیا ہے اور کتابچے کا نام "نکات و رقعاتِ غالب" قرار دیا ہے۔ کتابچے کی پہلی اِشاعت کا سرورق اِس کا نام "نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب" بتاتا ہے۔ رسالے کی پہلی اِشاعت کے سرورق کی عبارت ڈاکٹر عبادت بریلوی نے یوں نقل کی ہے:

سطر ۱: "حسب الحکم میجر فلر صاحب بہادر ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب
سطر ۲: یہ دو رسالے نامی بہ نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب
سطر ۳: تصنیف جناب اسد اللہ خاں
سطر ۴: محمد سعادت علی خاں کے مطبعِ سراجی میں طبع ہوئے"

چار سطری عبارت کی یہ نقل بھی اغلاط سے خالی نہیں۔ عبارت کی دوسری سطر میں الفاظ "نامی بہ" کی جگہ سرورق پر الفاظ "نامزد بہ" کا اندراج ملتا ہے۔ عبارت کی تیسری سطر اصل کے مقابلے میں محذوف ملتی ہے۔ اصل نسخے میں یہ سطر یوں درج ملتی ہے: "تصنیف جناب نواب اسد اللہ خاں غالب" گویا تیسری سطر میں "نواب" اور "غالب" کے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنے تبصرے کے خاتمے میں یہ بھی لکھا ہے: "پنکات و رقعات غالب کو غالب کے شاگرد ماسٹر پیارے لال آشوب نے مرتب کیا ہے۔" ماسٹر پیارے لال آشوب کو کسی مستند و معتبر حوالے کے بغیر غالب کا شاگرد قرار دینا خلافِ احتیاط روش کی مثال ہے۔ مالک رام نے تلامذۂ غالب میں پیارے لال آشوب کو غالب کے شاگردوں میں شامل نہیں کیا ہے۔ خم خانۂ جاوید میں لالہ سری رام نے ماسٹر پیارے لال آشوب کو اپنا چچا بتایا ہے اور آشوب کے حالات خود آشوب کی زندگی میں لکھے ہیں۔ لالہ سری رام نے آشوب کو صہبائی کے فرزند سوز کا شاگرد قرار دیا ہے اور کہیں بھی آشوب کو غالب کا شاگرد نہیں بتایا ہے۔ آشوب کو غالب کا شاگرد قرار دینے کی روایت ادبی خطوطِ غالب میں بے حوالہ ملتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ روایت مزید تحقیق کے بغیر قابلِ قبول نہیں۔

پنکاتِ غالب و رقعاتِ غالب کے پہلے اڈیشن (فروری ۱۸۶۷ء) کے بعد جو بعض اور اشاعتیں منظرِ عام پر آئی ہیں ان میں درجِ ذیل اڈیشن شامل ہیں:

(الف) پنکات و رقعات: مرتبہ اکبر علی خاں [عرشی زادہ] - کوہ نور پریس دہلی - طبع اکتوبر ۱۹۶۲ء

(ب) پنکات و رقعاتِ غالب: مشمولۂ مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی - مجلسِ ترقیِ ادب لاہور - طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ص ۱ تا ۵۷

میرے ذخیرۂ کتب میں مذکورہ دونوں اشاعتیں موجود ہیں۔

پنکاتِ غالب و رقعاتِ غالب میں ماسٹر پیارے لال اور خود غالب کے بیانات ان رسائل کو درسی یا نصابی نوعیت کی شے بتاتے ہیں۔ کتابچے کے متعلق خود غالب نے لکھا ہے: "فقیر حقیر کو اس تحریر سے ان صاحبانِ انگریزی کی خدمت گزاری مراد ہے جو ولایت سے تشریف لائیں اور فارسی بعد اردو اچھی طرح نہ جانتے ہوں۔" ان امور سے واضح ہوتا ہے کہ یہ رسالے محکمۂ تعلیم پنجاب کی ان نصابی کتابوں میں شامل تھا جو انگریزی سرکار تعلیمی اداروں میں درس و تدریس کے لیے شائع کراتی تھی۔ درسی کتابوں کی تالیف و اشاعت کے ایسے سلسلوں کا انکشاف ہو چکا ہے جو انیسویں صدی عیسوی میں جاری ہوئے تھے۔ ان میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دلی کالج دہلی اور محکمۂ تعلیم پنجاب کے اشاعتی سلسلے خاصے اہم ہیں۔

اب ایسے متعدد شواہد مل گئے ہیں جو نصابی کتابوں سے غالب کے تعلق کے ثبوت فراہم کرتے ہیں یا جن سے سرکاری حلقوں میں غالب کی نثر و نظم کی مقبولیت کا پتا چلتا ہے۔ یہاں ان شہادتوں کا جائزہ لینا بے محل نہ ہوگا۔ منشی شیو نرائن آرام کے نام غالب کے بعض

خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک انگریز افسر ہنری اسٹورٹ ریڈ نے غالب سے اُردو نثر میں ایک قصہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اِس سلسلے میں خطوطِ غالب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) "جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ اُن کی فرمائش یہ اُردو نثر کی، وہ انجام پائے تو اُس کے ساتھ اُن کو خط لکھوں۔۔۔۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں، کون سی بات، کون سی کہانی، کون سا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں۔ تمہاری رائے میں کچھ آئے، تو مجھ کو بتاؤ۔"[۱۱]

[مکتوبِ غالب بہ نام آرام مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء]

(۲) "ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اُردو کی نثر اُن کے واسطے لکھ لوں گا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کروں گا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اُردو کروں۔ تم نے اِس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔"[۱۲]

[مکتوبِ غالب بہ نام آرام مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۸۵۸ء]

(۳) "جناب ریڈ صاحب مجھ سے جو صاحبی کرتے ہیں، میں اُردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اِس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے۔۔۔۔"[۱۳]

[مکتوبِ غالب بہ نام آرام مورخہ ۱۸ر دسمبر ۱۸۵۸ء]

(۴) "میاں اُردو کیا لکھوں؟ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اُردو کی فرمائش ہو؟ خیر ہوگا۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں، کتاب نام کو میرے پاس نہیں۔ پنشن مل جائے، حواس ٹھکانے ہو جائیں، تو کچھ فکر کروں۔۔۔۔"[۱۴]

[مکتوبِ غالب بہ نام آرام مورخہ ۴ر جنوری ۱۸۵۹ء]

(۵) "اجی حضرت! یہ منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ہیں؟ رقعے جمع کیے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطے میں اُن کی بڑی خواہش ہے۔۔۔۔"[۱۵]

[مکتوبِ غالب بہ نام خواجہ غلام غوث بے خبر]

(۶) "جناب کیمپسن صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا باوجود عدم تعارف، خط مجھ کو آیا۔ کچھ اُردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا، اِس کا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اُردو طلب کی تھی، مجموعۂ نظم بھیج دیا۔ نثر کے باب میں تمہارا نام نہیں لکھا مگر یہ لکھا کہ مطبع الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع و حصول اطلاع وہاں سے منگا کر بھیج دوں گا۔"[۱۶] [مکتوبِ غالب بہ نام بے خبر مورخہ ۲۳ر جولائی ۱۸۶۶ء]

اِن بیانات سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ غالب کی تحریریں سرکاری حلقوں میں مقبول و مطلوب تھیں۔ انتخابِ غالب اور نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب جیسے رسائل بھی سرکاری حلقوں کی تحریک کے نتیجے میں نصابی ضرورتوں کے ماتحت طلبہ کی تدریس کے لیے لکھے گئے تھے۔ نصابی کتابوں کے سلسلے میں غالب کی خدمات کا ذکر ایک سرکاری رپورٹ میں بھی ملتا ہے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ کے مطابق یہ رپورٹ لفٹننٹ گورنر ممالک پنجاب کے دہلی دربار منعقدہ ۱۷ر دسمبر ۱۸۶۶ء سے متعلق ہے۔[۱۷] رپورٹ

سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس دربار میں غالب نے شرکت کی تھی اور انعام پایا تھا۔ رپورٹ میں اِس دربار کے شرکا کی فہرست بھی شامل ہے جس میں مرزا غالب (عُرفیت مرزا نوشہ) کے بارے میں یہ اندراج ملتا ہے:

"مرزا نوشہ ۔ شاعر۔ مرزا موصوف کو بہ سبب اُن کی مشہور و معروف لیاقت علمی کے اور بہ جلدوی امداد کے جو سرکار کو اُس نے افسران سر رشتہ فوج کے امتحان کے واسطے نئی کتابیں تیار کرنے میں دی، خلعت نو پارچے کا عطا ہوا۔" [19]

نکاتِ غالب و رُقعاتِ غالب سے درسی کتب کی تیاری میں غالب کا حصّہ لینا ثابت ہوتا ہے۔ یہ امر ابھی مزید تحقیق کا طالب ہے کہ غالب نے کن درسی کتابوں کی تیاری میں مدد دی تھی اور اُن کے موضوعات کیا تھے؟

کتابچہ نکاتِ غالب و رُقعاتِ غالب کا پہلا رسالہ نکاتِ غالب دراصل خود غالب کی مطبوعہ فارسی کتاب پنج آہنگ کے دوسرے آہنگ کا اُردو ترجمہ ہے جسے غلطی سے غالب نے آہنگ چہارم کا ترجمہ بتایا ہے اور اِس میں غالب نے فارسی قواعدِ صرف بیان کیے ہیں۔ دوسرے رسالے رُقعاتِ غالب میں غالب کے ۱۵ عدد فارسی رقعات ہیں اور یہ رُقعات بھی پنج آہنگ کے آہنگ پنجم سے ماخوذ ہیں۔

اکبر علی خاں عرشی زادہ نکاتِ غالب کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نکاتِ غالب خود غالب کا ترجمہ ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے میں غالب کس حد تک آزادی کے قائل تھے۔" [20]

نکاتِ غالب میں غالب کا بیان ہے: "اکہتر برس کا ناتوان آدمی، دُنیا میں عزت اور عقبیٰ میں نجات کا طالب، ترک سلجوقی اسد اللہ خاں غالب کہتا ہے کہ۔۔۔۔ اِس زمانے سے تیس برس پہلے میں نے اپنی نثریں جمع کیں اور اس کا پنج آہنگ نام رکھا۔۔۔۔ چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا ہے اور اب اکتیس برس بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ، جس میں فارسی صرف کا بیان ہے، اُس کا اُردو میں ترجمہ کیا جائے۔۔۔۔" [21]

غالب کے اِس بیان سے نہ صرف زیرِ تبصرہ رسالے کا موضوع واضح ہوتا ہے بلکہ اِس سے نکاتِ غالب کے زمانۂ تحریر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ لکھتے وقت غالب کا سن اکہتّر برس تھا۔ غالب (متولد ۱۲۱۲ھ) دراصل ۱۲۸۳ھ میں ۷۱ برس کے ہوئے تھے گویا رسالے کا زمانۂ تحریر بھی ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء ہے۔ اِن امور کے علاوہ غالب کا یہ بیان یہ بھی بتاتا ہے کہ اُنھوں نے پنج آہنگ چالیس سال کی عمر میں مکمل کی تھی۔ ہجری تقویم کی رُو سے غالب ۱۲۵۲ھ میں چالیس سال کے ہوئے تھے۔ گویا ۱۲۵۲ھ (مطابق ۳۷-۱۸۳۶ء) میں پنج آہنگ کی نثریں جمع ہوئی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ پنج آہنگ کے مُرتب ہونے کے بعد بھی اِس میں کلیاتِ نثرِ فارسی کی طبعِ اوّل (یعنی جنوری ۱۸۶۸ء مطابق رمضان ۱۲۸۴ھ) تک اضافے ہوتے رہے تھے۔ [22]

نکات میں غالب لکھتے ہیں: "اُردو آگے مرکب تھا عربی اور فارسی اور ہندی اور ترکی اِن چار زبانوں سے۔ اب پانچویں زبان، یعنی انگریزی بھی اِس میں شامل ہو گئی۔ دیکھو گنجائش اُردو کی کہ یہ پانچوں زبانوں کی کس لُطف سے حاوی ہوئی ہے اور یہ زبانیں اِس میں کس طرح سما گئی ہیں کہ کوئی زبان اوپری نہیں معلوم ہوتی۔" [23]

نکات میں غالب نے لکھا ہے: "ماضی کے صیغے کے آخر جب ہوز کی 'ہے' بڑھائی جائے تو مفعول کا صیغہ پیدا ہوتا ہے۔"[۲۵] اس بیان پر اکبر علی خاں عرشی زادہ کی رائے یہ ہے: "یہ ارشاد درست نہیں - فعل لازم کی ماضی کے آخر ہائے ہوز بڑھائی جائے تو مفعول کا صیغہ نہیں صفت مشبہ حاصل ہوگا۔ جیسے 'ایام رفتہ'۔"[۲۶]

نکات میں غالب نے جو رباعی: ع گر عیب سر زلف بت از کاستن است ---- الخ فردوسی سے منسوب کی ہے[۲۷] وہ صاحب چہار مقالہ (نظامی عروضی سمرقندی) کے بیان کے مطابق فردوسی کے بجائے عنصری کی ہے۔[۲۸]

رسالے میں ایک جگہ غالب نے تیشے کو درخت کاٹنے کا آلہ بتایا ہے۔[۲۹] اکبر علی خاں کی رائے ہے کہ "درخت تیشے سے نہیں تبر سے کاٹا جاتا ہے۔"[۳۰]

حواشی

۱؎ اردوئے معلیٰ (صدی اڈیشن) حصہ اول جلد اول: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور - طبع ۱۹۶۹ء ص ۹

۲؎ نکات و رقعات: غالب - مرتبہ اکبر علی خاں [عرشی زادہ] - کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی - طبع ۱۹۶۲ء ص ۱۷

۳؎ غالب اور مطالعۂ غالب: ڈاکٹر عبادت بریلوی - خواجہ پینٹھو پریس دہلی - طبع جون ۱۹۷۰ء ص ص ۱۹۳ تا ۱۹۴

۴؎ ایضاً ص ۱۹۳

۵؎ ایضاً ص ۱۹۴

۶؎ تذکرۂ خمخانۂ جاوید (جلد اول): لالہ سری رام - مطبع نول کشور لاہور - طبع ۱۹۰۸ء ص ص ۸۰ تا ۸۴

۷؎ ادبی خطوط غالب: مرتبہ مرزا محمد عسکری - ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ - طبع ۱۹۷۰ء ص ۲۰۶

۸؎ نکات و رقعات: مرتبہ اکبر علی خاں ص ۱۷ نیز ص ۲۰

۹؎ ایضاً ص ۲۰

۱۰؎ رجوع کیجیے: (۱) گل کرسٹ اور اس کا عہد: محمد عتیق صدیقی - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۰ء

(۲) قدیم دلی کالج: مالک رام - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی - طبع ۱۹۷۵ء ص ص ۶۰ تا ۶۱ نیز ص ص ۷۴ تا ۷۸

(۳) اردوئے معلیٰ (صدی اڈیشن) حصہ ۱ جلد ۱ ص ص ۷ تا ۱۱

(۴) نکات و رقعات ص ص ۴ تا ۵

(۵) عود ہندی: غالب - مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ۵۶/۵۷

۱۱؎ اردوئے معلیٰ (صدی اڈیشن) حصہ ۱ جلد ۲: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور - طبع ۱۹۶۹ء ص ۶۸۴

۱۲؎ ایضاً ص ۶۸۵

۱۳؎ ایضاً ص ص ۶۸۶ تا ۶۸۷

۱۴؎ ایضاً ص ۶۸۹

۱۵؎ عود ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۳۴۲

۱۶؎ ایضاً ص ص ۴۳۱ تا ۴۳۲

۱۷ نکات و رقعات : مرتبہ عرشی زادہ ص ۵

۱۸ ایضاً ص ۷ تا ۸

۱۹ ایضاً ص ۱۹

۲۰ ایضاً ص ۳

۲۱ نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب مشمولہ مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی - مجلسِ ترقیِ ادب لاہور - طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ص ۷ تا ۸

۲۲ بہ حوالۂ ذکرِ غالب : مالک رام - مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ دہلی - طبع ۱۹۷۵ء ص ص ۱۵۱ تا ۱۵۲

۲۳ غالب نے یہاں "اردو" کو بطور مذکر لکھا ہے - یہی صورت ان کے اس فقرے میں بھی ملتی ہے :
"...... بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا۔"
اردوئے معلیٰ حصہ ۲ طبع اول ص ۳۶۶ کے اس فقرے میں بھی غالب نے اردو کو مذکر مانا ہے۔ فصحا کی زبان پر لفظ "اردو" بہ طور مؤنث ملتا ہے۔

۲۴ مجموعۂ نثرِ غالب اردو ص ۸

۲۵ ایضاً ص ۱۰

۲۶ نکات و رقعات ص ۵۴ (صفحہ ۵ کا حاشیہ ۱)

۲۷ مجموعۂ نثرِ غالب اردو ص ۱۸

۲۸ بہ حوالہ اکبر علی خاں عرشی زادہ (نکات و رقعات ص ۵۴ - صفحہ ۱۲ کا حاشیہ ۱)

۲۹ مجموعۂ نثرِ غالب اردو ص ۲۴

۳۰ نکات و رقعات ص ۵۵ (صفحہ ۱۷ کا حاشیہ ۵)

تیغ تیز پر ایک نظر

غالب کے اردو رسالے تیغ تیز کا پہلا ایڈیشن مطبع اکمل المطابع [دہلی] سے شائع ہوا تھا۔ غالب کے ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ تیغ تیز ۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء تک لکھی جا رہی تھی۔ مہیش پرشاد کا یہ ارشاد درست نہیں کہ تیغ تیز ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ مہیش پرشاد کا قول ماننے کے یہ معنی ہوں گے کہ تیغ تیز تحریر ہونے سے قبل ہی شائع ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب ۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء تک زیر تسوید رہی تھی اس کا ۱۸۶۶ء میں چھپ جانا خارج از امکان ہے۔ تیغ تیز میں غالب کی جو فارسی تاریخ چھپی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا سال تحریر و سال طباعت ۱۸۶۷ء ہے۔ تیغ تیز طبع اول کی ضخامت مہیش پرشاد و خلیل الرحمٰن داؤدی نے ۳۴ صفحات اور ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے ۳۶ صفحات بتائی ہے جو درست نہیں۔ تیغ تیز طبع اول کی ضخامت [غلط نامے کا ایک صفحہ شامل کرنے کے بعد] ۳۳ صفحات تھی۔ غالب کا یہ مختصر اردو رسالہ اپنی پہلی اشاعت ۱۸۶۷ء کے سو برس بعد ۱۹۶۷ء میں ہندستان اور پاکستان میں دوبارہ شائع ہوا ہے۔ تیغ تیز کی ۱۹۶۷ء کی ان جدید ہندستانی اور پاکستانی اشاعتوں کی موجودگی میں ذکر غالب [طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۷۸] میں مالک رام کا یہ قول ناقابل قبول ہے کہ "یہ رسالہ اول بار مطبع اکمل المطابع سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا تھا؛ اس کے بعد دوبارہ نہیں چھپا۔"

غالب کی فارسی کتاب قاطع برہان کے نتیجے میں جو ادبی معرکہ چھڑا تھا وہ مخالفین و موافقین قاطع برہان کی جانب سے متعدد کتابیں وجود میں لایا۔ تیغ تیز اسی سلسلے کا ایک اردو رسالہ ہے جو غالب نے قاطع برہان کے دفاع اور مؤید برہان مؤلفہ آغا احمد علی احمد کے جواب میں لکھا تھا۔

تیغ تیز کے زمانۂ تحریر کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔ غالب ببلیوگرافی [حصہ اول ص ۳۸] میں تیغ تیز کا زمانۂ تحریر ۶۲-۱۸۶۱ء قرار دیا گیا ہے۔ یہ اندراج نظر ثانی کا محتاج ہے۔ تیغ تیز میں جا بجا مؤید برہان کے صفحات کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیغ تیز مولوی احمد علی کی کتاب مؤید برہان کی طباعت ۱۲۸۲ھ [۶۶-۱۸۶۵ء] کے بعد ہی لکھی گئی ہوگی۔ ان حالات میں تیغ تیز کا ۶۲-۱۸۶۱ء میں تحریر ہونا خارج از امکان ہے۔

دیباچۂ تیغ تیز میں غالب کے مختلف بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیغ تیز مندرجۂ ذیل کتابوں کی طباعت کے بعد لکھی گئی تھی:

(۱) محرق قاطع برہان (۲) لطائف غیبی (۳) ساطع برہان (۴) نامۂ غالب (۵) درفش کاویانی (۶) مؤید برہان (۷) قاطع القاطع

میری اطلاع کے مطابق یہ تمام کتابیں ۱۲۸۰ھ سے ۱۲۸۳ھ [۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۶ء] تک چھپیں [تفصیل کے لیے دیکھیے ذکر غالب ص ص ۱۷۶ تا ۱۷۸]۔ گویا تیغ تیز ۱۸۶۶ء کے بعد ہی تحریر ہوئی ہوگی۔ تلاش کرنے پر ذکا کے نام غالب کے دو ایسے خطوط بھی ملتے ہیں جو تیغ تیز کے زمانۂ تحریر و سنہ اشاعت کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ غالب کے ان دونوں خطوں کے متعلقہ حصے درج ذیل ہیں:

(الف) "---- مؤید برہان میرے پاس بھی آ گئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بہ قید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں۔"

وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ بشرط مودت، بہ شرط آں کہ جانی
نہ رہی ہو اور باقی ہو، یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں، تم اس کا
جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے اوراق جہاں جہاں مناسب جانو،
درج کردو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود
اور امراض مستولی۔ بہتر برس کی عمر ۔۔۔ "۳۲

(ب) "۔۔۔ بندہ نواز! میں نے لکھا کہ مؤید برہان میرے پاس
آگئی ہے اور میں اُس کے اعتراضات کے جواب بہ نشانِ صفحہ و سطر
ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے
پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم ازراہِ عنایت مؤید کا
جواب لکھو۔ میری نگارش جو بسند آئے اُس کو بھی جا بہ جا
درج کردو۔ تم نے اِس درخواست کا جواب ہاں، نا کچھ
نہ لکھا۔ اب عنایت فرماکر۔۔۔ جواب لکھیے۔۔۔ "۳۳

ذکا کے نام غالب کے محولۂ بالا خطوں پر بالترتیب ۱۴ر مارچ ۱۸۶۷ء نیز ۱۸ر مارچ
۱۸۶۷ء کی تاریخیں مرقوم ہیں اور ان خطوں سے تیغ تیز کے متعلق مندرجہ ذیل امور کا انکشاف ہوتا ہے:

(۱) تیغ تیز ۱۴ر مارچ سے ۱۸ر مارچ ۱۸۶۷ء تک لکھی جا رہی تھی۔ گویا تیغ تیز کی
تکمیل ۱۸ر مارچ ۱۸۶۷ء [مطابق ۱۱ر ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ] کے بعد ہوئی ہوگی۔

(۲) غالب کا بیان ہے کہ تیغ تیز لکھتے وقت ان کا سن ۷۲ سال تھا۔ اپنی تاریخ ولادت
۸ر رجب ۱۲۱۲ھ کی بنیاد پر غالب ۸ر رجب ۱۲۸۳ھ کے بعد بہترویں سال میں
لگے تھے اور وسط مارچ ۱۸۶۷ء [مطابق ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ] میں جب تیغ تیز
زیر تسوید تھی تو غالب کی عمر ۷۲ سال تھی۔

(۳) تیغ تیز کے متعلق غالب نے اپنے خط میں کہا ہے کہ یہ کتاب اُنھوں نے ضعیفی،
بیماری اور کمزوری کی حالت میں ایسے وقت لکھی تھی جب اُنھیں اپنی موت بہت
قریب محسوس ہو رہی تھی۔ تیغ تیز طبع اول (ص ۲۸) کی مندرجہ ذیل عبارت
سے بھی غالب کی اس حالت کی تصدیق ہو رہی ہے:

"۔۔۔ اگرچہ ابھی پیر سنتیں بات باقی ہیں، لیکن بڑھاپا
اور امراض اور ضعف مہلت نہیں لکھنے دیتا، صبح سے
شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں، لیٹے لیٹے مسودہ کیا،
اور احباب کو دے دیا، اُنھوں نے صاف کر لیا۔۔۔"

(۴) تیغ تیز کا سنہ اشاعت ۱۸۶۷ء ہے مگر محولہ بالا خطوں سے اس معلومات پر یہ

انکشاف ہوتا ہے کہ تیغ تیز ۱۸ر مارچ ۱۸۶۷ء کے بعد چھپی ہوگی۔
تیغ تیز اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ قاطع برہان کے ادبی معرکے کے سلسلے میں غالب

کی تحریر کردہ تمام رسائل میں یہ آخری رسالہ ہے اور اس کے جواب میں مولوی احمد علی نے جو فارسی کتاب شمشیر تیز تر لکھی تھی وہ غالب نہ دیکھ سکے تھے کیونکہ یہ غالب کی وفات ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ کے بعد ۱۲۸۶ھ میں چھپی تھی [ذکر غالب ص ۱۸۱]۔

تیغ تیز کا آغاز غالب کی ایک تمہیدی تحریر سے ہوتا ہے جس پر کوئی عنوان درج نہیں لیکن کتاب کے آخری حصے میں غالب کے مندرجہ ذیل بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہیدی تحریر دراصل تیغ تیز کا دیباچہ ہے:

"... اب میری تحریر تو تمام ہوئی، احباب معاف کریں تو مطبع میں حوالے کروں اور انطباع، جیسا کہ دیباچے میں وعدہ کر آیا ہوں، عمل میں لاؤں۔"[۱۲]

ان امور سے واضح ہوتا ہے کہ تیغ تیز غالب کے اردو دیباچوں کی محدود تعداد میں ایک دیباچے کا اضافہ کرتی ہے۔ دیباچۂ تیغ تیز کو شامل کر کے غالب کے اردو دیباچوں کی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔

تیغ تیز کے آخر میں "اللہ اکبر" کے عنوان سے اردو میں جو استفتا چھپا ہے اس کے جوابات نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے دیے ہیں اور ان جوابات کی تائید کرنے والوں میں مولانا الطاف حسین حالی بھی شامل ہیں۔[۱۳] اگر اس استفتا کو استفساری خط قرار دیا جائے تو حالی کے نام غالب کا بھی ایک اردو خط ملے گا۔ مولانا حالی کے نام اردو نثر میں غالب کا اس کے علاوہ کوئی اور مطبوعہ خط سردست دستیاب نہیں ہوا ہے۔ گویا تیغ تیز غالب کے اردو خطوط کی تعداد میں ایک ایسے استفساری خط کا اضافہ کرتی ہے جس کے چار مکتوب الیہم میں شیفتہ و حالی کے نام بھی شامل ہیں۔

تیغ تیز کی ستر ہویں فصل[۱۴] میں محمد حسین برہان کے فارسی لغت برہان قاطع پر غالب نے اردو میں بعض ایسے اور اعتراضات درج کیے ہیں جو غالب کی فارسی کتاب قاطع برہان طبع اول پر اضافہ ہیں البتہ یہ قاطع برہان کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہو چکے ہیں۔ قاطع برہان کی دونوں اشاعتوں کی زبان فارسی تھی، اردو داں حلقوں تک غالب کے یہ اضافہ شدہ اعتراضات تیغ تیز ہی کی مدد سے رسائی حاصل کرتے ہیں۔

تیغ تیز کی پہلی فصل کا آغاز بطرز مثنوی غالب کی ایک فارسی تاریخ سے ہوتا ہے۔ یہ مثنوی غالب کے ایسے غیر متداول فارسی کلام کی حیثیت رکھتی ہے جو کلیات غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع جنوری ۱۸۷۲ء، طبع فروری ۱۹۶۸ء نیز باغ دودر طبع ۱۹۷۰ء وغیرہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔[۱۵] اس طرح تیغ تیز غالب کے فارسی کلام پر کام کرنے والے صاحبان قلم کے لیے بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔ تیغ تیز سے غالب کی یہ تاریخ[۱۶] درج ذیل ہے:

(۱) برآنم بہ نیروی این تیغ تیز ← کہ مغز عدو را کنم ریز ریز
(۲) عدو آن کہ برہان قاطع نوشت ← بہ گفتار شنعت و بہ ہنجار زشت
(۳) اگر گفتہ آید کہ او مرد و رفت ← ز مغزش چہ خواہی ہمی ای شگفت

(۴) زمنزش خیرہ چشم اّما چہ سود ← کہ در زندگی نیز مغزش نبود

(۵) امید آں کہ گفتار آں بے ہنر ← کنم ہم بہ گفتار زیر و زبر

(۶) امید آں کہ چوں کارسازی کنم ← بدین نامہ دشمن گدازی کنم

(۷) زہی نامہ کز فر اقبال او ← "یکی تیغ تیز" آمدہ سال او

اِس تاریخ کی آخری بیت کے مصرعۂ ثانی میں مادہ "یکی تیغ تیز" سے ۱۸۶۷ء مستخرج ہوتا ہے جو تیغ تیز کا سالِ تکمیل و انطباع ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اِس مادے سے ۱۸۶۸ء برآمد کیا ہے جو درست نہیں [کلیات غالب (فارسی) جلد اوّل: مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۵۱۲]۔ از روئے شمار جمل "یکی تیغ تیز" سے ۱۸۶۷ء ہی نکلتا ہے [ی ۱۰ ک ۲۰ ی ۱۰ ت ۴۰۰ ی ۱۰ غ ۱۰۰۰ ت ۴۰۰ ی ۱۰ ز ۷ = ۱۸۶۷ء]۔

تیغ تیز کے سنہ اشاعت ۱۸۶۷ء کی تائید دیباچۂ تیغ تیز [طبع اوّل ص ۳] میں غالب کے اُس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں غالب نے کہا ہے کہ وہ قاطع القاطع کے مؤلف امین الدین پر ازالہ حیثیت کا دعوا دائر کر سکتے تھے مگر فی الحال غالب نے یہ دعوا دائر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بعد میں غالب نے امین الدین پر ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء کو دعوا دائر کیا تھا[۱]۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تیغ تیز دعوا دائر ہونے یعنی ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء سے قبل چھپ چکی ہوگی۔ ان شواہد کی بنیاد پر میرے نزدیک تیغ تیز کا پہلا ایڈیشن ۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء کے بعد مگر ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء سے قبل چھپا ہوگا۔

تیغ تیز کا آغاز غالب کے دیباچے سے ہوتا ہے۔ دیباچے کے بعد ۱۷ فصلیں ہیں جن میں سے ابتدائی سولہ فصلوں میں غالب نے مولوی احمد علی اور اُن کی تالیف مؤید برہان پر مختلف اعتراضات کیے ہیں یا قاطع برہان پر مولوی احمد علی کے بعض اعتراضات کے جواب دیے ہیں۔ سترہویں فصل میں برہان قاطع پر غالب اکرنے بعض نئے اعتراضات کیے ہیں۔ اِن ۱۷ فصلوں کے بعد "اللہ اکبر" کے عنوان سے ایک استفتا ہے جس میں غالب نے سولہ ادبی سوالات کیے ہیں۔ اِن سوالوں کے جواب نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ [شاگرد غالب] نے دیے ہیں اور مولانا حالی، سعادت علی و ضیاء الدین [احمد خاں نیر رخشاں] نے شیفتہ کے جوابات کی تائید و تصدیق کی ہے۔

غالب شناسوں نے تیغ تیز کا جائزہ لے کر غالب کی متعدد فروگذاشتوں کی نشان دہی کی ہے جن میں سے بعض بہ شکریۂ جناب قاضی عبدالودود درج ذیل ہیں:

(۱) دیباچۂ تیغ تیز میں غالب نے بہ لحاظِ اشاعت مؤید برہان کو قاطع القاطع سے مؤخر قرار دیا ہے حالاں کہ بہ لحاظِ طباعت قاطع القاطع طبع ۱۲۸۳ھ مؤید برہان طبع ۱۲۸۲ھ سے مؤخر تھی۔

(۲) تیغ تیز میں غالب نے آغا احمد علی کی کتاب مؤید برہان کے محض چند اعتراضات کے غیر تسلی بخش جواب دیے ہیں۔ آغا احمد علی کے متعدد اعتراضات کے متعلق تیغ تیز خاموش ہے۔

(۳) غالب نے تیغ تیز میں بعض ایسے غیر متعلق امور پر بھی بحث کی ہے جو غالب اور

خاص ہے مؤیّد برہان آغا احمد علی میں مابہ النزاع نہ تھے۔

(۴) غالب نے تیغ تیز میں مؤیّد برہان کے ایک فقرے کو تحریف شدہ شکل میں درج کرکے اُس پر جو اعتراض کیے ہیں وہ مؤیّد برہان میں زیرِ بحث فقرے کی اصل بے سقم شکل دیکھنے پر درست نہیں رہتے۔ مؤیّد برہان میں یہ فقرہ یُوں تھا: "نم تباہی گفتار پارسی خورد" غالب نے اپنے تیغ تیز کی فصل نمبر ۶ میں یُوں لکھا ہے: "نم گفتار پارسی زبان خورد" [نقدِ غالب ص ۴۳]

(۵) غالب نے تیغ تیز کی نویں فصل میں لفظ "آہنگ" کے متعلق مولوی احمد علی پر جو الزام عائد کیے ہیں وہ مؤیّد برہان کے مطالعے کے بعد درست نہیں ثابت ہوتے [نقدِ غالب ص ۵۳۸]۔

(۶) غالب نے تیغ تیز کی فصل نمبر ۶ میں لکھا ہے کہ اعتراض کا سرقہ نہیں ہو سکتا۔ غالب کا یہ قول ناقابلِ قبول ہے۔ غالب نے قاطع برہان طبع اوّل میں نہ صرف صاحب فرہنگ سامانی اور خان آرزو کے اعتراضات کو دہرایا ہے بلکہ بعض ایسے اعتراضات کو بھی شامل کتاب کیا ہے جو برہانِ قاطع کے حواشی میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ جناب قاضی عبدالودود نے غالب کے اِس طرزِ عمل کو سرقہ قرار دیا ہے [آثارِ غالب ص ۱۴۰ تا ۱۴۱]۔

(۷) تیغ تیز کے آخر میں استفتا شامل ہے جس میں غالب نے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مولانا حالی و ضیاء الدّین احمد خاں نیر رخشاں وغیرہ سے اپنے نظریات کی تائید کرائی ہے اور یہ تینوں افراد غالب کے شاگرد تھے۔ ظاہر ہے کہ قاطع برہان کے جو معترضین خود غالب کی فارسی دانی کے قائل نہ تھے وہ غالب کے شاگردوں کو کیا خاطر میں لاتے۔ حیرت ہے کہ اتنی واضح اصولی بات غالب کی سمجھ میں نہ آئی۔

(۸) تیغ تیز کے استفتا میں غالب کی تائید کرنے والے افراد ہندستانی تھے اور غالب ہندستانی فارسی دانوں کو بڑے زور و شور سے نامعتبر قرار دیتے رہتے تھے۔ غالب کا ہندستانی فارسی دانوں سے اپنی تائید کرانا خود غالب کے نظریے کے منافی ہے۔

(۹) تیغ تیز کی پانچویں فصل میں غالب نے "چشم عیب ساز" کی ترکیب کو غلط قرار دیا ہے۔ غالب کا یہ اعتراض دیباچۂ برہانِ قاطع کی ترکیب "دیدۂ عیب ساز" پر تھا۔ مگر قاضی عبدالودود نے "دیدۂ عیب ساز" کی سند میں نظامی کا جو شعر پیش کیا ہے اُس سے یہ ترکیب درست ثابت ہوتی ہے [نقدِ غالب ص ۲۰۲]۔

(۱۰) غالب نے تیغ تیز کی فصل نمبر ۱۷ میں لکھا ہے: "یقین ہے کہ عرفی و شفائی کے زمانے میں اُسی قدر تقدیم و تاخیر ہو جتنی برہان و غالب کے عہد میں تھی۔" قاضی عبدالودود نے غالب کے اِس قول کو دلائل و شواہد سے غلط ثابت کیا ہے [نقدِ غالب ص ۳۸۶]۔

(۱۱) غالب نے تیغ تیز کی دسویں فصل میں مولوی غیاث الدّین رام پوری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک گم نام مُلّائے مکتب دار تھے اور رئیس رام پور و اکابرِ شہر اُن سے ناآشنا تھے۔ تذکرۂ انتخاب یادگار میں امیر مینائی نے مولوی غیاث الدّین عزّت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے[19] اُس سے غالب کا یہ بیان غلط ثابت ہوتا ہے [نقدِ غالب ص ۴۴۵]۔

(۱۲) تیغ تیز کی آٹھویں فصل میں غالب نے مولوی احمد علی کے نقل کردہ اِس مصرعے کو

ناموزوں قرار دیا ہے: ع

چشم خاقاں بیاژن بہ تیر

مولوی احمد علی نے شمشیرِ تیز تر میں اس مصرعے کا وزن " مفتعلن مفاعلن فاعلان " بتایا ہے اور اس مصرعے کے ماخذ نوادر المصادر نیز مصرعے کی بحر کی بھی نشان دہی کی ہے [بہ حوالہ غالب اور اُن کے معترضین ص ص ۲۴۸ تا ۲۴۹]۔ تیغِ تیز میں فرقی کے اس مصرعے کو ناموزوں قرار دینا غالب کے علم عروض کی دستگاہ کے خلاف ایک مضبوط شہادت ہے۔

تیغِ تیز میں غالب کی متعدد اور بھی فروگذاشتیں موجود ہیں مگر یہ

یہاں: ... اُن کی تفصیل کی گنجایش نہیں ہے۔ آغا احمد علی کی تالیف مؤیدِ برہان کے متعلق بلوک مان نے یہ رائے قائم کی ہے:

" احمد علی میں ناقدانہ چھان بین کا جو مادہ اور علمی صداقت شعاری ہے وہ ہند: میں بطورِ شاذ ملتی ہے ..... غالب نے مؤیدِ برہان کا جواب دے کر غلطی کی ہے - انھوں نے اس میں غیر متعلق امور سے بحث کی ہے۔" [قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ ص ۲۶۱]۔

مؤیدِ برہان از آغا احمد علی کے متعلق قاضی عبدالودود نے لکھا ہے:

" ---- مؤید [برہان] کے لہجے کے متعلق غالب کی شکایات بجا ہیں، برہان کو غالب نے کچھ ہی کیوں نہ کہا ہو، غالب کے ہم عصروں کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ترکی بہ ترکی جواب دیں۔ مؤید بہترین کتاب ہے جو قاطع [برہان] کے جواب میں لکھی گئی تھی، اگر اس کا لہجہ معتدل ہوتا اور جا بہ جا طول بے جا سے کام نہ لیا جاتا تو اور بہتر ہوتی۔ احمد نے تیغ [تیز] کے جواب میں شمشیرِ تیز تر تحریر کی، مگر اس کا چھاپا غالب کی وفات کے بعد تمام ہوا۔ اُس کا لہجہ مؤید سے بہتر ہے ....." [آثارِ غالب ص ۳۳]

قاضی عبدالودود نے تیغِ تیز کے متعدد اغلاط کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ تیغِ تیز میں غالب کے بھی سخت لہجے کی شکایت کی ہے [رک: ① آثارِ غالب ص ص ۳۳ تا ۴۴ ② نقدِ غالب ص ص ۳۸۰ تا ۳۸۱]۔

مؤیدِ برہان جیسی ۴۶۸ صفحات کی ضخیم کتاب کا تشفی بخش جواب تیغِ تیز جیسے ۳۳ صفحات کے مختصر رسالے میں دینا ممکن نہ تھا۔ تیغِ تیز غالب نے ۲۷ برس کے سن میں اُس وقت لکھی جب وہ بڑھاپے اور بیماری کے باعث پلنگ پر ہی لیٹے رہتے تھے اور کسی محنت طلب علمی کام کے لائق نہ رہ گئے تھے۔ اس کے برخلاف مولوی احمد علی [متولد ۱۲۵۵ھ] نے مؤیدِ برہان [سالِ تالیف ۱۲۸۰ھ] ۲۵ برس کے سن میں، اپنے شباب کی بھرپور قوت کے ساتھ لکھی تھی۔[31] مؤیدِ برہان کی تیاری میں آغا احمد علی نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے

کی دھجیوں کو بکھیر کر رکھ دیا۔ غالب بیماری کے عالم میں بلند پرچے چھوڑ گئے اور تیغ تیز کے لیے اُن کے پاس ضروری کتابیں نہ تھیں۔ اِن حالات میں مؤید برہان جیسی باوزن کتاب کے مقابلے میں تیغ تیز کا ناکام رہنا فطری امر ہے۔ غالب اُردو اور فارسی کے صفِ اوّل کے شاعر و نثر نگار تھے لیکن قاطع برہان اور اُس کی تائید میں اُنھوں نے جو رسائل لکھے اُن کا موضوع تحقیق ہے اور غالب تحقیق کے مردِ میدان نہ تھے۔ تحقیق جس سخت محنت نیز جس وسیع و عمیق مطالعے کی طالب ہوتی ہے غالب اُس کے عادی نہ تھے۔ تحقیق کے لیے ایک معیاری کتب خانے کی ضرورت ہوتی ہے اور غالب اپنے پاس کتابیں رکھنے کے شوق سے بھی محروم تھے [ذکرِ غالب صص ۲۰۷ تا ۲۰۸]۔

قاطع برہان اور تیغ تیز میں غالب نے اپنے کو فارسی زبان کا بلند پایہ محقق ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ناکام رہتی ہے۔

حواشی

۱؎ مشمولہ اردوئے معلّیٰ [رقعہ ۱۰۰]: غالب۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء صص ۴۲ تا ۴۳

۲؎ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء: مرتبہ مختار الدین احمد ص ۱۳۳ [مضمون ہمیشہ پرشاد]

۳؎ تیغ تیز: غالب۔ مطبع اکمل المطابع دہلی طبع اوّل صص ۴ تا ۵ [مملوکہ رضا لائبریری رامپور]

۴؎ دیکھیے: (۱) نمبر ۲ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ص ۱۳۳

(۲) مجموعۂ نثرِ غالب اُردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی مجلسِ ترقیِ ادب لاہور طبع نومبر ۱۹۶۷ء ص ۱۲۸

(۳) غالب ببلیوگرافی۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ علی گڑھ طبع ۱۹۷۲ء حصّہ اول ص ۳۸

۵؎ دیکھیے: (۱) تیغ تیز مشمولہ قاطع برہان و رسائلِ متعلقہ: مرتبہ قاضی عبدالودود۔ ہاشمی پرنٹنگ ورکس دہلی طبع ۱۹۶۷ء صص ۲۱۱ تا ۲۹۵

(۲) تیغ تیز مشمولہ مجموعۂ نثرِ غالب اردو: مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی لاہور طبع ۱۹۶۷ء صص ۱۷۵ تا ۲۱۷

۶؎ قاطع برہان: غالب۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اوّل مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۲۷۸ھ [مطابق شنبہ ۲۲ مارچ ۱۸۶۲ء] اب نہایت کم یاب ہے۔ اِس کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ قاطع برہان میں غالب نے محمد حسین برہان کے مشہور فارسی لغت برہانِ قاطع [زمانۂ تکمیل ۱۰۶۲ھ] کے چار سو سے زائد الفاظ کے مطالب وغیرہ پر سخت اعتراض کیے تھے۔ قاطع برہان کی مخالفت و موافقت میں متعدد کتابیں شائع ہوئی تھیں جن کی تفصیل ذکرِ غالب: مالک رام۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء صص ۱۷۶ تا ۱۸۸ میں ملاحظہ ہو۔

۷؎ مؤید برہان چار سو اڑسٹھ صفحات پر مشتمل آغا احمد علی احمد کی ایک ضخیم فارسی کتاب تھی جو غالب کی قاطع برہان کی مخالفت اور برہانِ قاطع [تالیف محمد حسین برہان] کے دفاع میں تھی۔ مؤید برہان مطبع مظہر العجائب کلکتہ سے ۱۲۸۲ھ [۶۶-۱۸۶۵ء] میں شائع ہوئی تھی [بہ حوالہ: (۱) ذکرِ غالب ص ۱۲۸ (۲) آثارِ غالب: مرتبہ قاضی عبدالودود ص ۲۳ مشمولہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء]۔

۸ لطائف غیبی۔ اکمل المطابع دہلی طبع اول (ص ۴۳) سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ [مطابق ۱۸۶۴ء] میں چھپی تھی۔ [redacted]

۹ اُردوئے معلّیٰ (حصہ اول): غالب۔ اکمل المطابع دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۴۰ [مملوکہ راقم الحروف]

۱۰ اردوئے معلّیٰ (حصہ دوم): غالب۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ص ۴۲ تا ۴۳

۱۱ تیغ تیز طبع اول ص ص ۳ تا ۴

۱۲ ایضاً ص ص ۲۸ تا ۲۹

۱۳ ایضاً ص ۳۲

۱۴ د۔ک۔ تیغ تیز مشمولہ قاطع برہان و رسائل متعلقہ ص ۲۸۶ و ما بعد

۱۵ سات اشعار پر مشتمل بہ طرز مثنوی غالب کی یہ فارسی تاریخ تلاش کے باوجود مندرجہ ذیل مصادر میں مجھے نہیں مل سکی ہے:

① کلیات غالب۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء [مملوکہ راقم السطور]

② کلیات غالب۔ مطبع نول کشور لکھنؤ طبع جنوری ۱۸۷۲ء [مملوکہ راقم الحروف]

③ کلیات غالب: مرتبہ امیر حسن نورانی لکھنؤ طبع فروری ۱۹۶۸ء

④ باغ دو در: غالب۔ مرتبہ وزیر الحسن عابدی لاہور طبع ۱۹۷۰ء

— یہ مثنوی اب کلیات غالب (فارسی) جلد اول: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔ مجلس ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ص ۱۱۵ تا ۱۲۶ میں غالب کے غیر متداول فارسی کلام کے طور پر شامل کر لی گئی ہے۔

۱۶ منقول از تیغ تیز مشمولہ قاطع برہان و رسائل متعلقہ ص ۲۶۵

۱۷ احوال غالب: مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ دہلی طبع جون ۱۹۵۳ء ص ۱۴

۱۸ تفصیلات کے لیے دیکھیے:

① نقد غالب: مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع جون ۱۹۵۶ء ص ۳۸۶، ص ۴۰۲، ص ص ۴۱۱ تا ۴۱۲، ص ص ۴۱۸ تا ۴۱۹، ص ص ۴۳۱ تا ۴۳۲، ص ۴۸۵، ص ص ۵۳۷ تا ۵۳۹ نیز ص ۵۴۴ [مقالہ قاضی عبدالودود]

② آثار غالب: مرتبہ قاضی عبدالودود۔ ص ۳۳ نیز ص ص ۳۵ تا ۴۴

③ بین الاقوامی غالب سمینار: مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں۔ کوہ نور پریس دہلی طبع ۱۹۶۹ء ص ص ۲۳ تا ۲۴، ص ۲۶، ص ص ۳۲ تا ۳۴ نیز ص ۳۶

④ غالب اور اُن کے معترضین: سید لطیف الرحمٰن۔ اسرار کریمی پریس الٰہ آباد طبع جنوری ۱۹۷۳ء ص ص ۲۴۸ تا ۲۴۹

۱۹ انتخاب یادگار: امیر مینائی۔ تاج المطابع [رام پور] مطبوعہ چہارم ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ (طبقہ دوم) ص ص ۲۲۶ تا ۲۲۷

۲۰ تفصیلات کے لیے دیکھیے غالب اور اُن کے معترضین ص ص ۲۲۰ تا ۲۲۷

۲۱ ایضاً ص ص ۱۸۰ تا ۱۸۱

—

غالب کی متفرق اُردو تحریریں

۱- اُردوئے معلیٰ کا حقِ تصنیف
۲- سرٹیفکٹ بہ ذکر یار خاں
۳- انشائے فارسی از منشی گلم چند کے خاتمے پر تصدیق
۴- مولوی حید علی کے مباحثے سے متعلق شہادت
۵- تاریخ گوئی کی بحث سے متعلق رائے
۶- مہاراجہ سردار سنگھ والی بیکانیر کے نام ایک عرض داشت
۷- دہلی سوسائٹی کے جلسے میں غالب کا مضمون
۸- پیارے لال آشوب کے بارے میں ایک تاثر
۹- غالب کے خود نوشت حالاتِ زندگی
۱۰- ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمے میں غالب کا عرض دعویٰ
۱۱- ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمے سے متعلق غالب کا مختار نامہ
۱۲- ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمے سے متعلق غالب کی درخواست بابت انتقال سماعت مقدمہ
۱۳- دو فارسی اشعار کی اردو شرح
۱۴- مثنوی نوادالحمد پر غالب کی اصلاحوں سے متعلق اُردو عبارتیں
۱۵- موہبت عظمیٰ پر غالب کے اُردو حواشی
۱۶- غالب کی دو نقلیں اور ایک لطیفہ
۱۷- قاطع برہان کے معرکے کے دوران غالب کی ایک تشریح
۱۸- اخبارات کے لیے غالب کا ایک اعلان
۱۹- مکتوب الیہم کے پتے بہ خطِ غالب
۲۰- خاتمہ انتخاب غالب در رقعات غالب
۲۱- قاضی نورالدین حسین فائق کی نثر پر غالب کی رائے
۲۲- برہانِ قاطع پر غالب کے بعض اردو حواشی
۲۳- سپاس نامہ بہ خدمت ولیم کولڈاسٹریم
۲۴- اشرف الاخبار دہلی میں شائع ہونے والا غالب سے منسوب ایک مراسلہ
۲۵- مضمون غالب مطبوعہ اودھ اخبار لکھنؤ
۲۶- دستنبو کے حقِ طباعت کے متعلق غالب کی ایک تحریر
۲۷- قاطع برہان کے ضمیمہ صحت نامہ کے متعلق غالب کی ایک مختصر مطبوعہ اُردو تحریر
۲۸- دعناکی بہادری کے ذکر پر مشتمل غالب کا ایک مطبوعہ مراسلہ

غالب کی مذکورہ بالا متفرق تحریریں مجموعۂ نثر غالب اُردو، تذکرہ مخزن شعرا، آئینۂ غالب (بمبئی ۱۹۶۹ء)، اُردوئے معلیٰ (صدی اڈیشن) حصہ سوم، تلاش غالب، رسالہ غالب نامہ نئی دہلی جلد ۱ شمارہ ۲ وغیرہ (ص ص ۳۳۳ تا ۳۴۳)، خطوط غالب ۱ مرتبہ مالک رام ص ۹۴، رسالہ تحریک دہلی بیس سالہ انتخاب نمبر ص ص ۱۵۲ تا ۱۷۲ اور رسالہ نگار رام پور، جون ۱۹۶۳ء ص ص ۴۱ تا ۴۴ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

تیسرا باب

خطوطِ غالب کے بعض ضروری مسائل نیز عودِ ہندی

غالب کے مطبوعہ اُردو خطوط

مرزا غالب کے اُردو مکاتیب ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ غالب شناسوں نے برسوں کی چھان بین کے بعد رقعاتِ غالب کے متعلق جو معلومات پیش کی ہیں وہ اردو تحقیق کے لیے ایک وقیع سرمایہ ہیں لیکن اس کے باوجود غالب کی اُردو مکتوب نگاری کے بارے میں ابھی ایسے متعدد بنیادی مسائل موجود ہیں جو غالب شناسوں کی توجہ کے طالب ہیں۔ ان مسائل میں یہ دو سوال بھی شامل ہیں کہ غالب کے مطبوعہ اردو مکاتیب کی مجموعی تعداد کیا ہے اور یہ رقعات کتنے افراد کے نام ہیں؟ زیرِ نظر مضمون میں غالب کے اُردو خطوط کے متعلق انھیں دونوں بنیادی سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں خاصی چھان بین کے بعد مجھے جو اعداد و شمار دستیاب ہوئے ہیں وہ غالب شناسوں کی خدمت میں برائے اصلاح پیش کیے جاتے ہیں۔ تحقیق کے دشوار گزار خار زار میں اعداد و شمار کا اغلاط سے صد فی صد محفوظ رہنا آسان نہیں لہٰذا ان اعداد و شمار کو مزید تحقیق کے بغیر حرفِ آخر کے طور پر قبول کر لینا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔

مولانا حامد حسن قادری نے برسوں پہلے غالب کے اُردو خطوط کی تعداد "تقریباً ۸۲۵" بتائی تھی جو نئے خطوط کی دریافت کے باعث اب ناقابلِ قبول ہے۔ مختلف مصادر میں مجھے غالب کے ۸۷۳ مطبوعہ اُردو خطوط ملے ہیں۔ ان میں دو ایسے خطوط بھی شامل ہیں جن کے مکتوب الیہم کے ناموں کا تعین نہیں ہو سکا ہے۔ باقی ۸۷۱ رقعات کے مکتوب الیہم کی تعداد ۹۰ ہوتی ہے۔ غالب کے رقعات کے متعلق یہ اعداد و شمار مختلف مصادر میں خطوط کے اندراج میں متعدد اغلاط کی تصحیح کے بعد برآمد ہوئے ہیں اور ان اغلاط میں کہیں ایک خط کو دو خطوط قرار دیا گیا ہے کہیں دو خطوں کو ایک خط سمجھ لیا گیا ہے یا ایک ہی خط کو دو افراد کے نام درج کیا گیا ہے یا کبھی غالب کے نام سے جعلی خطوط بھی تیار کر دیے گئے ہیں۔ ان مختلف فروگذاشتوں کی تصحیح کرنے کے بعد مجھے غالب کے مطبوعہ اُردو مکاتیب کے متعلق جو اعداد و شمار ملے ہیں وہ سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

مکتوب الیہ	تعدادِ رقعات	زمانۂ تحریر
(۱) ہرگوپال تفتہ	۱۲۳	مئی ۱۸۴۸ء تا ۱۸۶۸ء
(۲) نواب کلب علی خاں	۷۵	۶ مئی ۱۸۶۵ء تا جنوری ۱۸۶۹ء
(۳) نبی بخش حقیر	۷۰	۹ مارچ ۱۸۴۸ء تا ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء
(۴) علاء الدین احمد خاں علائی	۵۷	۱۲ مئی ۱۸۵۸ء تا جون ۱۸۶۸ء
(۵) میر مہدی حسین مجروح	۵۰	۷ فروری ۱۸۵۸ء تا ۱۷ جون ۱۸۶۵ء
(۶) نواب یوسف علی خاں ناظم	۴۰	۱۵ فروری ۱۸۵۷ء تا ۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء
(۷) شیو نرائن آرام	۳۶	۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء تا ۳ مئی ۱۸۶۳ء

مکتوب الیہ	تعداد خطوط	زمانۂ تحریر
(۸) میاں داد خاں سیاح	۳۵	۱۱ر جون ۱۸۶۰ء تا ۲۵ر اگست ۱۸۶۷ء
(۹) قاضی عبدالجمیل جنون	۳۰	۱۸۵۳ء تا ۳۱ر اکتوبر ۱۸۶۶ء
(۱۰) چودھری عبدالغفور سرور	۲۷	۱۸۵۸ء تا ۲۵ر ستمبر ۱۸۶۶ء
(۱۱) خواجہ غلام غوث بیخبر	۲۵	۲ر دسمبر ۱۸۵۸ء تا ۲۳ر جولائی ۱۸۶۶ء
(۱۲) حکیم غلام نجف خاں	۲۳	فروری ۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۶ء
(۱۳) غلام حسنین قدر بلگرامی	۲۲	۲۳ر فروری ۱۸۵۷ء تا ۶۸-۱۸۶۷ء
(۱۴) انور الدولہ شفق	۲۰	۱۸۵۳ء تا ۱۵ر فروری ۱۸۶۶ء
(۱۵) حاتم علی مہر	۱۹	اواخر جون یا اوائل جولائی ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء
(۱۶) حبیب اللہ ذکا	۱۶	۱۳ر جولائی ۱۸۶۳ء تا ۲۸ر جنوری ۱۸۶۸ء
(۱۷) نواب یوسف مرزا	۱۴	۱۸۵۶ء تا ۱۹ر مئی ۱۸۶۰ء
(۱۸) احمد حسن مودودی	۱۱	۲۸ر جون ۱۸۶۱ء تا ۱۷ر جولائی ۱۸۶۸ء
(۱۹) غلام بابا خاں	۱۰	۶ر ستمبر ۱۸۶۳ء تا ۱۸۶۸ء
(۲۰) عبدالرزاق شاکر	۱۰	۱۸۶۴ء تا یکم اپریل ۱۸۶۶ء
(۲۱) شہاب الدین احمد خاں ثاقب	۸	۸ر فروری ۱۸۵۸ء تا اکتوبر ۱۸۶۵ء
(۲۲) امین الدین احمد خاں	۸	۶۳-۱۸۶۲ء تا ۳ر مارچ ۱۸۶۷ء
(۲۳) منشی سیل چند منشی	۷	۲۵ر دسمبر ۱۸۶۴ء تا ۱۸ر ستمبر ۱۸۶۸ء
(۲۴) فرزند احمد صفیر بلگرامی	۶	۱۲ر مئی ۱۸۶۴ء تا ۳ر مئی ۱۸۶۵ء
(۲۵) ذوالفقار الدین حیدر عرف حسین مرزا	۶	۱۸ر جون ۱۸۵۹ء تا ۳۱ر دسمبر ۱۸۵۹ء
(۲۶) صاحب عالم	۶	اپریل ۱۸۵۹ء تا دسمبر ۱۸۶۶ء
(۲۷) ابراہیم علی خاں وفا	۵	۲۱ر اگست ۱۸۶۶ء تا اگست ۱۸۶۸ء
(۲۸) بدر الدین احمد کاشف	۵	۱۸۵۲ء تا ستمبر ۱۸۶۳ء
(۲۹) پیارے لال آشوب	۵	اگست ۱۸۶۵ء تا ۱۰ر جنوری ۱۸۶۸ء
(۳۰) شاہزادہ بشیر الدین توفیق	۴	۱۸۶۰ء تا ۱۶ر جون ۱۸۶۸ء
(۳۱) مولوی نعمان احمد	۴	ستمبر ۱۸۶۶ء تا ۱۷ر دسمبر ۱۸۶۶ء
(۳۲) محمد حسین خاں مدیر دبدبۂ سکندری رامپور	۴	۱۱ر اپریل ۱۸۶۷ء تا ۲۵ر فروری ۱۸۶۸ء
(۳۳) جواہر سنگھ جوہر	۳	۱۸۵۹ء تا ۲ر فروری ۱۸۶۴ء
(۳۴) ہرادی لال ذوق	۳	۱۸۵۸ء تا ۷ر جون ۱۸۶۸ء
(۳۵) مرزا یوسف علی خاں عزیز	۳	اکتوبر ۱۸۵۹ء تا ؟
(۳۶) مرزا باقر علی خاں کامل	۲	۱۸۶۷ء تا ۷ر دسمبر ۱۸۶۷ء
(۳۷) میر افضل علی عرف میرن	۲	نومبر ۱۸۵۸ء تا ۲۱ر جولائی ۱۸۶۴ء

(۳۸) شاہ عالم شائق	۳	مئی ۱۸۶۰ء تا ۶ نومبر ۱۸۶۵ء
(۳۹) منشی عبداللطیف	۲	۱۰ مارچ ۱۸۵۱ء تا ۶ دسمبر ۱۸۵۸ء
(۴۰) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ	۲	۷ فروری ۱۸۶۵ء تا ۱۸۶۶ء
(۴۱) حکیم ظہیر الدین احمد خاں	۲	۱۸۵۴ء تا ۲ نومبر ۱۸۶۵ء
(۴۲) ہیرا سنگھ درد	۲	۱۸۶۸ء
(۴۳) ہرگوبند سہائے نشاط	۲	۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء تا جنوری ۱۸۵۹ء
(۴۴) مولوی ضیاء الدین خاں ضیا دہلوی	۲	۱۸۶۰ء تا ۲۷ فروری ۱۸۶۶ء
(۴۵) حکیم غلام رضا خاں	۲	ایک خط ۱۸۶۵ء کا دوسرا بے تاریخ
(۴۶) مرزا قربان علی بیگ سالک	۲	ایک خط ۱۱ جولائی ۱۸۶۸ء کا ہے
(۴۷) مرزا شمشاد علی بیگ رضوان	۲	۶ نومبر ۱۸۶۵ء تا اگست ۱۸۶۶ء
(۴۸) میر احمد حسین میکش	۲	۱۲۷۲ھ [۱۸۵۵-۵۶ء]
(۴۹) میر سرفراز حسین	۲	اگست ۱۸۵۸ء تا ۲۷ مارچ ۱۸۶۳ء
(۵۰) نواب سجاد مرزا سجاد	۲	۱۵ مارچ ۱۸۶۵ء تا دسمبر ۱۸۶۵ء
(۵۱) نعیم الحق آزاد	۲	ایک خط ۶ مارچ ۱۸۵۹ء کا ہے
(۵۲) [illegible] علی خاں	۲	ایک خط نومبر ۱۸۵۸ء کا ہے
(۵۳) زکریا خاں زکی دہلوی	۲	۱۸۶۸ء
(۵۴) احمد حسن خاں قنوجی	۲	اگست ۱۸۶۰ء تا ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء
(۵۵) احمد حسین مینا یا تخلص مرزاپوری	۲	ایک خط ۱۳ جولائی ۱۸۶۷ء کا ہے
(۵۶) میر ولایت علی [عظیم آباد]	۲	اپریل ۱۸۶۵ء
(۵۷) منشی ولایت علی خاں ولایت و عزیز	۲	۱۸۶۵ء
(۵۸) نواب زین العابدین خاں عرف کلن میاں	۲	۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء تا ۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء
(۵۹) عباس علی خاں بیتاب رامپوری	۲	نومبر ۱۸۶۶ء
(۶۰) مروان علی خاں رعنا	۲	۱۸۶۳ء
(۶۱) مرزا رحیم بیگ	۱	اگست ۱۸۶۵ء
(۶۲) مفتی محمد عباس	۱	شنبہ ۱۹ صفر ۱۲۷۹ھ [۱۶ اگست ۱۸۶۲ء]
(۶۳) امیر الدین احمد خاں عرف فرخ مرزا	۱	۱۸۶۸ء
(۶۴) منشی غلام بسم اللہ	۱	۱۸۶۶ء
(۶۵) مولوی عبدالغفور نساخ	۱	۱۸۶۴ء
(۶۶) مولوی عزیز الدین عزیز و صادق	۱	انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کا خط
(۶۷) نجم الدین حیدر	۱	۱۸۵۶ء
(۶۸) کیدار رام ہشیار	۱	۱۸۶۵ء ؟

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	زمانۂ تحریر
(۶۹) مرزا عباس بیگ	۱	۱۲ مئی ۱۸۶۳ء
(۷۰) مرزا عاشور بیگ [محمود مرزا]	۱	۱۲ مئی ۱۸۶۳ء
(۷۱) فرقانی میرٹھی	۱	۱۲۸۳ھ [۶۵-۱۸۶۶ء]
(۷۲) مولوی کرامت علی	۱	۱۸۶۰ء
(۷۳) تفضل حسین خاں	۱	۱۸۶۰ء
(۷۴) حکیم غلام مرتضیٰ خاں	۱	۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء
(۷۵) محمد ابراہیم خلیل وفوق آروی	۱	جمعہ ۷ جنوری ۱۸۶۱ء
(۷۶) شیخ لطیف احمد بلگرامی	۱	۱۸۶۸ء
(۷۷) مظہر علی مارہروی	۱	اکتوبر ۱۸۶۸ء
(۷۸) سخاوت حسین مدہوش بدایونی	۱	دوشنبہ ۴ فروری ۱۸۶۱ء
(۷۹) قاضی محمد نورالدین حسین فائق	۱	دوشنبہ ۱۷ جولائی ۱۸۶۲ء
(۸۰) میر بندہ علی خاں	۱	۱۸ جولائی ۱۸۶۲ء
(۸۱) حکیم محب علی	۱	۱۸۶۳ء
(۸۲) محمد محسن صدر الصدور	۱	۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء
(۸۳) منشی نول کشور	۱	مارچ ۱۸۶۳ء
(۸۴) مرزا محمد زکی لکھنوی	۱	۱۸۶۸ء
(۸۵) مہاراجا سردار سنگھ والی بیکانیر	۱	۵ جنوری ۱۸۵۹ء
(۸۶) ولیم کولڈ اسٹریم	۱	۲۸ جون ۱۸۶۵ء
(۸۷) محمد حسین خاں مالک مطبع احمدی دہلی	۱	۱۸۶۱ء
(۸۸) نوازش علی صوفی	۱	۶۸-۱۸۶۷ء
(۸۹) نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و رخشاں	۱	۱۸۶۰ء
(۹۰) شیخ احمد علی احمد رام پوری	۱	[زمانہ ؟]
۹۰ مکتوب الیہم کے نام خطوط کی مجموعی تعداد	۸۷۱	۹ مارچ ۱۸۴۸ء تا جنوری ۱۸۶۹ء

گویا ۹۰ مکتوب الیہم کے نام غالب کے مطبوعہ اُردو خطوط کی تعداد ۸۷۱ ہے۔ اِن ۸۷۱ خطوط میں غالب کے وہ اور ایسے خطوط شامل ہو نا ہیں جو نامعلوم افراد کے نام ہیں۔ گویا غالب کے مطبوعہ اُردو مکاتیب کی مجموعی تعداد ۸۷۳ پہنچ

حواشی

۱؎ داستانِ تاریخ اردو : حامد حسن قادری۔ آگرہ اخبار پریس آگرہ طبع ۱۹۶۶ء ص ص ۲۱۷ تا ۲۱۸ — مولانا حامد حسن قادری کے علاوہ ڈاکٹر سید عبداللطیف نے بھی غالب کے خطوط کی ایک فہرست تیار کی تھی جس میں ۵۶ مکتوب الیہم کے نام

غالب کے ۵۲۶ خطوط شمار کیے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو غالب : ڈاکٹر سید عبداللطیف۔ مترجمہ سید معین الدین قریشی - جہانگیر بک ڈپو دہلی ص ص ۵۰ تا ۵۱

ے مصادر کی فہرست سطورِ ذیل میں ملاحظہ ہو :

(۱) اردوئے معلیٰ (حصہ اوّل) : غالب - اکمل المطابع دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء

(۲) اردوئے معلیٰ (حصہ دوم) : غالب - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء

(۳) عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء]

(۴) اردوئے معلیٰ : صدی ایڈیشن حصہ اوّل دوم وسوم : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۷۰-۱۹۶۹ء [تین جلدیں]

(۵) عودِ ہندی : مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۸۶۷ء

(۶) نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق - مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء

(۷) مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی - ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۴۶ء

(۸) خطوطِ غالب (جلد اوّل) : مرتبہ مہیش پرشاد - ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد طبع ۱۹۴۱ء

(۹) خطوطِ غالب (جلد اوّل) : مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء

(۱۰) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع ۱۹۶۸ء

(۱۱) غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم - مکتبہ شاہراہ دہلی طبع فروری ۱۹۶۱ء

(۱۲) تلاشِ غالب : نثار احمد فاروقی - کوہ نور پریس دہلی طبع مئی ۱۹۶۹ء

(۱۳) نادر خطوطِ غالب : مرتبہ سید محمد اسمٰعیل رضا ہمدانی گیاوی - کاشانۂ ادب لکھنؤ طبع ۱۹۲۹ء - اس کتاب کے جعلی خطوط کو چھوڑ کر صرف اصلی خطوط کو شمار کیا گیا ہے۔

(۱۴) صحیفہ لاہور غالب نمبر جنوری ۱۹۶۹ء ص ص ۷۷ تا ۷۸ [تحریر اکبر علی خاں عرشی زادہ]

(۱۵) تذکرۂ مخزنِ شعرا : مولفہ قاضی نورالدین حسین خاں فائق - مرتبہ مولوی عبدالحق - انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن طبع ۱۹۳۳ء

استدراک

ہمارے تحقیقی مقالے کا زیرِ نظر حصہ فروری ۱۹۸۱ء میں مکمل ہو کر رسالہ نیا دور لکھنؤ مارچ ۱۹۸۱ء میں چھپ چکا ہے نیز یہ حصہ ہماری کتاب خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ (کتاب نگر لکھنؤ مطبوعہ ۱۹۸۱ء) ص ص ۷ تا ۱۳ میں بھی شائع ہوا تھا۔ ہم نے اس حصے میں غالب کے خطوط اور مکتوب الیہم کی تعداد کے متعلق جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں اُن میں سے ہمارے بیشتر تحقیقی نتائج کو ڈاکٹر خلیق انجم اپنی کتاب غالب کے خطوط جلد اوّل (غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء) ص ص ۹۳ تا ۹۷ میں قبول فرما چکے ہیں لیکن اب ۱۹۹۳ء میں چھپنے والی ڈاکٹر خلیق انجم کی کتاب غالب کے خطوط کی چوتھی جلد (ص ۱۵۰۸ نیز ص ص ۱۶۱۱ تا ۱۶۱۱) میں ہماری بتائی ہوئی خطوطِ غالب کی تعداد (۸۷۳) میں اضافہ کر کے یہ تعداد ۸۸۶ متعین کی گئی ہے - ہمیں یہ اطلاعات اپنے زیرِ نظر مقالے کی تکمیل کے بعد ملی ہیں جن کا اضافہ ہم بطور استدراک کر رہے ہیں ـــــ کاظم علی خاں

خطوطِ غالب کے اہم مجموعوں کی فہرست

(۱) عودِ ہندی : غالب ۔ مطبع مجتبائی میرٹھ ۔ طبع اوّل مطبوعہ ۱۰ر رجب ۱۲۸۵ھ / اکتوبر ۱۸۶۸ء

(۲) اردوئے معلّیٰ (حصہ اوّل) : غالب ۔ اکمل المطابع دہلی ۔ طبع اوّل مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء

(۳) اردوئے معلّیٰ (حصہ دوم) : غالب ۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اوّل مطبوعہ اپریل ۱۸۹۹ء

(۴) مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ۔ ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۳۷ء

(۵) نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق ۔ مشہور پریس کراچی ۔ طبع ۱۹۴۹ء

(۶) خطوطِ غالب (جلد اوّل) : مرتبہ مہیش پرشاد ۔ ہندستانی اکیڈمی الہ آباد ۔ طبع ۱۹۴۱ء

(۷) خطوطِ غالب : مرتبہ مالک رام ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء

(۸) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر ۔ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۔ طبع ۱۹۶۸ء

(۹) غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم ۔ مکتبۂ شاہراہ دہلی ۔ طبع فروری ۱۹۶۱ء

(۱۰) عودِ ہندی : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء

(۱۱) اردوئے معلّیٰ (صدی اڈیشن) : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی حصہ اوّل، دوم وسوم ۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور ۔ مطبوعہ ۷۰-۱۹۶۹ء

(۱۲) ادبی خطوطِ غالب : مرتبہ مرزا محمد عسکری ۔ ادارہ فروغِ اردو لکھنؤ ۔ طبع ۱۹۷۰ء

(۱۳) نادر خطوطِ غالب : مرتبہ سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی ۔ کاشانۂ ادب لکھنؤ ۔ طبع ۱۹۳۹ء

(۱۴) غالب کے خطوط (چار جلدیں) : مرتبہ خلیق انجم ۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ۔ نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء تا ۱۹۹۳ء

اس فہرست کے ابتدائی پانچ مجموعوں کا مفصّل جائزہ زیرِ نظر مقالے میں پیش ہے ۔ بقیہ مجموعوں میں بیشتر پر ہم اپنی کتاب "خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ" میں تحقیق اور تنقید کر چکے ہیں ۔ مجموعہ نمبر (۱۳) کے بیشتر خطوط جعلی ثابت ہو چکے ہیں ۔

[ہماری کتاب خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ میں خطوطِ غالب کی تاریخوں پر مفصل گفتگو کے موقع پر خطوطِ غالب کے مذکورہ بالا بیشتر مجموعے زیرِ بحث آ چکے ہیں ۔ ہماری یہ کتاب ۱۹۸۱ء میں کتاب نگر لکھنؤ سے شائع ہو کر یو۔پی اردو اکادمی لکھنؤ سے انعام بھی حاصل کر چکی ہے ——— کاظم علی خاں]

عودِ ہندی (طبع اوّل) کا تحقیقی جائزہ

مرزا محمد عسکری کا بیان ہے کہ "عودِ ہندی سب سے پہلے مطبع مجتبائی میرٹھ میں غالباً ۱۲۷۸ھ [مطابق ۶۲-۱۸۶۱ء] میں یعنی مرزا کی زندگی میں اور اُن کی وفات سے سات برس پیشتر چھپی۔"[1] لیکن عودِ ہندی طبع اوّل میں شامل ۱۸۶۳ء، ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۶ء کے متعدد خطوط جن کا زمانۂ تحریر اب متعین ہو چکا ہے[2] مرزا محمد عسکری کے بیان کی تردید کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عودِ ہندی طبع اوّل میں درج قطعات تاریخ کتاب کا سنہ انطباع ۱۲۸۵ھ بتاتے ہیں۔[3] مزید برآں عودِ ہندی کے پہلے ایڈیشن میں قطعات تاریخ کے ساتھ یہ اندراج بھی ملتا ہے: "در مطبع مجتبائی محمد ممتاز علی ۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری طبع شد۔"[4] تقویم ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ کو ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کے مطابق بتاتی ہے[5] اور یہی عودِ ہندی طبع اوّل کی تاریخ طباعت ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اور عودِ ہندی طبع اوّل کی تاریخ اشاعت ۱۹ اکتوبر ۱۸۶۸ء قرار دیتے ہیں[6] جو درست نہیں۔ مولانا غلام رسول مہر بحوالۂ منشی مہیش پرشاد عودِ ہندی طبع اوّل کی تاریخ اشاعت "۲ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۸ء" بتاتے ہیں۔[7] یہ ہجری اور عیسوی تاریخیں اوّل تو خلافِ تقویم ہیں۔ تقویم ۲ رجب ۱۲۸۵ھ کو ۱۹ اکتوبر ۱۸۶۸ء بتاتی ہے دوسرے یہ اندراج اس لحاظ سے بھی نظرثانی کا محتاج ہے کہ عودِ ہندی طبع اوّل میں مرقوم کتاب کی تاریخ اشاعت پر مبنی نہیں۔ عودِ ہندی طبع اوّل کی داخلی شہادت کتاب کی تاریخ طباعت ۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری بتاتی ہے جو تقویم کی رو سے سہ شنبہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کے مطابق ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا یہ ارشاد کہ عودِ ہندی "..... کی طباعت ۲۳ اکتوبر ۱۸۶۸ء مطابق ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ کو تمام ہوئی"[8] بھی قابل قبول نہیں کیونکہ تقویم ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ کو ۲۳ اکتوبر کے بجائے ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کے مطابق بتاتی ہے۔ ایم۔ حبیب خاں نے بھی عودِ ہندی طبع اوّل کی تاریخ اشاعت خلافِ واقعہ و خلافِ تقویم "۲ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۱ء" قرار دی ہے۔[9] عودِ ہندی طبع اوّل کے بارے میں ضروری امور ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) ناپ: ۶ × ۹½ انچ (۲) ضخامت: ۱۸۸ صفحات

(۳) مقامِ اشاعت: میرٹھ (۴) مطبع کا نام: مطبع مجتبائی، میرٹھ

(۵) تاریخ اشاعت: ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق سہ شنبہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء]

(۶) عودِ ہندی طبع اوّل کی قیمت ایک روپیہ تھی[10] جیسا کہ اخبار "عالم" میرٹھ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۸۶۹ء (ص ۵) کے مندرجۂ ذیل اقتباس سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

"یہ کتاب لطافت مآب بزبان اردو نثر ... نواب اسد اللہ خاں صاحب غالب مرحوم کے نتائج فکر سے ہے ... قیمت اس کی ایک روپیہ اور محصول ڈاک تین آنے ہیں۔"[11]

عودِ ہندی طبع اوّل کے سرورق کے اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب [منشی
ممتاز علی خاں، اسٹیم پریس میرٹھ" کی فرمائش پر طبع ہوئی تھی۔ عودِ ہندی طبع اوّل میں شامل
منشی ممتاز علی خاں کی تمہیدی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ منشی ممتاز علی خاں، چودھری عبدالغفور
سرور اور خواجہ غلام غوث بےخبر کی مشترکہ کوششوں سے مرتب ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔[12]

عودِ ہندی طبع اوّل میں چودھری عبدالغفور سرور کا تحریر کردہ دیباچہ اور
اُن کے جمع کیے ہوئے خطوط شامل ہیں۔ چودھری سرور نے اپنے مرتب کردہ مجموعۂ مکاتیب
کا تاریخی نام "مہرِ غالب" رکھا تھا جس سے سرور کے جمع کردہ رقعات کے مجموعے کا سالِ
ترتیب ۱۲۷۸ھ برآمد ہوتا ہے جو تقویم کی رو سے ۶۲-۱۸۶۱ء کے مطابق ہے۔ چودھری
سرور نے اپنے دیباچے میں بتایا ہے کہ "مہرِ غالب" کے مکاتیب منشی ممتاز علی خاں کی
تحریک پر مرتب کیے گئے تھے۔[13] منشی ممتاز علی خاں کے بیان اور عودِ ہندی میں شامل
خود چودھری سرور کے دیباچے کے داخلی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھری سرور
کا دیباچہ "مہرِ غالب" پر ہی لکھا گیا تھا۔ غالب کا ایک خط بنام چودھری سرور اِس
امر پر مشعر ہے کہ چودھری سرور کے تحریر کردہ دیباچۂ عودِ ہندی پر غالب نے اصلاح
دی تھی۔[14] منشی ممتاز علی خاں نے چودھری سرور کی مرتبہ "مہرِ غالب" کو علاحدہ چھاپنے کے
بجائے عودِ ہندی میں ہی شامل کر دیا۔ اِسی لیے عودِ ہندی دو فصلوں میں منقسم ہے۔
پہلی فصل میں چودھری سرور کا دیباچہ اور انھیں کے جمع کردہ ۳۱ خطوط ہیں۔[15] دوسری
فصل[16] میں منشی ممتاز علی خاں اور خواجہ غلام غوث بےخبر کے جمع کردہ خطوط شامل ہیں۔

عودِ ہندی کے مشمولات کی فراہمی اور ترتیب کے کام میں ممتاز علی خاں
اور چودھری سرور کے علاوہ منشی غلام غوث بےخبر کی کوششوں کا جو دخل رہا ہے
اُس کا اعتراف کرتے ہوئے ممتاز علی خاں لکھتے ہیں:

".... چودھری عبدالغفور سرور .... نے جتنے
خطوط مرزا صاحب کے اُن کے نام آئے تھے سب کو
ایک جا کر کے اور اُس پر ایک دیباچہ لکھ کے وہ
مجموعہ عنایت کیا۔ عرصے تک سرگرمِ تلاش رہا۔
جا بجا سے اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں
.... خواجہ غلام غوث خاں صاحب بہادر بےخبر
.... اِسی تلاش میں میرے معین اور مددگار رہے
بہت کچھ ذخیرہ اُن کی بدولت بہم پہنچا ...."[17]

خواجہ غلام غوث بےخبر کے مکاتیب و تقاریظ کے دو مجموعوں فغانِ بےخبر اور
انشاے بےخبر میں غالب اور بعض دوسرے افراد کے نام بےخبر کے متعدد ایسے
مکاتیب موجود ہیں جو عودِ ہندی کی ترتیب اور مکاتیب کی فراہمی میں بےخبر

کی کوششوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بے خبر اپنے ایک خط[19] بہ نام منشی ممتاز علی خاں میں لکھتے ہیں:

"....فقیر نے اس [یعنی عودِ ہندی] کی ترتیب دینے اور لکھوانے اور بذاتِ خود مقابلہ کرنے ہی میں، محنت نہیں کی بلکہ اتنا تردّد اور کیا کہ جو رقعات بریلی سے آئے ہوئے آپ نے کھو دیے، اُن کو وہاں سے مکرر منگوایا، اور سوا اس کے گورکھپور، لکھنؤ، کانپور سے کچھ بہم پہنچایا اور تین تحریریں مصنف سے اور لیں، اور ان سب کو بھی مجموعے میں داخل کیا اور جہاں کچھ شک ہوا مصنف سے اس کی تصحیح کر لی...."

عودِ ہندی کی ترتیب کے بارے میں بے خبر نے غالب کو اپنے ایک مکتوب[20] میں تحریر کیا ہے:

"حضرت! نسخہ عودِ ہندی کا ممتاز علی خاں صاحب کی فرمائش سے مرتب ہو رہا ہے۔ چودھری عبد الغفور صاحب کے پاس سے آپ کے خطوط اور اُن کا دیباچہ آ گیا، میں نے سوا اس کے [کہ] آپ سے بہت کچھ حاصل کیا، کانپور
۹۳ اور لکھنؤ اور بریلی اور گورکھپور اور آگرہ آباد سے آپ کی تحریریں فراہم کیں[21]، خود سب کو دیکھا، جو مضامین لائق اعلان کے نہ تھے، اُن کو نکال ڈالا[22]، کاتب لکھ رہا ہے، میں مقابلہ کرتا ہوں، اب تک بڑے ورقوں کے دس جز مرتب ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ اُدھر اگست کا آغاز ہو، اِدھر اس مجموعے کا انجام ہو۔ میں اپنے حق سے ادا ہوں، چھپوانے کے لیے اُن کے حوالے کر دوں۔"

مکتوب بے خبر بہ نام غالب کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"....جا بجا سے جو آپ کے خطوط جمع کیے وہ اصل تو کہیں سے آئے نہیں، نقلیں آئیں[23]۔ سرور کے نام کے ایک خط میں جلال اسیر کا ایک مصرع لکھا ہے، وہ ایسی قدر پڑھا جاتا ہے: "ز غیرہ در شکر آب ست"۔ مارہرے والوں کے خط کا حال تو آپ پر خوب ہویدا ہے۔ دوسرے لفظ بخشش کو کہیں مذکر لکھا ہے اور کہیں مؤنث۔ آپ تو ایسے تخنث کیوں بناتے.... مگر یہ خرابی کاتب سے ہوئی ہے! ان دونوں کی تصحیح لکھیے تو کتاب میں صحیح لکھ دیا جائے۔"[24]

غالب کے نام اپنے ایک اور خط میں بے خبر اطلاع دیتے ہیں:

"..... الحمد للہ کہ عود ہندی کی ترتیب تمام ہوئی۔ جلد بندھوا کر آج منشی ممتاز علی خاں صاحب کی خدمت میں روانہ کر دی۔ اب چھپوانے میں دیر کریں یا جلدی، انھیں اختیار ہے۔"[25]

ان شواہد کی بنیاد پر عود ہندی کی ترتیب و تدوین کو چودھری عبد الغفور سرور[26]، منشی ممتاز علی خاں[27] اور خواجہ غلام غوث بے خبر[28] کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

عود ہندی (طبع اول) کی ترتیب کب اور کتنی مدت میں تکمیل سے ہمکنار ہوئی اس سوال پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مختلف شواہد[29] کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ بہ لحاظ زمان عود ہندی کی ترتیب کی داستان ماہ و سال کے خاصے طویل عرصے تک جاری رہی تھی اور بہ لحاظ مکان یہ داستان مارہرہ ضلع ایٹہ سے شروع ہو کر اپنی مختلف منزلوں میں دہلی، میرٹھ، الہ آباد سے گزرتی ہوئی آخر میں مطبع مجتبائی میرٹھ میں پہنچ کر تمام ہوئی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چودھری سرور نے مارہرے میں کتاب کی ترتیب شروع کی۔ مارہرے میں دہلی سے سرور وغیرہ کے نام غالب کے خطوط آتے رہے اور جمع ہوتے رہے۔ سرور نے ان خطوط کے مجموعے کو مرتب کر کے اس پر دیباچہ لکھا اور اسے دہلی بھیجا۔ غالب نے دیباچے پر اصلاح دی۔ چودھری سرور نے ان خطوط کو ۱۲۷۸ھ (مطابق ۶۲-۱۸۶۱ء) میں مرتب
کرنا شروع
کیا اور انھیں دیباچہ سمیت مارہرہ سے منشی ممتاز علی خاں کو میرٹھ بھیج دیا۔ ممتاز علی خاں نے میرٹھ میں خود بھی خطوط جمع کیے اور اپنے اور چودھری سرور کے جمع کردہ خطوط کو بے خبر کے پاس الہ آباد روانہ کر دیا۔ بے خبر نے ان خطوط کی تعداد میں مزید اضافہ کر کے ۲۷ اگست ۱۸۶۶ء سے قبل[30] کتاب کا مسودہ منشی ممتاز علی خاں کو میرٹھ بھیج دیا۔ میرٹھ میں اس کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہوتی گئی لیکن آخر کار ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ (مطابق سہ شنبہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء) کو عود ہندی چھپ گئی۔ عود ہندی کی ترتیب چونکہ کئی مقامات پر ہو رہی تھی شاید اسی لیے غالب کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ کتاب الہ آباد میں طبع ہو رہی ہے۔[31]

عود ہندی طبع اول کے خطوط پر عموماً تاریخیں درج نہ تھیں۔ یہ کام بعد کو متعدد ماہرین غالبیات کی کوششوں سے بڑی حد تک سر انجام پا چکا ہے۔ فاضل لکھنوی کی فراہم کردہ تاریخوں کی روشنی میں عود ہندی کے خطوط بہ لحاظ زمان ۱۸۵۳ء[32] (بعد اکتوبر)[33] سے ۲۳ جولائی ۱۸۶۶ء[34] تک کی

متوت میں آگئے تھے۔ بہ لحاظ ترتیب عودِ ہندی کا پہلا خط چودھری سرور کے
نام ہے اور آخری خط کے مکتوب الیہ منشی غلام بسم اللہ ہیں۔

عودِ ہندی میں مکاتیب کے دو مرتبین چودھری سرور اور خواجہ بے خبر کے نام تو متعدد خطوط
موجود ہیں لیکن تیسرے مرتب منشی ممتاز علی خاں کے نام غالب کے کسی خط سے واقفِ عودِ ہندی
کو خالی پاتا ہے۔

۳۶
عودِ ہندی طبع اول میں غالب کے ۱۶۶ (اردو) مکاتیب بہ تفصیل ذیل ۲۱
مکتوب الیہم کے نام ہیں:

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب
(۱) میر مہدی حسین مجروح	۳۱	(۲) چودھری عبدالغفور سرور	۲۶
(۳) خواجہ غلام غوث بے خبر	۲۵	(۴) نواب انوار الدولہ شفق	۲۰
(۵) مرزا حاتم علی مہر	۱۸	(۶) قاضی عبدالجلیل جنون	۱۷
(۷) عبدالرزاق شاکر	۱۰	(۸) صاحب عالم	۳
(۹) شاہ عالم [شائق]	۲	(۱۰) مردان علی خاں رعنا	۲
(۱۱) یوسف علی خاں عزیز	۲	(۱۲) عبدالغفور خاں بہادر نساخ	۱
(۱۳) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ	۱	(۱۴) غلام بسم اللہ [بسمل]	۱
(۱۵) عزیز الدین [عزیز صادق]	۱	(۱۶) مفتی محمد عباس	۱
(۱۷) ہرگوپال تفتہ	۱	(۱۸) سرفراز حسین	۱
(۱۹) علاؤالدین خاں علائی	۱	(۲۰) رحیم بیگ	۱
(۲۱) (عم ظہیر الدین) نجم الدین حیدر	۱	= [جملہ ۲۱ مکتوب الیہم کے نام کل ۱۶۶ مکاتیب]	

محولہ بالا اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ عودِ ہندی طبع اول میں چودھری
سرور کے نام ۲۶، صاحب عالم کے نام ۳، رعنا کے نام ۲، جنون کے نام ۱۷ خطوط
ہیں جب کہ برخلاف مولانا امتیاز علی خاں عرشی عودِ ہندی طبع اول میں سرور کے نام ۲۵،
صاحب عالم کے نام ۲، رعنا کے نام ۱، جنون کے نام ۱۵ خطوط قرار دیتے ہیں۔ ۳۷
مولانا عرشی کے پیش کردہ محولۂ بالا اعداد و شمار ترمیم کے طالب ہیں۔ مولانا عرشی
عودِ ہندی طبع اول میں غالب کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ بتاتے ہیں لیکن میرے
نزدیک یہ تعداد ۱۶۶ ہے۔ [مکاتیب غالب: مرتبہ مولانا عرشی طبع چہارم ص ۲۲ دیباچہ]

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل عودِ ہندی طبع اول میں مرزا حاتم علی مہر کے نام
۱۹ خطوط بتاتے ہیں جو درست ہیں۔ ۳۸ عودِ ہندی طبع اول میں مہر کے نام ۱۸ خطوط ہیں لیکن
عودِ ہندی کی بعد کی اشاعتوں میں غلطی سے مہر کے نام ایک خط کو دو خطوط
فرض کر لیا گیا ہے جس سے عودِ ہندی کی طبع اول کے بعد کی اشاعتوں میں بظاہر مہر کے
نام ۱۹ خطوط نظر آتے ہیں۔ ۳۹ عودِ ہندی طبع اول میں صاحب عالم کے نام ۳ خطوط

ہیں لیکن انہوں نے برخلاف مولانا فاضل لکھنوی دو خطوط بتاتے ہیں۔

عودِ ہندی طبع اول میں مجھے چودھری سرور کے نام ۲۶، صاحب عالم کے نام ۳، مجروح کے نام ۳۱، اور جنون کے نام ۱۷ خطوط ملتے ہیں۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر خلیق انجم عود کے پہلے ایڈیشن میں سرور کے نام ۲۵، صاحب عالم کے نام ۲، مجروح کے نام ایک اور جنون کے نام ۱۸ خطوط بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم کے پیش کردہ متذکرہ بالا اعداد و شمار تسامح کا سبب ہیں۔ عودِ ہندی طبع اول میں غالب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد ۱۶۶ کے برخلاف ڈاکٹر خلیق انجم نے ۱۶۲ بتائی ہے جو درست نہیں۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار عودِ ہندی طبع اول میں رعنا کے نام ایک اور جنون کے نام ۱۵ عدد خطوط بتاتے ہیں۔ مجھے عودِ ہندی میں رعنا کے نام ایک کے بجائے دو اور جنون کے نام ۱۵ کے بجائے ۱۷ عدد خطوط ملتے ہیں۔

عودِ ہندی طبع اول کے مکاتیب کی مجموعی تعداد کے بارے میں غالب شناسوں میں خاصا اختلاف نظر آتا ہے جس کی تفصیل سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ عودِ ہندی طبع اول میں خطوط کی مجموعی تعداد مولانا عرشی اور ڈاکٹر خلیق انجم کے مطابق ۱۶۲، مسعود حسن رضوی ادیب اور مالک رام کے مطابق ۱۶۸، مولانا غلام رسول مہر کے مطابق ۱۶۳، مولانا فاضل لکھنوی کے مطابق ۱۷۱ ہے لیکن فاضل لکھنوی نے ایک اور مقام پر عودِ ہندی طبع اول میں ۱۶۶ خطوط قرار دیے ہیں۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے عودِ ہندی طبع اول کی پہلی فصل میں چودھری سرور کے نام متعدد خطوط میں صاحب عالم کے نام پیاموں کے ٹکڑوں کو صاحب عالم کے نام علاحدہ خطوط مان کر عودِ ہندی طبع اول میں خطوط کی مجموعی تعداد ۱۷۶ بتائی ہے۔

عودِ ہندی طبع اول میں غالب کے ۱۶۶ (اردو) مکاتیب کے علاوہ شیفتہ کے نام غالب کا ایک فارسی خط اور غالب کے نام بے خبر کا ایک اردو خط بھی شامل ہے۔ ان خطوط کے علاوہ بے خبر کے نام غالب کے ایک مکتوب "قبلہ آپ بے شک ولی صاحب کرامت .... الخ" میں مجھے شیفتہ کے نام غالب کا ایک اور اردو خط ملا ہے جسے میں نے عودِ ہندی کے رقعات کی مجموعی تعداد ۱۶۶ میں محسوب نہیں کیا ہے۔

عودِ ہندی طبع اول کے مکاتیب کی تعداد کے تعین میں یہ دشواریاں دراصل کتاب کی ترتیبی خامیوں کا نتیجہ ہیں۔ عودِ ہندی طبع اول تدوین و ترتیب کے جدید طریقوں سے محروم ہے۔ اس میں نہ تو مکتوب الیہم کی فہرست ہے اور نہ خطوط پر نمبر درج ہیں۔ ایک مکتوب الیہ کے نام تمام خطوط یک جا نہیں بلکہ کتاب میں منتشر ہیں۔ بہت سے مکاتیب پر تاریخوں کا اندراج نہیں۔

عودِ ہندی طبع اول پر از اغلاط ہے اور بعد کی اشاعتیں بھی تسامحات سے خالی نہیں۔ بے خبر اپنے مکتوب بہ نام مولوی عبد القیوم میں اسی لیے لکھتے ہیں:

"عود ہندی یعنی مرزا غالب کے رقعات کا مجموعہ مجھ تک پہنچی۔ افسوس ہے کہ نہایت غلط چھپا ہے۔ بہت جگہ غلطی سے مطلب خبط ہے۔" عود ہندی طبع اول کا جب یہ حال ہے تو بعد کی اشاعتیں اغلاط سے کیونکر خالی رہتیں: سہ

خشتِ اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

خیال رہے عود ہندی طبع اوّل اور بعد کی اشاعتوں کے اغلاط میں یہ ستم ظریفی بھی ملتی ہے کہ کہیں تو دو خطوں کو ایک ہی خط کے طور پر چھاپا گیا ہے[۵۶] اور کہیں (عود ہندی کی بعد کی اشاعتوں میں) غلطی سے ایک ہی خط کو دو خطوں کی شکل دے دی گئی ہے۔[۵۷] (اشاعت) اس سلسلے میں ایک لطیفہ یہ ہے کہ غلام غوث بے خبر کے نام کا خط عود ہندی طبع اوّل اور بعد کی اشاعتوں طبع منشی نول کشور طبع ۱۹۲۵ء اور طبع نارائینی الٰہ آباد ۱۹۴۹ء وغیرہ میں بھی خط نمبر ۱۶۵ کا مکمل متن صرف ان دو الفاظ پر مشتمل ہے:

"خریدار ہے۔" [عود ہندی طبع اوّل ص ۱۶۸/۱۶۷ میں اس غلطی کو دیکھا جا سکتا ہے]

تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ عبارت "خریدار ہے" دراصل خط نمبر ۱۶۳ کے آخری جملے "۔۔۔۔ میرا مدعا اس دو ورقے کے ارسال سے یہ ہے کہ آپ کے پسند آئے یا اور اشخاص خریدا کرنا چاہیں تو چھ روپے قیمت اور محصول ذمہ خریدار ہے" سے مستعار ہے۔ ان یادگار اغلاط کے باعث عود ہندی کے مکاتیب کی صحیح تعداد کا شمار دشوار ہے۔

عود ہندی طبع اوّل میں ایک جگہ غالب کے مکتوب بنام بے خبر کے بعد ایضاً درج کرکے مکتوب بے خبر بنام غالب کو شائع کیا گیا ہے۔[۵۸] ایضاً کے اندراج نے خط کے کاتب یعنی بے خبر کو مکتوب الیہ اور خط کے اصل مکتوب الیہ (یعنی غالب) کو مکتوب نگار بنا دیا ہے۔ غرض کہ کتابت و ترتیب دونوں ہی اعتبار سے عود ہندی اغلاط و تسامحات کے مختلف نمونوں کی حامل ہے۔

عود ہندی کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر کے باعث غالب خاصے بددل تھے۔ عجب نہیں کہ یہی سبب ہے کہ بے خبر کے بہ تکرار اصرار کے باوجود غالب نے خود اس کا دیباچہ لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ بے خبر کے نام غالب نے اپنے دو مکاتیب میں عود ہندی کا دیباچہ لکھنے سے انکار کیا ہے۔[۵۹]

بے خبر کے بعض بیانات سے پتا چلتا ہے کہ عود ہندی طبع اوّل تقریباً پوری چھپ جانے کے باوجود فارسی قطعہ تاریخ نہ ہونے کے باعث یوں ہی پڑی رہی۔ منشی ممتاز علی خاں چاہتے تھے کہ انھیں قطعہ تاریخ مل جائے تو اسے آخری صفحے پر چھاپا جائے لیکن جب قطعہ تاریخ ملنے میں تاخیر ہوئی تو عود ہندی طبع اوّل ناتمام (بلا قطعہ تاریخ) کی فروخت شروع ہوگئی[۶۰] لیکن بعد کو اس میں قطعات تاریخ بھی چھاپے گئے۔

عودِ ہندی طبع اوّل میں قلق میرٹھی[61] و منشی عبدالکریم محو[62] کے اردو قطعات تاریخ کے علاوہ حاشیے پر دو فارسی قطعات بھی شامل ہیں۔[63] ان فارسی قطعات پر کسی شاعر کا نام درج نہیں ہے۔ مولانا عرشی کا خیال ہے کہ یہ دونوں فارسی قطعات غالباً منشی ممتاز علی خاں کے ہیں۔[64] لیکن ڈاکٹر معین الرحمٰن ان دونوں فارسی قطعات کو غالب کا کلام بتاتے ہیں۔[65] عودِ ہندی طبع اوّل کے آخری فارسی قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز علی خاں نے عودِ ہندی کا مطبوعہ نسخہ سر ولیم میور (گورنر ممالک مغربی و شمالی) کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا تھا۔[66]

غالب ناشر سے بطور حقِ تصنیف عودِ ہندی کی چند جلدوں کے طالب تھے[67]۔ انھیں ناشر سے عودِ ہندی کے کتنے نسخے ملے اس سلسلے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی ہے۔

خطوط کے علاوہ عودِ ہندی طبع اوّل میں مندرجہ ذیل چیزیں بھی شامل ہیں:

• منشی ممتاز علی خاں کی تعارفی تحریر	ص ص	۲/۳
• دیباچۂ چودھری سرور	ص ص	۳ تا ۶
• مکاتیب [مجموعاً [illegible] خطوں]	ص ص	۶ تا ۱۷۹
• تقریظِ غالب بر مثنوی شجاعِ تبریز	ص ص	۱۷۹/۱۸۰
• تقریظِ غالب بر گلزارِ سرور	ص ص	۱۸۰ تا ۱۸۲
• دیباچۂ غالب بر حدائق الانظار	ص ص	۱۸۲ تا ۱۸۴
• دیباچۂ غالب بر رسالہ قواعدِ تذکیر و تانیث	ص ص	۱۸۴/۱۸۵
• دیباچۂ غالب بر مجموعۂ قصائدِ نادر	ص	۱۸۵
• مکتوبِ غالب بہ نام منشی غلام بسم اللہ[68]	ص ص	۱۸۵/۱۸۶
• تقریظ بر عودِ ہندی از قلق میرٹھی	ص ص	۱۸۶ تا ۱۸۸
• قطعاتِ تاریخ از قلق میرٹھی و محو میرٹھی وغیرہ	ص	۱۸۸

حواشی :—

۱؎ ادبی خطوطِ غالب: مرزا محمد عسکری - طبع ۱۹۷۰ء ص ۶۔

۲؎ دیکھیے عودِ ہندی: غالب - مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مجلس ترقی ادب لاہور جون ۱۹۶۷ء - اس کتاب میں خطوطِ غالب کے مندرجہ سنین دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳؎ عودِ ہندی: اسد اللہ خاں غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل ص ۱۸۸۔

۴؎ عودِ ہندی طبع اوّل میرٹھ ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۸ [illegible]
[illegible]

۵ (الف) تقویم ہجری و عیسوی: مرتبہ ابو النصر محمد خالدی۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی۔ مارچ ۱۹۷۷ء۔

(ب) مفتاح التقویم: حبیب الرحمٰن خاں صابری۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی ۱۹۷۷ء۔

۶ روحِ غالب: مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد (دکن) طبع دوم ۱۹۵۵ء ص ۷۴۔

۷ غالب: مولانا غلام رسول مہر۔ تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی (سنہ اشاعت ندارد) ص ۲۲۴ نیز ص ۲۲۳۔

۸ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور ۱۹۶۷ء (متن) ص ۱۰ حاشیہ ۶۔

۹ غالب اور سرور: ایم حبیب خاں کوہ نور پریس، دہلی دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۴۴۔

۱۰ بہ حوالۂ ذکرِ غالب: مالک رام۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی (طبع پنجم) فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۴۸۔

۱۱ بہ حوالۂ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن: مضمون "عودِ ہندی" مشمولہ سہ ماہی زبان و ادب پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۶۹۔

۱۲ عودِ ہندی (طبع اول) مطبع مجتبائی، میرٹھ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) صص ۳/۲۔

۱۳ عودِ ہندی طبع اول صص ۶/۵۔ ۱۴ ماسبق صص ۳/۲۔

۱۵ رک مکتوب غالب بہ نام چودھری سرور مشمولہ عودِ ہندی طبع اول ص ۷۴۔

۱۶ پہلی فصل عودِ ہندی طبع اول کے صفحات ۳ تا صفحہ ۸۴ کو محیط ہے۔

۱۷ دوسری فصل عودِ ہندی طبع اول کے ص ۸۴ سے شروع ہوتی ہے۔

۱۸ عودِ ہندی طبع اول صص ۳/۲۔

۱۹ فغانِ بے خبر صص ۸۶/۸۵ [بہ حوالۂ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی الف) صص $\frac{66}{67}$]۔

۲۰ فغانِ بے خبر ص ۸۲ [بہ حوالۂ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۳۰ (حاشیہ)]۔

۲۱ ماہرِ غالبیات مولوی مہیش پرشاد نے لکھا ہے: "اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ موسومہ ذیل حضرات کے نام کے خطوط خواجہ صاحب [یعنی خواجہ غلام غوث بے خبر] نے خود جمع کیے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کی فراہمی میں منشی محمد ممتاز صاحب (سے کچھ) مدد ملی ہو:

انور الدولہ شفق (کالپی)، تہور (آگرہ)، عبدالرزاق۔ مجملی شیری اس زمانے میں گورکھپور میں منصرم تھے۔ جنون (بریلی)، مفتی عباس (لکھنؤ)، مولوی عزیز الدین، رعنا، شیفتہ وغیرہ۔ خواجہ صاحب چونکہ اس صوبے کے اعلا حاکم کے میر منشی تھے اور ایک معروف ادیب بھی تھے، لہٰذا اس صوبے سے تعلق رکھنے والی تحریروں کو وہ بہ آسانی اکٹھا کر سکے۔ باقی جس طرح مولوی عبدالغفور نساخ کے نام کے خط کا مسودہ خواجہ بے خبر صاحب

کے پاس، غالب نے خود بھیجی تھی، اُسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کے خطوط کی
نقلیں بھی مرزا غالب ہی نے خواجہ بے خبر صاحب کو بھیجی ہوں، جیسا کہ خود
لکھتے ہیں کہ مرزا غالب سے "بہت کچھ حاصل کیا"؛
مجروح، سرفراز حسین، علائی، تفتہ، مرزا یوسف علی عزیز اور ظہیر الدین
کی طرف سے تھا۔" ["عود ہندی کی ترتیب" مضمون از بیشن پرشاد مشمولہ
ہندستانی، الہ آباد ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء ص ص ۴۷۳/۴۷۲ بحوالہ
ڈاکٹر سید معین الرحمٰن: زبان و ادب، پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۵۶۔ کاظم علی خاں]۔

۲۲ بے خبر کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عود ہندی کے ابتدائی خطوط کے وہ
حصے نکال دیے گئے تھے جو بے خبر کے نزدیک اعلان کے لائق نہ تھے۔

۲۳ بے خبر کا یہ بیان بتاتا ہے کہ عود ہندی طبع اول میں شامل غالب کے متعدد خطوط
کے متون غالب کے اصل مکاتیب (بہ خط غالب) پر مبنی نہیں بلکہ مکاتیب غالب
کی نقول کی نقل ہیں۔ عود ہندی کے مکاتیب میں تسامحات کی قابل لحاظ تعداد
عجب نہیں کہ اسی نقل در نقل کی بھی رہین منت ہو۔ عود ہندی میں شامل
۱۴ غالب کے متعدد مکاتیب کے متون [غالب کے اصل رقعات (بہ خط غالب)
پر مبنی نہ ہونے کے باوجود] غالب کے مکاتیب تسلیم کیے جاتے ہیں لہٰذا
روزنامہ قومی آواز، لکھنؤ مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء (ص ۳) میں شائع
ہونے والے ایک مراسلے میں یہ کہا جانا کہ جو رقعات غالب کے قلم سے لکھے
ہوئے نہ ہوں انھیں (جب تک اصل خطوط نہ مل جائیں اُس وقت تک) غالب
کے خطوط میں شمار نہ کرنا چاہیے میرے نزدیک سو فی صد قابل قبول نہیں۔ عود ہندی
کے خطوط اس شرط کی پابندی نہ کرنے کے باوجود غالب کے اصلی خطوط تسلیم کیے
جاتے ہیں (کاظم علی خاں)۔

۲۴ دیوانِ بے خبر ص ۸۱ [بحوالہ عود ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ص ۱۵/۱۴ (تعارف)]۔
۲۵ انشائے بے خبر ص ۱۱ و بعدہ [بحوالہ زبان و ادب پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۶۰
نیز ص ۶۸]۔

۲۶ غالب کے شاگرد چودھری عبدالغفور سرور مارہرو (ضلع ایٹہ) کے رئیس تھے۔
مرزا محمد عسکری نے چودھری سرور کو قوم کمبوہ سے بتایا ہے۔ سرور کے بزرگ
گنجوری کے عہد سے مارہرہ میں مقیم تھے۔ سرور فارسی میں اچھی دستگاہ
رکھتے تھے۔ ان کے بہارستان اس کا ثبوت ہے۔ مارہرہ کے سجادہ نشین
حضرت صاحب عالم سے چودھری سرور کے اچھے تعلقات تھے۔ چودھری
سرور غالب کے مکتوب الیہ اور اُن کے مجموعہ مکاتیب عود ہندی کے مرتب تھے۔
وہ خوش خط تھے۔ چودھری سرور نے اپنے فرزند و دختر کی وفات

کے اور اپنی سگی بہن کے لڑکے چودھری عبد الغفور عرف میاں جان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔
مولانا غلام رسول مہر کے مطابق چودھری سرور کا انتقال بیسویں صدی عیسوی کے
اوائل میں ہوا۔ راقم الحروف نے چودھری سرور کے حالات و کلام سے دو درجن
سے زائد تذکروں کو خالی پایا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نادراتِ غالب میں چودھری
سرور کے نام غالب کے خطوط بتاتے ہیں [غالب کی نادر تحریریں طبع اول ص ۱۵۶]
مگر نادراتِ غالب طبع اول کراچی ۱۹۴۹ء سرور کے نام غالب کے خطوط سے
محروم ہے۔ [(۱) تلامذۂ غالب : مالک رام طبع اول ص ص ۱۵۰/۱۵۱ (۲) غالب
کی نادر تحریریں: خلیق انجم دہلی طبع اول ص ۱۵۶ (۳) اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن):
مرتبہ افضل لکھنوی لاہور ص ۲۶۰ حاشیہ ۱ (۴) ادبی خطوطِ غالب : مرتبہ
مرزا محمد عسکری طبع پنجم ص ص ۲۴۶ تا ۲۵۰ (۵) غالب اور سرور : ایم
حبیب خاں دہلی دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۵۵ (۶) خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام
رسول مہر لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۳۹۵/۳۹۶]۔

۲۷ منشی ممتاز علی خاں میرٹھ کے رئیس اور غالب کے دوستوں میں تھے۔ وہ اٹاوہ کے
آنریری مجسٹریٹ رہے تھے۔ غالب اُن کے پسندیدہ شاعر و نثر نگار تھے۔ ممتاز علی
خاں کھلے دل کے تھے۔ مطبع مجتبائی شاید انھی کا تھا۔ انھوں نے بہ حیثیت ناشر مطبع
مجتبائی میرٹھ ہی سے عود ہندی طبع اول شائع کی تھی۔ انھیں شعر کہنے سے زیادہ
سننے کا شوق تھا۔ ممتاز علی خاں کو سرسید کی تحریک کے مخالفین میں شمار کیا جاتا ہے۔
ممتاز علی خاں کا سنہ وفات ۱۹۰۱ء بتایا جاتا ہے۔ [(۱) غالب اور سرور
ص ۶۸ (۲) تاریخ صحافت اردو جلد سوم ص ۲۵ (بہ حوالہ ڈاکٹر معین الرحمٰن)
(۳) زبان و ادب پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ص ۶۳/۶۴]۔

۲۸ خان بہادر ذو القدر خواجہ غلام غوث خاں بےخبر کا آبائی وطن کشمیر بتایا جاتا
ہے (خمخانۂ جاوید)۔ خواجہ غلام غوث (فرزند خواجہ حفیظ اللہ بن خواجہ
خیر الدین کشمیری) ۱۲۴۰ھ (مطابق ۲۵-۱۸۲۴ء) میں بہ مقام نیپال پیدا
ہوئے۔ عربی فارسی تعلیم بنارس میں حاصل کی۔ ۱۸۴۰ء میں اپنے برادر سید
محمد خاں (لفٹننٹ گورنر آگرہ، اودھ کے میر منشی) کے نائب مقرر ہوئے
بعد کو سید محمد خاں کے ریٹائر ہونے پر بےخبر میر منشی ہوئے۔ ۱۸۷۵ء
میں مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ حکومت
سے خطابات و انعامات ملے۔ ۱۸۸۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے
بےخبر کو شعر و شاعری اور نثر نگاری میں خاصی دستگاہ تھی۔ خونابۂ جگر
فغانِ بےخبر، رشکِ لعل و گہر اور انشائے بےخبر ان کی کتابیں ہیں۔ خواجہ
بےخبر کی تاریخ وفات ۱۸ رشوال ۱۳۲۲ھ بتائی جاتی ہے۔ یو...

تقویم کی رو سے دوشنبہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء کے مطابق ہے۔ بے خبر کا انتقال الہ آباد میں ہوا اور وہ وہیں [illegible] دفن ہوئے۔ [① تذکرۂ خمخانۂ جاوید جلد اول: لالہ سری رام مطبع منشی نول کشور لاہور ۱۹۰۸ء ص ص ۶۲۸/۶۲۷ ② تذکرۂ روز روشن: مولفہ مظفر حسین گوپاموی تلخیص و ترجمہ عطا کاکوی پٹنہ جون ۱۹۶۸ء ص ۷۲ ③ تذکرۂ نادر: مرتبہ سید مسعود حسن ادیب لکھنؤ ۱۹۵۷ء ص ۷۵ ④ داستان تاریخ اردو: حامد حسن قادری آگرہ ۱۹۶۶ء ص ص ۲۳۳ تا ۲۳۷ ⑤ اردو اسالیب نثر: ڈاکٹر اسیر اللہ شاہین جمالی پریس دہلی اپریل ۱۹۷۷ء ص ص ۱۶۴ تا ۱۶۸ ⑥ تنقیدیں: اویس احمد ادیب/ الہ آباد ۱۹۴۴ء ص ص ۱۰۲ تا ۱۰۵ ⑦ تلامذۂ غالب طبع اول ص ۱۴۳ حاشیہ ۱ ⑧ ادبی خطوط غالب طبع پنجم ص ص ۲۰۹ تا ۲۱۶ ⑨ اردوئے معلی (عودی ایڈیشن): مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور ص ۵۳۱ حاشیہ ۱ ⑩ خطوط غالب: مرتبہ غلام رسول مہر طبع چہارم ص ص ۲۶۹ تا ۲۷۱]۔

۲۹ یہ سوانح عود ہندی طبع اول میں شامل ممتاز علی خاں کے پیش لفظ، چودھری سرور کے دیباچے اور غالب و بے خبر کے بعض مکاتیب پر مشتمل ہیں [بہ شکریۂ مولانا فاضل لکھنوی]۔

۳۰ بہ حوالہ مکتوب غالب بہ نام صاحب عالم مورخہ ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء مشمولہ خطوط غالب مرتبہ مولانا غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۸ء (طبع چہارم) ص ۳۲۱

۳۱ ر۔ک عود ہندی طبع اول ص ۱۲۵۔

۳۲ ر۔ک مکتوب غالب بہ نام نواب انور الدولہ شفق: "قبلۂ حاجات! قصیدہ دوبارہ پہنچا۔ چہ کار پیشانی بر۔۔۔۔۔" الخ "مشمولہ عود ہندی مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ (مطابق اکتوبر ۱۸۶۸ء) ص ص ۴۹/۴۸ - اس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۵۳ء (بعد اکتوبر) قرار دیا گیا ہے [ر۔ک عود ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۲۷ ح حاشیہ ۵]۔

۳۳ ر۔ک مکتوب غالب (بہ نام بے خبر): "قبلہ! آپ بے شک ولی صاحب کرامت ہیں۔۔۔۔" الخ "مشمولہ عود ہندی طبع اول ص ص ۱۶۵/۱۶۷ - اس خط کی تاریخ تحریر ۲۳ جولائی ۱۸۶۶ء ہے [ر۔ک عود ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۳۲ ح حاشیہ ۱]۔

۳۴ ر۔ک مکتوب غالب: "چودھری صاحب مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں۔۔۔۔" الخ "مشمولہ عود ہندی طبع اول ص ص ۶ تا ۸۔

۳۵ ر۔ک مکتوب غالب: "منشی صاحب! شفیق مکرم۔۔۔۔ منتوح باد۔۔۔۔ صاحب بہ نیاز دھقند۔۔۔۔" الخ "مشمولہ عود ہندی طبع اول ص ص ۱۸۶/۱۸۵۔

۳۶ مولانا فاضل لکھنوی عود ہندی میں مکتوب الیہم کی تعداد ۲۲ قرار دیتے ہیں جو درست نہیں [ر۔ک اردوئے معلی (عودی ایڈیشن) حصہ اول جلد اول: مرتبہ فاضل لکھنوی۔ لاہور ۱۹۶۹ء (مقدمہ ص ۲۴)]۔

۳۷ مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ناظر پریس رام پور (طبع چہارم) ۱۹۴۹ء (دیباچہ) ص ۲۴۵ -

۳۸ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی لاہور ۱۹۶۷ء ص ۵۶۸ -

۳۹ عودِ ہندی: غالب مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ دسمبر ۱۹۲۵ء ص ۹۶ نیز عودِ ہندی: مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حسنین۔ شائع کردہ رام نرائن لال بینی مادھو الہ آباد ۱۹۶۹ء ص ص ۱۵۸/۱۵۹ میں تفتہ کے نام جو خط (نمبر ۸۷): "راجا بلوان سنگھ کا حال بھی ۔۔۔ الخ" علاوہ خط کے طور پر مقابل ہے وہ دراصل علاحدہ خط نہ ہو کر مکتوب ماقبل (نمبر ۸۶) ہی کا جز ہے۔ (بحوالہ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۴۶۲ حاشیہ ۵)-

۴۰ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۵۶۸ -

۴۱ و ۴۲ غالب کی نادر تحریریں: مرتبہ خلیق انجم۔ مکتبہ شاہراہ، دہلی فروری ۱۹۶۱ء ص ۱۳ -

۴۳ محاسنِ خطوطِ غالب: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور فروری ۱۹۶۹ء ص ۴ -

۴۴ مکاتیبِ غالب: مولانا عرشی (طبع چہارم) دیباچہ ص ۲۴۵ -

۴۵ غالب کی نادر تحریریں: مرتبہ خلیق انجم ص ۱۳ -

۴۶ مضمون "عودِ ہندی کی ترتیب" از مہیش پرشاد مشمولہ رسالہ ہندستانی، الہ آباد اکتوبر ۱۹۳۵ء ص ۴۶۹ [بحوالہ ڈاکٹر معین الرحمٰن۔ زبان و ادب، پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۴۹] -

۴۷ ذکرِ غالب: مالک رام مکتبہ جامعہ نئی دہلی (طبع پنجم) فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۶۸ -

۴۸ خطوطِ غالب: مجلس یادگارِ غالب پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۶۹ء جلد اول ص ب ("گزارشِ احوال") [بحوالہ زبان و ادب، پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۴۹]-

۴۹ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی طبع جون ۱۹۶۷ء (تعارف) ص ۶۸ میں فاضل لکھنوی عودِ ہندی طبع اول کے خطوط کی مجموعی تعداد (فصل اول ۳۱ خطوط + فصل دوم ۱۴۰ خطوط) ۱۷۱ خطوط قرار دیتے ہیں۔

۵۰ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن): مرتبہ فاضل لکھنوی حصہ اول جلد اول مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۹ء (مقدمہ) ص ۲۴ -

۵۱ رک مضمون ڈاکٹر معین الرحمٰن مشمولہ زبان و ادب، پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۶۲ نیز ص ۶۴

۵۲ عودِ ہندی طبع اول ص ص ۱۲/۱۱ -

۵۳ ماسبق ص ص ۱۷۷/۱۷۶ -

۵۴ ماسبق ص ۱۷۴ -

۵۵ فغانِ بے خبر ص ۱۲۱ [بحوالہ عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی (تعارف) ص ۱۷]-

۵۶ مثلاً مجروح کے نام عودِ ہندی طبع اول کے ایک خط میں فاضل لکھنوی کے مطابق مندرجہ ذیل عبارت در اصل ایک علاحدہ خط ہے: "ابا بابا میرا پیارا میر مہدی آیا... زیادہ نہیں لکھ سکتا۔" [عودِ ہندی طبع اول ص ص ۶۷/۶۸] "جز الفاظ" کا لفظ چھوٹ جانے کے باعث غلطی سے مکتوب ماقبل میں شامل ہو گیا ہے۔ اس غلطی کی تصحیح سے عودِ ہندی میں مجروح کے نام مکاتیب کی تعداد ۲۱ ہو جاتی ہے [د۔ ک عودِ ہندی: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۱۲۹ حاشیہ ۳]۔

۵۷ مثلاً عودِ ہندی کی بعد کی بعض اشاعتوں میں تفتہ کے نام خط نمبر ۸۷ علاحدہ خط ہونے کے بجائے در اصل خط نمبر ۸۶ کا ہی حصہ ہے [د۔ ک عودِ ہندی مطبع نول کشور لکھنؤ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۹۶ نیز عودِ ہندی طبع نارائن ... الہ آباد ۱۹۶۲ء ص ۱۵۹]۔

۵۸ عودِ ہندی طبع اول ص ص ۱۲۶/۱۲۷۔

۵۹ د۔ ک عودِ ہندی طبع اول ص ۱۲۷ نیز ص ۱۳۸۔

۶۰ نوادرِ غالب ص ۱۲۹ (بہ حوالہ زبان و ادب پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۶۴، ص ۶۶ نیز ص ۶۹)۔

۶۱ و ۶۲ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۸۸۔

۶۳ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۸۸ (حاشیہ ۱)۔

۶۴ مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا عرشی طبع چہارم (۱۹۴۹ء) دیباچہ ص ۴۲۔

۶۵ د۔ ک مضمون ڈاکٹر معین الرحمٰن مشمولہ زبان و ادب پٹنہ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ص ۶۴/۶۵۔

۶۶ بہ حوالہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مکاتیبِ غالب طبع ۱۹۴۹ء دیباچہ ص ۴۴۔

۶۷ د۔ ک مکتوب غالب بنام تفتہ "بندہ پرور شفیق مکرم مرزا تفتہ صاحب ... الخ" مشمولہ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۲۵۔

۶۸ اس جگہ اس خط کو لکھنا عودِ ہندی طبع اول کی ترتیبی خامی کا نمونہ ہے۔ اسے تو دیوان اور دیباچوں سے قبل خطوط کے ماتحت درج ہونا چاہیے تھا۔

چوتھا باب

اردوئے معلّی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

اردوئے معلیٰ طبع ۱۸۶۹ء

اردوئے معلیٰ نہ صرف غالب کی اردو خطوط نویسی بلکہ اردو مکتوب نگاری کی تاریخ کے لیے بھی ایک اہم سنگ میل ہے۔ غالب کا یہ مجموعۂ مکاتیب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ مرزا محمد عسکری کا بیان ہے کہ اردوئے معلیٰ پہلی بار غالب کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھی[1] لیکن کتاب میں غالب کی وفات پر سالک کے قطعۂ تاریخ کی موجودگی بتاتی ہے کہ اردوئے معلیٰ غالب کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔[2] مزید برآں کتاب کے خاتمے (ص ۴۰۶) میں سالک کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اردوئے معلیٰ کی طباعت کی تکمیل سے قبل ہی غالب فوت ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر عبداللطیف اردوئے معلیٰ کو خطوط غالب کا پہلا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔[3] ڈاکٹر امیر اللہ شاہین اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں اردوئے معلیٰ کو غالب کے خطوط کا پہلا مجموعہ سمجھتے ہیں اور عود ہندی کو دوسرا مجموعہ بتاتے ہیں[4] مگر میرے پاس موجود غالب کی ان دونوں کتابوں کی اولین اشاعتیں ڈاکٹر عبداللطیف اور ڈاکٹر امیر اللہ شاہین کے فرمودات کی نفی کرتی ہیں۔ خود ان کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ عود ہندی ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] کو شائع ہوئی تھی[5] اور اردوئے معلیٰ، طبع اول ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو چھپی تھی۔[6] ان حقائق کے پیش نظر اردوئے معلیٰ کو خطوط غالب کا پہلا مجموعہ قرار دینا خلاف واقعہ ہے۔

اردوئے معلیٰ، طبع اول کی ضخامت ۴۶۸ صفحات، ناپ ۹½ × ۵½ انچ اور مسطر ۱۷ سطری ہے۔ یہ اکمل المطابع دہلی میں چھپی تھی۔ اس مطبع کے مالک حکیم غلام رضا خاں تھے، میر فخر الدین مطبعے کے مہتمم تھے اور مطبع کے منشی کا نام بہاری لال مشتاق تھا۔[7] کتاب کی قیمت دو روپے فی جلد مقرر ہوئی تھی۔[8] اردوئے معلیٰ، طبع اول (ص ص ۴ تا ۵) میں دیباچہ مجروح سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی جواہر سنگھ جوہر، بہاری لال مشتاق، میر فخر الدین اور حکیم غلام رضا خاں کتاب کے مرتبین تھے۔ کتاب کے سرورق پر خفی قلم سے "قمر الدین" اور "لوح یونس" کے اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کے سرورق کی کتابت اور تزئین یعنی نقش و نگار کے کام میں قمر الدین اور یونس نام کے دو افراد نے حصہ لیا تھا۔

اردوئے معلیٰ، طبع اول کے خاتمۃ الطبع (ص ۴۵۸) میں یہ

یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ کتاب ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۶ مارچ ۱۸۶۹ء روز جمعہ کو چھپی تھی لیکن راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ یہ اندراج دن اور تاریخ میں عدم مطابقت ہونے کے باعث خلافِ تقویم ہے۔ یہاں تقویم ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو جمعہ کے بجائے شنبہ بتاتی ہے۔

بہ لحاظِ ترتیب اردوئے معلّیٰ ط۱ کا پہلا خط میر غلام بابا خاں بہادر کے نام ہے [اردوئے معلّیٰ ط۱ طبع اول ص ص ۵ تا ۶] اور آخری خط [ص ص ۵۷ء تا ۵۸ء] کے مکتوب الیہ بہاری لال مشتاق ہیں۔ بہ لحاظِ زمانۂ تحریر اردوئے معلّیٰ ط۱ طبع اول میں مئی ۱۸۴۸ء سے اگست ۱۸۶۸ء تک کے خطوط موجود ہیں۔ کتاب میں سب سے زیادہ خطوط تفتہ کے نام ہیں اور اُن کی مجموعی تعداد ۸۸ ہے۔ اردوئے معلّیٰ حصّہ اول غالب کے تحریر کردہ کسی دیباچے یا تقریظ سے محروم ہے۔ اردوئے معلّیٰ ط۱ طبع مارچ ۱۸۶۹ء کے مشمولات کی فہرست سطورِ ذیل میں پیش ہے:

(۱) سرورق
(۲) دیباچہ از میر مہدی حسین مجروح — ص ص ۱ تا ۵
(۳) بچاس مکتوب الیہم کے نام اردو نثر میں غالب کے ۱۸۷ خطوط — ص ص ۵ تا ۵۸ء
(۴) خاتمۃ الطبع — ص ۵۸ء
(۵) خاتمۂ کتاب از مرزا قربان علی بیگ سالک — ص ص ۵۹ء تا ۶۱ء
(۶) قطعۂ تاریخ از سالک — ص ۶۱ء
(۷) قطعۂ تاریخ طبع از جواہر سنگھ جوہر — ص ۶۱ء
(۸) تصحیح اغلاط کے لیے توضیحی عبارت — ص ۶۱ء
(۹) صحت نامے کا چارٹ — ص ص ۶۱ء تا ۶۲ء
(۱۰) کتاب کے حقِ تالیف کے اعلان کی عبارت از غالب — ص ۶۲ء

اردوئے معلّیٰ ط۱ طبع اول (ص ۵۹ء) میں شامل قربان علی بیگ سالک کے تحریر کردہ خاتمے کے عنوان میں سالک کو "شاگردِ مولانا غالب مرحوم" لکھا گیا ہے اور خاتمے میں سالک کا بیان ہے:

".... ہنوز یہ نامۂ دل آویز تمام و کمال تشریف طبع نہ پایا تھا کہ سپہرِ بے مہر نے بہ تاریخ ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ ہجری جامۂ حیاتِ جناب مغفور و مرحوم کو چاک کیا...." [اردوئے معلّیٰ ط۱ طبع اول ص ۶۰ء]

خاتمۂ کتاب کی عبارت کا اختتام سالک نے اپنے مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ پر کیا ہے:

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا ← اب یہ نالوں کا ازدحام ہوا
صدمۂ مرگِ حضرتِ غالب ← سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
چاہیے سالِ طبع و سالِ وفات ← آج اون کا سخن تمام ہوا
۱۲۸۵ھ [اردوئے معلیٰ ص ۶۷۱]

ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا خاتمہ غالب کی وفات کے بعد کتابت و طباعت کی منزلوں سے گزرا ہے لیکن متعدد خارجی اور داخلی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا قابلِ لحاظ حصہ غالب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ غالب کے نام خواجہ غلام غوث بےخبر کے خط کی مندرجۂ ذیل عبارت اس سلسلے میں خارجی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے:

"پہلا مجموعہ [عودِ ہندی] اگر ایسا مہمل چھپا تو دوسرے کا چھپنا بہت مناسب ہوا۔ مگر گستاخی معاف، یہ نام 'اردوئے معلیٰ' نہایت بھونڈا رکھا گیا ۔۔۔۔ آپ کی تصنیف اور ایسا بھدا نام ۔۔۔۔ اے قبلہ! 'قندِ ہندی' نام رکھا ہوتا، یا پھر سے جو چھپا ہے 'قندِ مکرر' فرمایا ہوتا؟ یہ دونوں نام کیسے شیریں تھے؟ جب چھپا یا اتمام پر آئے اور قیمت قرار پائے تو مجھے اطلاع ہو، کچھ جلدیں میں بھی مول لوں گا۔" [۱۱]

غالب کے نام بےخبر کے خط کی یہ عبارت بتاتی ہے کہ اردوئے معلیٰ عط بڑی حد تک غالب کی زندگی میں چھپ گئی تھی اور چھپایا تمام ہونے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی۔ ۴۲۴ صفحات کی ضخیم کتاب کا غالب [متوفی ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء] کی وفات کے محض ۱۹ دن بعد ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو چھپ کر شائع ہو جانا بھی بتاتا ہے کہ کتاب کی کتابت و طباعت کے کام کا بڑا حصہ غالب کی زندگی ہی میں سرانجام دیا جا چکا تھا۔ کتاب کے حقِ تالیف کے متعلق غالب کا یہ بیان بھی ملاحظہ ہو:

"جگر بے روح و رواں، فقیر اسد اللہ خاں غالب تخلص ہیچ مداں کہتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جو اردوئے معلیٰ تصنیفِ فقیر مطبع اکمل المطابع دہلی میں چھپایا ہوا، سو میں نے ازراہِ فرطِ محبت اپنا حقِ تالیف نورِ چشم

اقبال نشان حکیم [غلام] رضا خاں کو بخش
دیا ۔۔۔۔" [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۳۶۹]

غالب کے اس بیان سے بھی پتا چلتا ہے کہ کتاب اکمل المطابع دہلی میں اُن کی زندگی میں چھپ رہی تھی۔ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول (ص ۲۴۷ نیز ص ۲۳۷) میں جولائی اور اگست ۱۸۶۸ء تک کے خطوط کی موجودگی بتاتی ہے کہ کتاب کی ترتیب کا کام اگست ۱۸۶۸ء تک ضرور جاری رہا ہوگا۔ کتاب کے لیے خطوط جمع کرنے کا کام کب سے شروع ہوا اس کے متعلق سردست وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے لیکن علاؤ الدین احمد خاں علائی کے نام غالب کے ۱۸۶۳ء کے بعض خطوط کی روشنی میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خطوط جمع کرنے کا کام ۱۸۶۳ء میں جاری تھا۔ علائی کے نام غالب کے محولہ خطوط کے ضروری حصے اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ اول جلد دوم: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء سے ذیل میں منقول ہیں:

(۱) "مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکمل المطابع میں چند احباب میرے مسودات اردو جمع کرنے پر اور اُس [کذا؟ اُن] کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھ سے مسودات مانگے ہیں اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کیے ہیں ۔۔۔۔ یقین ہے کہ خط میرے تمھارے پاس بہت ہوں گے۔ اگر ان کا ایک پارسل بنا کر بیرنگ ڈاک بھیج دو گے ۔۔۔۔ تو موجب میری خوشی کا ہوگا۔" [خط نمبر ۱۸۱ — اپریل ۱۸۶۳ء]

(۲) "میرے خطوطِ اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا تمھارے حُسنِ طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں سخت بے مزہ ہوا ۔۔۔۔ اب ایک بات موجز و مختصر لکھتا ہوں، سنو بھائی! اگر ان خطوط کا تم کو اخفا منظور ہو ۔۔۔۔ تو ہرگز نہ بھیجو، قصہ تمام ہوا اور اگر ان کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو میرے دستخطی خطوط اپنے پاس رہنے دو اور کسی متصدی سے نقل اتروا کر ارسال کرو ۔۔۔۔" [خط نمبر ۱۹۱ — مئی ۱۸۶۳ء]

(۳) " ۔۔۔۔ خدا کی قسم ۔۔۔۔ خطوط کے ارسال کو مکرر

نہ لکھنا اور راہِ ملال نہ تھا۔ غالب کے ذوق کو شکست
باگر میں متوقف ہوگیا ---- یہ ۲۳ لفافے اور ۳۴
خط بدستور میرے بکس میں موجود و محفوظ رہیں گے۔
اگر متوسط یہ تقاضا طلب کرے گا، ان خطوط کی نقلیں
اُس کو اور اصل تم کو بھیج دوں گا ورنہ تمہارے بھیجے
ہوئے کاغذ تم کو بھیج جائیں گے۔" [خط نمبر ۱۵ — ۳۰ مئی ۱۸۶۳ء]

اردوئے معلیٰ حصّہ اول (ص ص ۳۹۳ تا ۵۰۷) میں علائی کے نام غالب کے ۵۶ خطوط کی موجودگی بتاتی ہے کہ خطوط کی نقلیں طباعت کے لیے مطبعے کو فراہم کر دی گئی ہوں گی۔ مکتوب غالب بہ نام علائی مورخہ ۲۱ جون ۱۸۶۳ء [مشمولہ اردوئے معلیٰ ۱ طبع اول ص ۴۰۸] سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے علائی کو اصل خطوط تاریخ مذکورہ تک واپس بھیج دیے تھے۔ ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ اردوئے معلیٰ حصہ اول مطبوعہ اکمل المطابع دہلی کے لیے خطوط جمع کرنے کا کام ۱۸۶۳ء سے اگست ۱۸۶۸ء تک جاری رہا تھا۔

یہاں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع ہونے والی کتاب عودِ ہندی کے لیے بھی غالب کے خطوط جمع ہونے کا کام ۶۲-۱۸۶۱ء سے جولائی یا اگست ۱۸۶۶ء تک جاری رہا تھا۔[12] ان امور کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث عبدالقوی دسنوی نے لکھا ہے:

"غالب کے خط بہ نام علاؤ الدین علائی سے یہ پتا چلتا ہے کہ
ابتدا میں اکمل المطابع سے خطوط مرتب کرکے شائع کرنے
کا خیال تھا لیکن بعد میں اسے مطبع مجتبائی [میرٹھ] نے
شائع کیا۔ اس تبدیلی کا سبب نہ معلوم ہو سکا۔"[13]

عبدالقوی دسنوی نے اس بیان میں اکمل المطابع دہلی سے شائع ہونے والے اردوئے معلیٰ حصہ اول کے پہلے ایڈیشن کو ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ علائی کے نام غالب کے خط میں جن خطوط کو جمع کرنے کا ذکر ہے وہ اردوئے معلیٰ حصہ اول کی شکل میں مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو شائع ہوئے تھے۔ عبدالقوی دسنوی کے بیان سے یہ نتیجہ بھی نکل رہا ہے کہ علائی کے نام خط میں جن مکاتیب کو جمع کرنے کا ذکر کیا گیا ہے وہ مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع ہونے والی کتاب عودِ ہندی (طبع اول) میں چھپے تھے لیکن عودِ ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اول (ص ص ۶۹ تا ۷۰) میں علائی کے نام محض ایک خط کی موجودگی اس نظریے کی نفی کر رہی ہے۔ علائی

سے غالب، اُس وقت تک ۳۴ خطوط ملے تھے۔ اردوے معلی حصہ اول طبع اول مطبوعہ اکمل المطابع دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء میں علائی کے نام ۵۶ خطوط کی موجودگی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ۳۴ خطوط انھیں ۵۶ خطوں میں شامل تھے۔

اردوے معلی کی اشاعت جن اسباب کا نتیجہ بتائی جاتی ہے ان میں عود ہندی کی طباعت میں تاخیر اور احباب کے تقاضے شامل ہیں لیکن ان اسباب سے زیادہ قوی تحریک یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس زمانے میں غالب کے اردو خطوط کو تعلیمی اور نصابی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ غالباً اس وقت تک اردو نثر میں انتخاب غالب اور نکات غالب کی صورت میں نصابی ضرورتوں کے لیے محض دو مختصر کتابچے تیار کر سکے تھے اور وقت کے تقاضے کے مطابق انھیں ایک ضخیم کتاب کی ضرورت تھی۔ اسی لیے اردوے معلی حصہ اول طبع اول کے سرورق پر اردوے معلی کو "تعلیم اطفال کے لیے دستور العمل" قرار دیا گیا ہے۔[۱۲] اس کے علاوہ اردوے معلی ع۱ طبع اول میں شامل میر مہدی حسین مجروح کے دیباچے کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا پہلا حصہ طلبہ کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے شائع ہوا تھا:

> "۔۔۔۔ اردوے معلی ۔۔۔۔ کو دو حصوں پر منقسم کیا۔ پہلے حصے میں صرف صاف عبارت کے خط تحریر کیے تا طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں۔ دوسرے حصے میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تا سخن دانِ معنی یاب اس کے دیکھنے سے مزا پائیں۔۔۔۔" [اردوے معلی ع۱ ص ۵]

اردوے معلی حصہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء کے متعلق اکمل الاخبار دہلی مورخہ ۱۴ اپریل ۱۸۶۹ء میں ایک اشتہار چھپا تھا جس کے ضروری حصے سطور ذیل میں منقول ہیں:

> "۔۔۔۔ حصۂ اول نسخۂ دل پذیر و کتاب بے نظیر اردوے معلی منشآت زبدۃ الفصحا عمدۃ البلغا جناب نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر مرحوم غالب کہ جس کا ہر ورق حدیقۂ نکتہ پروری و ہر صفحہ ریاض بذلہ گستری ہے اکمل المطابع دہلی میں ۔۔۔۔ چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ یہ کتاب خصوصاً واسطے طلبائے مدارس کے ایک عمدہ دستور العمل زبان دانی اور عموماً شائقین و محققین زبان اردو

کے سرمایۂ فصاحت و طلاقت لسانی ہے۔ مضامین بلیغ
اور روانیِ عبارت سے خود ایک معجم بے بدل اور
استادِ اکمل ہے....[15]"

اس اشتہار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اردوئے معلّیٰ حصّہ اول طبع اول طلبہ کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کی غرض سے شائع ہوئی تھی۔

اردوئے معلّیٰ حصّہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء میں پچاس مکتوب الیہم کے نام اردو نثر میں غالب کے ۲۷۸ خطوط ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے مکتوب الیہم کی تعداد ۴۹ بتائی ہے[16] اور مولانا امتیاز علی عرشی نے خطوط کی تعداد ۲۷۰ قرار دی ہے[17]۔ سطورِ ذیل میں اردوئے معلّیٰ حصّہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء میں شامل خطوط اور مکتوب الیہم کے متعلق پیش کیے جانے والے اعداد و شمار مولانا فاضل لکھنوی اور مولانا عرشی کے بیانات کی نفی کرتے ہیں:

نمبر	مکتوب الیہم	تعداد خطوط	صفحہ نمبر
(۱)	نواب میر غلام بابا خاں	۱۰	ص ص ۵ تا ۱۳
(۲)	منشی میاں داد خاں سیاح[18]	۳۰	ص ص ۱۳ تا ۳۴
(۳)	منشی حبیب اللہ خاں ذکا	۱۰	ص ص ۳۴ تا ۴۵
(۴)	منشی ہرگوپال تفتہ[19]	۸۸	ص ص ۴۵ تا ۱۲۵
(۵)	شاہزادہ بشیر الدین	۳	ص ص ۱۲۵ تا ۱۲۶
(۶)	سید بدر الدین احمد فقیر صاحب	۵	ص ص ۱۲۶ تا ۱۳۱
(۷)	چودھری عبد الغفور سرور	۱۶	ص ص ۱۳۱ تا ۱۵۱
(۸)	میر سرفراز حسین	۲	ص ص ۱۵۱ تا ۱۵۳
(۹)	میر مہدی حسین مجروح[20]	۴۴	ص ص ۱۵۳ تا ۲۰۰
(۱۰)	شاہ عالم	۲	ص ص ۲۰۰ تا ۲۰۲
(۱۱)	صاحب عالم	۲	ص ص ۲۰۲ تا ۲۰۴
(۱۲)	مولوی عبد الغفور خاں بہادر نساخ	۱	ص ص ۲۰۴ تا ۲۰۶
(۱۳)	مرزا یوسف علی خاں عزیز	۱	ص ۲۰۶
(۱۴)	قاضی عبد الجمیل [جنون][21]	۱۵	ص ص ۲۰۶ تا ۲۱۳
(۱۵)	مردان علی خاں رعنا	۲	ص ص ۲۱۳ تا ۲۱۴
(۱۶)	مولوی عبد الرزاق شاکر	۲	ص ص ۲۱۴ تا ۲۱۶
(۱۷)	مولوی عزیز الدین	۱	ص ص ۲۱۶ تا ۲۱۷

(۱۸) مفتی سید محمد عباس	۱	ص ص ۲۱۷ تا ۲۱۸
(۱۹) حکیم غلام نجف خاں	۲۳	ص ص ۲۱۸ تا ۲۳۳
(۲۰) حکیم ظہیر الدین احمد خاں[۲۲]	۱	ص ص ۲۳۳ تا ۲۳۴
(۲۱) نجم الدین حیدر	۱	ص ص ۲۳۴ تا ۲۳۵
(۲۲) نواب میر ابراہیم علی خاں وفا	۵	ص ص ۲۳۵ تا ۲۳۸
(۲۳) مولوی احمد حسن قنوجی	۲	ص ص ۲۳۸ تا ۲۳۹
(۲۴) حکیم سید احمد حسن مودودی	۱۱	ص ص ۲۳۹ تا ۲۴۷
(۲۵) تفضل حسین خاں	۱	ص ص ۲۴۷ تا ۲۴۸
(۲۶) مرزا حاتم علی مہر[۲۳]	۱۹	ص ص ۲۴۸ تا ۲۷۰
(۲۷) منشی نبی بخش [حقیر][۲۴]	۱	ص ص ۲۷۰ تا ۲۷۲
(۲۸) منشی عبداللطیف	۱	ص ص ۲۷۲ تا ۲۷۳
(۲۹) خواجہ غلام غوث خاں بےخبر	۱۴	ص ص ۲۷۳ تا ۲۸۹
(۳۰) نواب ضیاء الدین احمد خاں [نیر رخشاں]	۱	ص ص ۲۸۹ تا ۲۹۰
(۳۱) مرزا شہاب الدین احمد خاں [ثاقب][۲۵]	۷	ص ص ۲۹۰ تا ۲۹۴
(۳۲) نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفق	۱۹	ص ص ۲۹۵ تا ۳۱۶
(۳۳) میر افضل علی عرف میرن صاحب	۳	ص ص ۳۱۶ تا ۳۱۸
(۳۴) مرزا قربان علی بیگ خاں سالک	۲	ص ص ۳۱۸ تا ۳۱۹
(۳۵) مرزا شمشاد علی بیگ خاں رضوان	۲	ص ص ۳۱۹ تا ۳۲۱
(۳۶) مرزا باقر علی خاں کامل[۲۶]	۳	ص ص ۳۲۱ تا ۳۲۳
(۳۷) ذوالفقار الدین حیدر خاں عرف حسین مرزا	۴	ص ص ۳۲۳ تا ۳۲۹
(۳۸) یوسف مرزا	۱۲	ص ص ۳۲۹ تا ۳۴۹
(۳۹) منشی شیو نرائن [آرام][۲۷]	۳۴	ص ص ۳۴۹ تا ۳۸۶
(۴۰) بابو ہرگوبند سہائے	۲	ص ص ۳۸۶ تا ۳۸۷
(۴۱) نواب امین الدین احمد خاں	۶	ص ص ۳۸۷ تا ۳۹۳
(۴۲) مرزا علاؤ الدین احمد خاں [علائی]	۵۶	ص ص ۳۹۳ تا ۴۵۰
(۴۳) مرزا امیر الدین احمد خاں فرخ مرزا	۱	ص ۴۵۱
(۴۴) میر احمد حسین میکش	۲	ص ص ۴۵۱ تا ۴۵۲
(۴۵) حکیم غلام مرتضیٰ خاں	۱	ص ۴۵۲
(۴۶) حکیم غلام رضا خاں	۱	ص ص ۴۵۲ تا ۴۵۳
(۴۷) ماسٹر پیارے لال [آشوب]	۳	ص ص ۴۵۳ تا ۴۵۵
(۴۸) منشی جواہر سنگھ جوہر	۲	ص ص ۴۵۵ تا ۴۵۶
(۴۹) منشی ہیرا سنگھ	۱	ص ص ۴۵۶ تا ۴۵۷
(۵۰) منشی بہاری لال مشتاق	۲	ص ص ۴۵۷ تا ۴۵۸
پچاس مکتوب الیہم کے نام خطوط کی مجموعی تعداد	۴۷۸	ص ص ۵ تا ۴۵۸

"اردوئے معلیٰ" ع۱ طبع اول (ص ص ۴۱۶ تا ۴۶۴) میں شامل مفصل "صحیح نامہ" کتاب کو اغلاط سے پاک رکھنے میں ناکام نظر آتا ہے۔ کتاب میں کہیں مہر کے نام کا خط تفتہ کے نام ملتا ہے اور کہیں آرام کے نام کے خط کو حقیر کے نام درج کر دیا گیا ہے۔ نئے خط کے آغاز میں نمبر درج ہونے کے بجائے صرف لفظ "ایضاً" مرقوم ہے۔ متعدد مقامات پر غلطی سے لفظ "ایضاً" حذف ہو جانے سے ایک خط میں دوسرا خط مل گیا ہے۔ مجروح اور جنون کے نام کے رقعات میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جو سطور گذشتہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے کاتب نے کہیں "زخار" کو "ز" کے بجائے "ذال" سے "ذخار" لکھا ہے اور کسی جگہ "زرچیں" کو "ذرچیں" یا حکیم سنائی کا املا "ثنائی" لکھ کر اپنی غلط نویسی کا ثبوت دیا ہے [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱، ص ۵ نیز ص ۶۶]۔ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۳۱۲) میں غالب کے ایک فارسی قطعۂ تاریخ کا تیسرا مصرع لفظ "بودے" حذف ہو جانے سے ناموزوں ملتا ہے یا ص ۴۲۸ پر غالب کے ایک فارسی قطعے کے آخری شعر کے پہلے مصرعے میں "بود ست" کے بجائے کاتب نے غلطی سے "بودہ است" لکھ کر مصرع ناموزوں کر دیا ہے۔ صفحہ ۲۷۵ کو کاتب نے غلطی سے ۱۷۵ لکھا ہے یا ص ۳۲۳ کو ۲۲۳ لکھا گیا ہے۔ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۳۹۹) میں کاتب نے غلطی سے عقدِ غالب کی تاریخ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ لکھ دی ہے حالانکہ عودِ ہندی طبع اول (ص ۶۹) میں عقدِ غالب کی تاریخ ۱۷ رجب ۱۲۲۵ھ درج ملتی ہے اور اس خط کا اصل نسخہ (بہ قلم غالب) بھی ۱۷ رجب کی تائید کرتا ہے[۲۸]۔ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۲۲۱) میں غلام نجف خاں کے نام ایک خط کے خاتمے پر "پنج شنبہ ۱۶ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق یکم مئی ۱۸۵۸ء" کا اندراج سہوِ کتابت کا دلچسپ کرشمہ ہے۔ یہاں اردوئے تقویم پنج شنبہ ۱۶ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۵۸ء درج ہونا چاہیے تھا۔ غالب شناسوں نے اس کتاب کے بہت سے خطوط کی تاریخوں کے اندراج میں اغلاط کی نشان دہی کی ہے اور ان تمام مثالوں کو دہرانا تحصیلِ حاصل ہے۔ سطورِ ذیل میں اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء کے خطوط کی تاریخوں میں اغلاط کی بعض ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو راقم الحروف کی چھان بین کا نتیجہ ہیں، اور جن پر غالب شناسوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔

(۱) اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۱۲۶) میں مکتوبِ غالب بہ نام شاہزادہ بشیر الدین کے خاتمے پر دو شنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۸ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے بہ تقلیدِ اردوئے معلیٰ اسی خلافِ تقویم تاریخ کو

قبول کرلیا ہے۔[۲۹] مولانا فاضل لکھنوی نے اس اندراج کو تقویم کی مدد سے بدل کر خط کے یک شنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۸ء کی تاریخ مانی ہے [اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصہ اول: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۵۰ حاشیہ ۱] - مگر میرے نزدیک اس خط کی تاریخ تحریر دوشنبہ ۱۱ مئی ۱۸۶۸ء زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ اس خط میں غالب کا بیان ہے: "اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا" [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱۲۵] - گرمی کا یہ ذکر اس خط کو دوشنبہ ۱۱ مئی ۱۸۶۸ء کا مکتوب بتاتا ہے - ۱۱ اپریل کو گرمی میں وہ شدت نہیں ہوتی جس کا ذکر غالب کر رہے ہیں -

(۲) اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۳۱۷) میں مکتوب غالب بہ نام میرن صاحب کے خاتمے پر دوشنبہ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء کا اندراج خلاف تقویم ہے جسے خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر (ص ۲۶۸) میں بھی قبول کر لیا گیا ہے - مولانا فاضل لکھنوی نے اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن (ص ۶۱۰ حاشیہ ۱) میں اس غلطی کی جانب اشارہ کیا ہے مگر غلطی کی اصلاح نہیں کی ہے - میرے خیال میں یہ خط دوشنبہ ۲۹ نومبر ۱۸۵۸ء کا ہو سکتا ہے - ممکن ہے کاتب نے ۲۹ نومبر کی جگہ غلطی سے ۹ نومبر لکھ دی ہو -

(۳) اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۹) میں مکتوب غالب بہ نام غلام بابا خاں کے خاتمے پر سہ شنبہ ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کا اندراج خلاف تقویم ہے - مولانا غلام رسول مہر نے خطوط غالب (ص ۳۵۴) میں اس خط کے لیے بہ تقلید اردوئے معلیٰ سہ شنبہ ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کی خلاف تقویم تاریخ قبول کی ہے - اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن (ص ۵۱ حاشیہ ۳) میں مولانا فاضل لکھنوی نے اس غلطی کی نشان دہی کر کے اس خط کے لیے تقویم کی مدد سے چہار شنبہ ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کی تاریخ تجویز کی ہے - لیکن میں اس خط کو سہ شنبہ ۲۳ اپریل ۱۸۶۷ء کا مکتوب مانتا ہوں - تقویم میں ۲۳ اپریل ۱۸۶۷ء کو سہ شنبہ ملتا ہے - ۲۳ اپریل کی جگہ ۳ اپریل کا اندراج میرے نزدیک سہو کتابت ہے - مجھے اس خط کے مطالب مکتوب غالب بہ نام سیاح مورخہ ۲۳ اپریل ۱۸۶۷ء [مشمولہ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ص ۳۲ تا ۳۳] کے مندرجات کے مماثل ملتے ہیں - ان حالات میں میرے نزدیک غلام بابا خاں کے نام غالب کے اس خط کی تاریخ ۳ اپریل کے بجائے سہ شنبہ ۲۳ اپریل ۱۸۶۷ء ہونا چاہیے -

(۴) اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۹۵) میں مکتوب غالب بہ نام تفتہ

پر جمعہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۶۲ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔ تقویم یہاں جمعہ کے بجائے سہ شنبہ بتاتی ہے - مولانا فاضل لکھنوی اور مولانا غلام رسول مہر نے اندراج کو خلافِ تقویم دیکھ کر خط کے لیے جمعہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۶۲ء کی تاریخ تجویز کی ہے [ملاحظہ ہو اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن ص ۱۹۸ نیز خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر ص ۱۷۰] لیکن خط میں برسات کی جس غیر معمولی تباہ کاری کا ذکر ہے وہ ۱۸۶۲ء کی برسات معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مکتوبِ غالب بہ نام علائی مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء نیز مکتوبِ غالب بہ نام مجروح مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء [مشمولہ خطوطِ غالب (ج۱) : مرتبہ مالک رام۔ انجمن ترقیِ اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء خط نمبر ۲۵۷ نیز خط نمبر ۳۹۴] سے ظاہر ہے۔ میں تفتہ کے نام زیرِ بحث خط کے لیے جمعہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۶۲ء کی تاریخ تجویز کرتا ہوں۔ میرے خیال میں یہاں کاتب نے ۲۴ اکتوبر کو غلطی سے ۱۴ اکتوبر لکھ دیا ہے۔

(۵) اردوئے معلیٰ ج۱ طبع اول (ص ۱۶۱) میں مجروح کے نام ایک خط پر پنج شنبہ ۷ ستمبر ۱۸۵۸ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے بہ تقلید اردوئے معلیٰ خطوطِ غالب (ص ۲۳۰) میں اسی خلافِ تقویم تاریخ کو نقل فرمایا ہے۔ خطوطِ غالب حصہ اول مرتبہ مالک رام (ص ۲۹۳) نیز اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی (ص ۳۱۹) میں تقویم کی مدد سے اس غلطی کو دور کر کے خط کی تاریخ پنج ۹ ستمبر ۱۸۵۸ء تجویز کی گئی ہے لیکن میرے خیال میں یہ خط پنج شنبہ ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کا ہے۔ ۷ اکتوبر کا ۷ ستمبر بن جانا سہوِ قلم کا معمولی کرشمہ ہے لیکن اس سلسلے میں ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

(۶) اردوئے معلیٰ ج۱ طبع اول (ص ۱۱۳) میں مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ پر دوشنبہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء کی تاریخ خلافِ تقویم ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے خطوطِ غالب (ص ۱۱۳) میں اسی غلط تاریخ کو نقل فرمایا ہے۔ مالک رام اور مولانا فاضل لکھنوی نے اس خط کو تقویم کی مدد سے دوشنبہ ۲ مئی ۱۸۵۳ء کا مکتوب مانا ہے [دیکھیے خطوطِ غالب (ج۱) مرتبہ مالک رام ص ۲۲ نیز اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۲۲۶ مع حاشیہ ۲] لیکن میرے خیال میں یہ خط دوشنبہ ۳۰ مئی ۱۸۵۳ء کا ہے اور کاتب نے ۳۰ مئی کو غلطی سے ۳ مئی لکھ دیا ہے۔ میں اس خط کے مضامین کو مکتوبِ غالب بہ نام منشی حقیر مورخہ یک شنبہ ۲۹ مئی ۱۸۵۳ء [مشمولہ نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق۔ مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصہ دوم ص ص ۳۹ تا ۴۰] کے مندرجات سے بڑی حد تک مماثل پاتا ہوں اور دونوں خطوں کے مطالب کے باہم تقابلی مطالعے کے بعد میں

تفتہ کے نام اِس زیرِ بحث خط کو دوشنبہ ۳۰ رمئی ۱۸۵۲ء کا مکتوب قرار دیا ہوتا
غالب نے اپنے اِس ۳۰ رمئی ۱۸۵۳ء کے رقعے میں لکھا ہے کہ "منشی صاحب [یعنی
منشی نبی بخش حقیر] کا ایک خط ہاترس سے آیا تھا۔ کل اُس کا جواب ہاترس
کو روانہ کر چکا ہوں" [اردوے معلّٰی ط۱ ص ۱۱۳]۔ اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ
غالب نے ۲۹ رمئی ۱۸۵۳ء کو حقیر کے نام ایک خط ہاترس روانہ کیا تھا اور
نادراتِ غالب میں ۲۹ رمئی ۱۸۵۳ء کا یہ خط موجود ہے۔

(۷) اردوے معلّٰی ط۱ طبع اوّل (ص ۲۱۲) میں مکتوبِ غالب بہ نام
علائی پر یک شنبہ یکم مارچ ۱۸۶۲ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔ تقویم
یکم مارچ ۱۸۶۲ء کو شنبہ بتاتی ہے اور خط میں غالب کا یہ بیان: "کل جمعے کے دن
نواب کا شہسوار تھا......" بھی اِسے شنبے کا خط ثابت کرتا ہے۔ حیرت ہے کہ مولانا
مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مالک رام اور مولانا غلام رسول مہر جیسے غالب شناسوں نے
اِس خط کے لیے بہ تقلیدِ اردوے معلّٰی یک شنبہ یکم مارچ ۱۸۶۲ء کی خلافِ تقویم تاریخ
قبول کی ہے [دیکھیے: (۱) اردوے معلّٰی مجلسی ایڈیشن ص ۲۴۷ (۲) خطوطِ غالب (ج ۱) مرتبہ
مالک رام ص ۳۸۲ (۳) خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر ص ۲۷۹]۔

(۸) اردوے معلّٰی ط۱ طبع اوّل (ص ۸) میں مکتوبِ غالب بہ نام غلام
بابا خاں کے خاتمے پر چہارشنبہ ۶ راپریل ۱۸۶۸ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔
تقویم ہمارے ۶ راپریل ۱۸۶۸ء کو دوشنبہ بتاتی ہے۔ میرے خیال میں اِس خط کی
تاریخِ تحریر چہارشنبہ ۶ رمئی ۱۸۶۸ء تھی جو ازروے تقویم غلط نہیں۔ چہارشنبہ
۶ رمئی ۱۸۶۸ء کی جگہ غلطی سے چہارشنبہ ۶ راپریل ۱۸۶۸ء لکھا جانا یا تو خود
غالب کے حافظے کا سہو ہے یا یہ کاتب کی غلطی ہے۔ خطوطِ غالب مرتبہ
غلام رسول مہر (ص ۳۵۵) میں اِس خط پر چہارشنبہ ۶ راپریل ۱۸۶۸ء کا
خلافِ تقویم اندراج محلِ نظر ہے۔

(۹) اردوے معلّٰی ط۱ طبع اوّل (ص ۲۳۷) میں مکتوبِ غالب بہ نام
نواب میر ابراہیم علی خاں وفا پر خلافِ تقویم جمعہ ۱۷ راگست ۱۸۶۸ء کا
اندراج ملتا ہے۔ تقویم ۱۷ راگست ۱۸۶۸ء کو جمعہ کے بجائے دوشنبہ بتاتی
ہے۔ البتہ تقویم میں ۷ راگست ۱۸۶۸ء کو جمعہ ملتا ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ
اِس خط کی تاریخِ تحریر جمعہ ۷ راگست ۱۸۶۸ء تھی جسے کاتب نے غلطی
سے ۱۷ راگست لکھ دیا۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل طبع ۱۸۶۹ء کے کاتب

کہ یہ تاریخ غلطی روزِ اوّل سے یوں ہی چلی آ رہی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے بھی اردوئے معلیٰ کی تقلید میں اس خط پر جمعہ ۱۷ اگست ۱۸۶۸ء کی خلافِ تقویم تاریخ درج کی ہے [رک: (۱) خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر ص ۳۵۶ (۲) اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصہ اول جلد دوم: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۲۶۵]۔

اردوئے معلیٰ غالب کا وہ یادگار عطیہ ہے جو اردو نثر کی تاریخ میں متاعِ عزیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کی ادبی اہمیت پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ کتاب خود غالب کے مطالعے کے لیے بھی ایک مفید ماخذ ہے۔ غالب کے صحیفۂ حیات کے مختلف ابواب کے لیے اس کتاب نے قدم قدم پر جو مفید مواد فراہم کیا ہے اس کے متعلق یہاں کسی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ غالب کی اردو نثر کے مطالعے میں اردوئے معلیٰ حصہ اوّل کی افادیت مسلم ہے لیکن اس کتاب میں غالب کا کچھ ایسا اردو اور فارسی کلام بھی موجود ہے جو غالب کے اردو و فارسی کے متداول دیوان پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح اردوئے معلیٰ غالب کے منظوم ادبی آثار کے لیے بھی ایک مفید ماخذ ہے۔ اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء سے سطورِ ذیل میں غالب کا کچھ ایسا اردو و فارسی کلام پیش کیا جاتا ہے جو غالب کے متداول اردو دیوان اور کلیاتِ غالب [نظم فارسی] مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء پر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱)

میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان ــــ کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان
[اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۱۷۹]

(۲)

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے [اردوئے معلیٰ طبع اوّل ص ۱۸۳]

(۳)

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے ــــ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے [اردوئے معلیٰ ص ۱۹۳]

(۴)

سات جلدوں کا پارسل پہنچا ــــ واہ کیا خوب بر محل پہنچا [اردوئے معلیٰ ص ۲۶۴]

(۵)

وی جلدی میں شادی ہو مبارک ــــ عنایاتِ الٰہی ہو مبارک [اردوئے معلیٰ ص ۲۳۴]

اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول غالب کے اردو دیوان کے لیے مندرجہ ذیل مصرعے اہم ہیں:

(6) گو نہ ملتے تھے پر اک شہر میں تو رہتے تھے [اردوئے معلیٰ ع۱ ص ص ۳۹۲ تا ۳۹۳]

(7) خوشنودیِ احباب کا طالب غالب [اردوئے معلیٰ ع۱ ص ۱۲]۔ یہ مصرع دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی طبع ۱۹۵۸ء میں بھی موجود نہیں لیکن اب یہ مصرع غالب کا منسوخ دیوان؛ مرتبہ مسلم ضیائی میں شامل کر دیا گیا ہے[31] اس مصرعے کو عام طور پر نثری فقرہ سمجھا جاتا رہا ہے لیکن مثنوی شجاع مہر طبع دسمبر ۱۸۶۰ء میں شامل غالب کی تقریظ کی مندرجہ ذیل عبارت اسے غالب کا مصرع ثابت کرتی ہے:

"... یو صاحب تقریظ کو تمام کرتا ہوں، اور اس مصرعے پر ختم کلام کرتا ہوں مصرع
خوشنودیِ احباب کا طالب غالب"[32]

(8) جو یائے حالِ دہلی و الور سلام لو [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱۶۲]۔ دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی طبع ۱۹۵۸ء غالب کے اس مصرعے سے بھی خالی ملتا ہے مگر اب یہ غالب کا منسوخ دیوان مرتبہ مسلم ضیائی (ص ۳۲۸) میں شامل ہو گیا ہے۔

(9) بندہ پرور معاف کیجے گا [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۳۱۱]۔ عودِ ہندی میں یہ مصرع ایک شعر کی شکل میں ملتا ہے:

بندہ پرور معاف کیجے گا ؎ میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال[33]

(10) دیکھیے کیا جواب آتا ہے [اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱۷۷]۔ دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی طبع ۱۹۵۸ء اس مصرعے سے بھی محروم ہے۔ غالب کا منسوخ دیوان (ص ۳۲۸) میں یہ مصرع بے حوالہ شامل ہے۔

(11) جانِ غالب تمہارا خط پہنچا [اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع ۱۸۶۹ء ص ۱۸۳]۔ غالب کا یہ مصرع دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی طبع ۱۹۵۸ء نیز غالب کا منسوخ دیوان پر راقم الحروف کا اضافہ ثابت ہوتا ہے۔

اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء غالب کی مندرجہ ذیل دو اردو رباعیوں کے لیے شاید قدیم ترین مطبوعہ ماخذ ہے:

(12) رقعے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ؎ ثاقب حرکت یہ کی بیجا تم نے
حاجی کلو کو دے کے بے وجہ جواب ؎ غالب کا بگاڑ دیا کلیجا تم نے [اردوئے معلیٰ ع۱ ص ۲۹۵]

(13) اے روشنیِ دیدہ شہاب الدین خاں ؎ کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضاں
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک ؎ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں [اردوئے معلیٰ ص ۲۹۵]

(14) اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ۱۰، ۱۱) میں شامل دو اشعار پر مشتمل غالب کا مندرجہ ذیل

اردو قطعہ غالب کے متداول اردو دیوان پر اردوئے معلیٰ کا اہم اضافہ ہے۔ عجب نہیں کہ اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء غالب کے اس اُردو قطعے کا قدیم ترین مطبوعہ ماخذ ہو:-

بس کہ فعال ما یرید ہے آج ← ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے ← زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے ← گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک ← تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک ← آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا ← وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ ← سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم ← ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یا رب ← کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

۳۴ (۱۵) اردوئے معلیٰ ۱۹۲۰ء طبع اوّل (ص ۳۹۴) میں شامل غالب کی ایک اُردو غزل کے مندرجہ ذیل چار اشعار سے غالب کا متداول دیوان خالی ہے:-

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے ← کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود ← کسے خبر ہے وہاں جنبش قلم کیا ہے
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا ← خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے
وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم ← وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے

(۱۶) اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء (ص ۳۸۹) غالب کی نو اشعار پر مشتمل مندرجہ ذیل اُردو غزل کے لیے قدیم ترین مطبوعہ ماخذ ثابت ہوتا ہے:-

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی ← تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی
غیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرت ماہ ← ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی
تم ہو بت پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے ← تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی
حسن میں حور سے بڑھ نہیں ہونے کے کبھی ← آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی
تیرے کوچے کا ہے مائل دل مضطر میرا ← کعبہ اک اور سہی قبلہ نما اور سہی
کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ ← خلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی
کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب ← سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں ← زہر کچھ اور سہی آب بقا اور سہی

P.T.O.

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی

ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

یہ غزل نواب امین الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو کے نام غالب کے جس خط میں درج ہوئی ہے اُس کی تاریخ تحریر چہار شنبہ ۲؍ ربیع الاوّل ۱۲۸۲ھ [مطابق ۲۶؍ جولائی ۱۸۶۵ء] ہے۔ اِن امور سے پتا چلتا ہے کہ یہ غزل ۲۶؍ جولائی ۱۸۶۵ء تک کہی جا چکی تھی۔ گویا اردوئے معلیٰ سے اِس غزل کا زمانۂ تخلیق بھی معلوم ہوتا ہے۔

(۱۷) اردوئے معلیٰ ۲ طبع اوّل (ص ص ۳۵۰ تا ۳۵۱) میں غالب کا ایک ایسا اردو قصیدہ شامل ہے جس سے غالب کا متداول اردو دیوان خالی ہے۔ اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء غالب کے اِس اردو قصیدے کا قدیم ترین مطبوعہ ماخذ ہے۔ ۲۱ (اکیس) اشعار پر مشتمل غالب کے اِس اردو قصیدے کا پہلا اور آخری شعر ذیل میں منقول ہے: ؎

پہلا شعر: ملاذِ کشور و لشکر، پناہِ شہر و سپاہ ← جنابِ عالی ایلن برونِ والا جاہ

آخری شعر: یہ جانتا ہے کہ دنیا میں عزّ و جاہ کے ساتھ ← تمہیں اور اس کو سلامت رکھے سدا اللہ

یہ قصیدہ اب دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی طبع ۱۹۵۸ء (ص ص ۲۷۷ تا ۲۷۸) نیز غالب کا منسوخ دیوان (ص ص ۲۴۶ تا ۲۴۹) میں بھی شامل ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام نے غالب نامہ میں اِس قصیدے کے آخری دو اشعار حذف کر کے صرف ۱۹ (انیس) اشعار درج کیے ہیں۔[۳۵]

سطور ذیل میں اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء سے غالب کا کچھ ایسا فارسی کلام پیش کیا جاتا ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء نیز طبع جنوری ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں۔[۳۶]

(۱۸) ہرم چوں نام بابو ہرج سوہن ← چکد خونِ دل ریش از لبِ من [اردوئے معلیٰ ص ۵۶]

یہ شعر جمعہ ۳۰؍ اپریل ۱۸۵۸ء تک کہا جا چکا تھا کیوں کہ یہ اِسی تاریخ کے خط میں درج ہوا ہے۔ مجھے غالب کے فارسی کلام کے متعدد مجموعے اِس شعر سے محروم ملتے ہیں۔[۳۷] البتہ یہ شعر اب مسعود حسین مرتبہ مالک رام نیز کلیاتِ غالب مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی میں شامل ہو چکا ہے۔[۳۸]

(۱۹) اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء (ص ۱۵۱) میں غالب نے یہ شعر بھی درج کیا ہے: ؎

از من عز گیرد و بزم ہائے طرب ← در نے دمد از روئے نوازش دو سہ دم را

اردوئے معلّٰی؛ حصّہ اوّل مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء غالب کے اِس فارسی شعر کا قدیم ترین مطبوعہ ماخذ ہے۔ میں نے مندرجہ ذیل کتب کو غالب کے اِس فارسی شعر سے خالی پایا ہے:
(۱) کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء (۲) کلیاتِ غالب طبع جنوری ۱۸۷۲ء (۳) کلیاتِ غالب: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی جلد سوم طبع ستمبر ۱۹۶۷ء (۴) کلیاتِ غالب: مرتبہ امیر حسن نورانی طبع فروری ۱۹۶۸ء (۵) سبد چین: مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۳۸ء (۶) باغِ دو در: مرتبہ وزیر الحسن عابدی طبع ۱۹۷۰ء۔

(۲۰) اردوئے معلّٰی ع۱ طبع اوّل (ص ۳۹۵) میں علائی کے لیے غالب کا یہ فارسی قطعہ ملتا ہے:

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد ← "حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند"
قدسیاں بہرِ دعائے تو و والا پدرت ← "قرعۂ فال بہ نامِ من دیوانہ زدند"

غالب کا یہ فارسی قطعہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع ۱۸۷۲ء نیز باغِ دو در میں موجود نہیں۔ یہ قطعہ اب سبد چین طبع ۱۹۳۸ء (ص ۶۰)، کلیاتِ غالب طبع فروری ۱۹۶۸ء (ص ۳۰۹) نیز کلیاتِ غالب: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ج۳ میں شامل ہو چکا ہے۔ اِس قطعے کا دوسرا اور چوتھا مصرع خواجہ حافظ سے مستعار ہے [بہ حوالہ مولانا غلام رسول مہر]۔ اردوئے معلّٰی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ یکم اکتوبر ۱۸۶۵ء تک کہا جا چکا تھا کیونکہ یہ اسی تاریخ کے خط میں شامل ہے۔

(۲۱) اردوئے معلّٰی ع۱ طبع اوّل (ص ۷) میں نواب میر جعفر علی خاں کی وفات پر غالب کا مندرجہ ذیل فارسی قطعۂ تاریخ شامل ہے:

گردید نہاں مہرِ جہاں تاب دریغ ← شد تیرہ جہاں بہ چشمِ احباب دریغ
ایں واقعہ را ز روئے زاری غالب ← تاریخ رقم کرد کہ "نواب دریغ"
[۱۲۸۰ھ = ۱۲۷۳ + ۷]

یہ تاریخ کلیاتِ غالب کی ۱۸۶۳ء اور ۱۸۷۲ء کی اشاعتوں میں موجود نہیں۔ باغِ دو در بھی اس قطعے سے خالی ہے۔ اب یہ قطعہ سبد چین مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۳۸ء (ص ۷۵)، کلیاتِ غالب (جلد اوّل): مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی طبع جون ۱۹۶۷ء (ص ۵۰۱) نیز کلیاتِ غالب مرتبہ امیر حسن نورانی طبع فروری ۱۹۶۸ء (ص ۳۰۷) میں شامل ملتا ہے۔

یہ قطعہ یک شنبہ ۲۱ ربیع الاوّل ۱۲۸۰ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۸۶۳ء کے خط میں درج ہوا ہے گویا یہ تاریخ مذکورہ تک کہا جا چکا تھا۔ راقم الحروف کی تحقیق کے بموجب یہ فارسی قطعہ غالب نے ۱۸ جون ۱۸۶۳ء سے ۶ ستمبر ۱۸۶۳ء تک کی درمیانی مدت میں کہا ہوگا۔ اِس قطعۂ تاریخ پر میں نے اپنے مضمون "غالب کے بعض ادبی آثار - تحقیق

کی روشنی میں " مشمولہ خبرنامہ لکھنؤ ماہ اگست ۱۹۸۰ء (ص ۲۳) میں بھی بحث کی ہے۔

(۲۲) اردوئے معلّیٰ عہ طبع اوّل (ص ۱۰) میں میر غلام بابا خاں کی دختر کی تقریب بسم اللہ پر غالب کا یہ فارسی قطعۂ تاریخ چھپا ہے: ؎

خجستہ جشنِ دبستان نشینی بیگم ← بفیضِ ہمتِ نواب و یمنِ اقبالش
جواز پئے ادب آموزی آشتی خوش باشد ← از "خجستہ بہار ادب" بود سالش

کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء و طبع ۱۸۷۲ء اس قطعے سے خالی ہیں۔ قطعے کے مادۂ تاریخ "خجستہ بہار ادب" سے ۱۲۸۳ھ مستخرج ہوتا ہے۔ غالب کا یہ قطعہ چہار شنبہ ۱۴ر نومبر ۱۸۶۶ء [مطابق ۶ر رجب ۱۲۸۳ھ] تک کہا جا چکا تھا کیوں کہ یہ اسی تاریخ کے خط میں مرقوم ہوا ہے۔

(۲۳) اردوئے معلّیٰ عہ طبع اوّل (ص ۱۱) میں غلام بابا خاں کے بیٹے غالب کا مندرجہ ذیل فارسی قطعۂ تاریخ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء و طبع ۱۸۷۲ء پر اضافہ ہے: ؎

فتح "سید غلام بابا خاں" ← خود نشانِ دوامِ اقبال است
ہم ازیں رو بود ز غالب گفت ← کہ "ظفر نامۂ ابد" سال است

"ظفر نامۂ ابد" سے ۱۲۸۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ قطعہ اپریل ۱۸۶۷ء کے آس پاس کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

(۲۴) اردوئے معلّیٰ عہ طبع اوّل (ص ۲۰) سے غالب کا ایک اور فارسی قطعۂ تاریخ درج کیا جاتا ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع ۱۸۷۲ء نیز باغِ دودر پر اضافہ ثابت ہوتا ہے: ؎

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہِ چاردہ ← بر فرازِ لوحِ گردوں گردۂ تمثالِ اوست
فرخی بینی و یابی بہرہ از نازو طرب ← از سرِ نازو طرب "فرزندِ فرخ" سالِ اوست

اس قطعے میں "فرزندِ فرخ" سے ۱۲۲۱ برآمد ہوتا ہے۔ ۱۲۲۱ میں حرف ن کے ۵۰ نیز حرف ط کے ۹ عدد بڑھانے پر ۱۲۸۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ قطعہ پنج شنبہ ۶ر اگست ۱۸۶۳ء [مطابق ۲۰ر صفر ۱۲۸۰ھ] کے خط بنام سیّاح میں مرقوم ہے گویا یہ تاریخ مذکورہ تک کہا جا چکا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر نے خطوطِ غالب طبع چہارم (ص ۳۷۱) میں اس خط کی تاریخ پنج شنبہ ۱۶ر اگست ۱۸۶۳ء درج کی ہے جو نہ صرف خلافِ اصل بلکہ خلافِ تقویم بھی ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے اردوئے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصہ اوّل (ص ۹۳) میں اس خط کی تاریخ پنج شنبہ ۱۷ر اگست ۱۸۶۳ء

لکھی ہے اور یہ اندراج بھی خلافِ اصل و خلافِ تقویم ہے۔ اردوئے معلّیٰ حصۂ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء (ص ۳۰) میں اس خط کے خاتمے پر پنج شنبہ ۶ اگست ۱۸۶۳ء کا اندراج ملتا ہے جو تقویم سے بھی درست ہے لیکن اردوئے معلّیٰ کی بعد کی بعض اشاعتوں میں اس خط پر غلطی سے پنج شنبہ ۱۶ اگست ۱۸۶۳ء کی تاریخ درج ہوگئی ہے جو ظاہر ہے کہ خلافِ اصل بھی ہے اور خلافِ تقویم بھی۔ تقویم میں ۱۶ اگست ۱۸۶۳ء کو پنج شنبے کے بجائے یک شنبہ ملتا ہے۔ جناب کالی داس گپتا رضا نے بھی ان امور سے باخبر نہ ہونے کی وجہ سے زیرِ بحث خط کی تاریخ ۱۶ اگست ۱۸۶۳ء درج کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اندراج بھی نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔

(۲۵) اردوئے معلّیٰ طبع اوّل (ص ۳۱۲) میں مکتوبِ غالب بنام شفق سے غالب کا ایک ایسا فارسی قطعۂ تاریخ دستیاب ہوتا ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع ۱۸۷۲ء نیز باغِ دودر میں شامل نہیں ہے:

حسین ابن علی آبروئے علم و عمل — کہ سیّد العلما نقشِ خاتمش بودے
عدو بماندے اگر [بودے] پنج سالِ دگر — ز "نجمِ حسین علی" سالِ ماتمش بودے

"نجمِ حسین علی" سے ۱۲۷۸ نکلتے ہیں جن میں سے پانچ سال کم کرنے پر سید العلما مولانا سید حسین کا سنہ وفات ۱۲۷۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ سید العلما مولانا سید حسین کی تاریخ وفات ۱۸ صفر ۱۲۷۳ھ [مطابق شنبہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۶ء] ہے اور جس خط میں غالب کا یہ قطعہ درج ہوا ہے اس کی تاریخ تحریر مولوی بشیشر پرشاد نے دو شنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۷۳ھ [مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۵۶ء] متعین کی ہے گویا غالب کا یہ فارسی قطعۂ تاریخ ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۶ء سے ۱۰ نومبر ۱۸۵۶ء تک کے درمیانی زمانے کا کلام ہے۔

(۲۶) اردوئے معلّیٰ طبع اوّل (نیز ص ۲۳۷ تا ۲۳۸) میں غالب کا یہ قطعۂ تاریخ بھی شامل ہے:

غالب حالِ سنینِ ہجری — معلوم کن از "خجستہ فرزند"
چون یک صد و بست و چار ماند — این است شمارِ عمرِ دلبند

اس قطعے میں "خجستہ فرزند" سے ۱۴۰۹ برآمد ہوتا ہے جس میں سے ۱۲۴ سال کا تخرجہ کرنے پر سنہ ولادتِ مولود ۱۲۸۵ھ مستخرج ہوتا ہے۔ یہ قطعہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء نیز طبع ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں۔ یہ نواب سید ابراہیم علی خان وفا کے ایک فرزند کی تاریخ ولادت ہے۔

(۲۷) اردوے معلیٰ عـ طبع اوّل (ص ۱۱۴) میں منشی نبی بخش کی وفات پر غالب کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع ۱۸۷۲ء نیز باغِ دودر پر اضافہ ثابت ہوتا ہے: ؎

شیخ نبی بخش، کہ با حسنِ خلق ← داشت مذاقِ سخن و فہم تیز
مرگ ستم پیشہ امانش نداد ← گیتی کہ با مرگ بہ ستیزد ستیز
سالِ وفاتش زپئے یادگار ← با دلِ زار و مژۂ دجلہ ریز
خواستم از غالبِ آشفتہ سر ← گفت: مدہ طول و بگو "رستخیز"

"رستخیز" سے منشی نبی بخش کا سنہ وفات ۱۲۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ قطعہ مکتوب غالب بنام تفتہ مورخہ دوشنبہ ۱۹ نومبر ۱۸۶۰ء [مطابق ۵ جمادی الاوّل ۱۲۷۷ھ] میں ملتا ہے [تاریخ خطوطِ غالب عـ: مرتبہ مالک رام ص ۵۷ میں موجود ہے]۔ گویا یہ قطعہ ۱۹ نومبر ۱۸۶۰ء تک کہا جا چکا تھا۔ یہ قطعۂ تاریخ اردوے معلیٰ حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء (ص ۸۵)، اردوے معلیٰ مطبوعہ نیشنل پریس الٰہ آباد (ص ۱۰۷)، خطوطِ غالب مرتبہ مولانا مہر (ص ۱۵۷)، سبد چین مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۳۸ء (ص ۶۰)، کلیاتِ غالب (جلد اوّل): مرتبہ فاضل لکھنوی (ص ۵۰۴) نیز کلیاتِ غالب مرتبہ امیر حسن نورانی (ص ۳۰۹) میں بھی موجود ہے مگر ان تمام کتابوں میں یہ قطعہ صرف تین اشعار پر مشتمل ملتا ہے اور کسی وجہ سے اس قطعے کا دوسرا شعر حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲۸) اردوے معلیٰ عـ طبع اوّل (ص ۲۳۵) میں علاؤ الدین احمد خاں نیّر علائی کے فرزند نجیبی کی وفات پر غالب کا مندرجہ ذیل فارسی قطعۂ تاریخ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء، طبع ۱۸۷۲ء نیز باغِ دودر پر اضافہ ثابت ہوتا ہے: ؎

دلگیریم اگر دعوی ہم چشمی ما کرد ← بینی کہ شود ابرِ بہاری خجل از ما
ناچار بگریم شب و روز کہ این سیل ← باشد کہ برد کالبدِ آب و گل از ما
گفتی کہ نگہ دار دل از کشمکشِ غم ← خود گرد برآورد غمِ جان گسل از ما
نجیبی شدہ از شعلۂ سوزِ غمِ ہجرش ← چون شمع دود دود بسر متصل از ما
غم دیدہ نیّر پے تاریخ وفاتش ← بنوشتہ کہ "داغ" بر "سوختہ دل از ما"

اس قطعے میں کمالِ تجنیہ تعمیہ سے ۱۲۷۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ قطعہ غالب نے چہار شنبہ ۲۷ رمضان ۱۲۷۴ھ [مطابق ۲ ارمئی ۱۸۵۸ء] کو دو پہر بعد کہا تھا جیسا کہ خط میں خود غالب کے بیانات سے ظاہر ہے [اردوے معلیٰ طبع اوّل ص ص ۲۳۴ تا ۲۳۵]۔

(۲۹) اردوئے معلّیٰ ۱ طبع اوّل (ص ۲۲۷ تا ۲۲۸) میں نو اشعار پر مشتمل غالب کا ایک ایسا فارسی قطعہ شامل ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء و طبع جنوری ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں۔ اس قطعے کا پہلا اور آخری شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

پہلا شعر: صبح دم با ابو البشر گفتم ← بارۂ زر بدہ کہ زر داری

آخری شعر: گفت با با فسانہ [بود سخن] ← چہ فرو ریزم و چہ بر داری

غالب کا یہ قطعہ دوشنبہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ [مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۴ء] تک کہا جا چکا تھا کیونکہ یہ اسی تاریخ کے خط بہ نام علائی میں مرقوم ملتا ہے۔

(۳۰) شعر: ہاں نسیمی زمن چہ می خواہی ← زحمتِ خویشتن چہ می خواہی

یہ شعر اردوئے معلّیٰ حصّہ اوّل طبع ۱۸۶۹ء (ص ۱۵۱) میں مکتوبِ غالب بہ نام علاؤ الدین احمد خاں نسیمی و علائی میں درج ملتا ہے۔ یہ شعر بہ ظاہر غالب کا کلام معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے یہ غالب کے فارسی کلام کے مجموعوں میں تلاش کے باوجود نہ ملا۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ شعر دوشنبہ ۱۳ محرم ۱۲۷۵ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء کے خط میں مرقوم ہے لہٰذا یہ تاریخ مذکورہ تک کہا جا چکا ہوگا۔

(۳۱) اردوئے معلّیٰ ۱ طبع اوّل (ص ۲۳۷) میں مکتوبِ غالب بہ نام میر ابراہیم علی خاں وفا میں وفا کے فرزند کی ولادت کے متعلق غالب کی جو مندرجہ ذیل فارسی رباعی شامل ہے وہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء و طبع ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں:

حق داد بہ سیّد زپئے انعامش ← فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش

تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش ← "ارشاد حسین خاں" کہ باشد نامش

"ارشاد حسین خاں" سے ۱۲۸۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ رباعی جس خط میں مرقوم ہے وہ اردوئے معلّیٰ ۱ طبع اوّل میں بے تاریخ ہے۔ لیکن مکتوبِ غالب بہ نام حکیم سید احمد حسن مودودی مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء [مشمولہ اردوئے معلّیٰ حصہ اوّل طبع اوّل ص ص ۲۴۶ تا ۲۴۷] میں غالب کے بیانات سے پتا چلتا ہے کہ زیرِ بحث رباعی ۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء [مطابق جمعہ ۲۵ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ] کے کچھ عرصہ بعد کہی گئی ہوگی۔

(۳۲) اردوئے معلّیٰ ۱ طبع اوّل (ص ۹۲) میں غالب کی یہ فارسی رباعی ملتی ہے:

جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد ← از افسر و گردن افسر لرزد

خورشید ز اندیشۂ جاور گردش ← بر چرخ نہ بینی کہ چساں می لرزد

یہ رباعی ۲۸ اگست ۱۸۵۸ء تک ہی جا چکی تھی کیونکہ یہ اسی تاریخ کے خط بہ نام تفتہ میں درج ملتی ہے۔ یہ رباعی کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء و طبع جنوری ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں۔ یہ فارسی رباعی دراصل غالب نے اپنی کتاب دستنبو کے لیے کہی تھی۔ چنانچہ یہ دستنبو میں شامل ہوئی ہے[۲۷]

(۳۳) اردوئے معلیٰ عا طبع اوّل (ص ۱۰۰) میں سات اشعار پر مشتمل غالب کی ایک ایسی فارسی غزل ملتی ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء نیز طبع ۱۸۷۲ء پر اضافہ ثابت ہوتی ہے۔ ذیل میں اس غزل کا مطلع و مقطع منقول ہے:

مطلع: از جسم بہ جاں نقاب تا کے ⇐ ایں گنج دریں خراب تا کے

مقطع: غالب بکشند گشتنی اند ⇐ یا حسرت بر تراب تا کے

یہ فارسی غزل غالب کے جس خط میں شامل ہے وہ اردوئے معلیٰ حصّہ اوّل طبع اوّل میں بے تاریخ ہے لیکن مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کو اس مکتوب کا اصل نسخہ [بہ خطِ غالب] مل گیا ہے جس میں زیرِ بحث مکتوب کی تاریخ تحریر شنبہ ۸ رجون ۱۸۶۱ء درج ملتی ہے۔ تقویم شنبہ ۸ رجون ۱۸۶۱ء کو ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ کے مطابق بتاتی ہے۔ اس طرح استادِ محترم مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی [مقیم حال لاہور] کی جستجو کے نتیجے میں علائی کے نام غالب کے اس بے تاریخ خط [مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع اوّل ص ص ۳۹۸ تا ۴۰۲] کی تاریخ شنبہ ۸ رجون ۱۸۶۱ء [مطابق ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ] متعین ہوتی ہے۔ ان امور سے واضح ہوتا ہے کہ غالب کی محولہ فارسی غزل ۸ رجون ۱۸۶۱ء تک کہی جا چکی تھی۔

(۳۴) اردوئے معلیٰ عا طبع مارچ ۱۸۶۹ء (ص ۱۱۵) میں آٹھ اشعار پر مشتمل غالب کی ایک ایسی فارسی غزل شامل ہے جو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء نیز طبع جنوری ۱۸۷۲ء میں موجود نہیں۔ یہ غزل اب سبدِ چین طبع ۱۹۳۸ء (ص ص ۶۶ تا ۶۷) اور باغِ دودر (متن ص ۳۷) میں بھی درج ہوئی ہے مگر باغِ دودر میں اس کے اشعار کی تعداد سات ہے۔ اردوئے معلیٰ عا طبع اوّل سے غالب کی یہ فارسی غزل ذیل میں منقول ہے:

(۱) جز دفعِ غم ز بادۂ[۲۸] نبود است کامِ ما ⇐ گوئی چراغِ روزِ سیاہ است جامِ ما

(۲) در خلوتش گزر نبود باد را مگر ⇐ حرفِ حریمِ پاک رواں در ساند پیامِ ما

(۳) اے بادِ صبح عطرِ اداں بیرہن بیار ⇐ تسکیں ز بوئے گل نپذیرد مشامِ ما

(۴) پر بار داد بہرِ ہما اقلیم و حور ⇐ آید بدام و دانہ ربایدِ ز دامِ ما

(۵) گفتی چو حال دل شنود مہرباں شود ← مشکل کہ پیش دوست تواں برد نام ما

(۶) از ما ہما پیام و ہم از ما ہما سلام ← دریغ دل مباد پیام و سلام ما

(۷) مقصود ما ز دہر پراگندہ نیستی ست ← یارب کہ ہیچ دوست مبادا بہ کام ما

(۸) غالب بہ قول حضرت حافظ رفیق عشق ← "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

اس غزل کا ساتواں شعر باغ دو در (ش ص ۷۳) میں موجود نہیں۔ اس غزل کا شعر نمبر ۶ مکتوب مفتی سید محمد عباس بہ نام غالب میں قدرے بدلی ہوئی شکل میں یوں درج ہوا ہے: ؎

از من ہمی سلام و ہم از من ہمی پیام ← دریغ دل مباد پیام و سلام ما

مفتی: محمد عباس نے اپنے خط میں غالب کو یہ اطلاع بھی دی تھی کہ یہ شعر نواب سید باقر علی خاں [خلف وزیر اودھ آغا میر] کو بہت پسند آیا تھا۔ غالب نے اپنے مکتوب بہ نام مفتی محمد عباس [مشمولہ اردوئے معلّٰی طبع اول ص ۲۱۸] میں شعر کی پسندیدگی پر نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ غالب کے اس خط [بہ نام مفتی محمد عباس] کی تاریخ تحریر شنبہ ۱۹ صفر ۱۲۷۹ھ [مطابق ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء] متعین ہوئی ہے [دیکھئے عود ہندی مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۲۳۳]۔ گویا غالب کی یہ غزل اپنی ابتدائی شکل میں ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء سے قبل کہی جا چکی ہوگی۔ غالب کی اسی غزل کا ایک فاضل شعر بہ طور مقطع مکتوب غالب بہ نام مولوی محمد حبیب اللہ مورخہ سہ شنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ [مطابق ۱۷ ستمبر ۱۸۶۱ء] مشمولہ پنج آہنگ میں بھی مرقوم ملتا ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی زیر بحث فارسی غزل ۱۷ ستمبر ۱۸۶۱ء سے قبل اپنی ابتدائی شکل میں کہی جا چکی ہوگی۔ پنج آہنگ سے غزل کا فاضل شعر نقل ہے: ؎

غالب بہ خود بیاں کہ گشتیم رو شناس ← در دفتر وزیر نوشتند نام ما

اردوئے معلّٰی طبع اول (ص ۲۱۵) میں اس غزل کا جو مقطع درج ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی یہ غزل خواجہ حافظ کی زمین میں ہے اور مقطع کا مصرعۂ ثانی حافظ سے مستعار ہے۔ وزیر الحسن عابدی نے غالب کی اس غزل پر مفید بحث کی ہے [باغ دو در تحقیق نامہ ص ص ۲۱۷ تا ۲۱۸]: جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی یہ غزل حافظ کی غزل: "ساقی بنور بادہ برافروز جام ما" کے تتبع میں کہی گئی ہے۔

اردوئے معلّٰی طبع اول (ص ص ۱۹۹ تا ۲۰۱) کے جس خط سے غالب کی یہ غزل نقل کی گئی ہے وہ علاؤ الدین احمد خاں علائی کے نام ہے اور اردوئے معلّٰی میں

یہ خط تاریخ سے بھی محروم ہے۔ خطوطِ غالب (عٹ) مرتبہ مالک رام (ص ص ۳۸۰ تا ۳۸۱) نیز خطوطِ غالب مرتبہ مولانا غلام رسول مہر (ص ۶۰) میں بھی یہ خط بے تاریخ ہے مگر ان دونوں کتابوں میں اس خط کو ۱۵ر اکتوبر ۱۸۶۱ء کے بعد مگر ۱۲ر نومبر ۱۸۶۱ء سے قبل کا مکتوب مانا گیا ہے۔ چنانچہ بہ تقلیدِ مولانا غلام رسول مہر جناب وزیر الحسن عابدی نے بھی اس خط کو ۱۸۶۱ء کا مکتوبہ مانا ہے۔ لیکن اس خط کا اصل نسخہ (بہ خطِ غالب) لاہور ۔ میوزیم میں موجود ہے اور اس پر خط کی تاریخ تحریر "صبح دوشنبہ نہم رجب ۱۲۸۰ھ" مرقوم ہے[12]۔ تقویم میں ۹ر رجب ۱۲۸۰ھ دوشنبہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۶۳ء کے مطابق ملتی ہے۔ گویا علائی کے نام غالب کے جس زیرِ بحث خط کو مولانا غلام رسول مہر، مالک رام اور ۔ سید وزیر الحسن عابدی ۱۸۶۱ء کا سمجھ رہے تھے وہ خط دراصل دوشنبہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۶۳ء کا مکتوبہ ہے۔ امید ہے کہ مرتبین خطوطِ غالب آیندہ زیرِ بحث خط کے لیے مذکورہ تاریخ کو ملحوظ رکھیں گے۔

حواشی

[1] ادبی خطوطِ غالب: مرتبہ مرزا محمد عسکری۔ ادارۂ فروغِ اردو لکھنؤ طبع ۱۹۷۰ء ص ۹

[2] اردوے معلّیٰ (حصّہ اوّل): غالب۔ اکمل المطابع دہلی طبع اوّل ص ۱۶۱ [ممولۂ کاظم علی جان]

[3] غالب: ڈاکٹر سید عبد اللطیف۔ مترجمہ سید معین الدین قریشی۔ جہانگیر بک ڈپو دہلی ص ۲۹

[4] اردو اسالیب نثر: ڈاکٹر امیر اللہ شاہین۔ جمال پرنٹنگ پریس دہلی طبع اپریل ۱۹۷۷ء ص ۱۴۱ نیز ص ۱۴۲

[5] عودِ ہندی: غالب۔ مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ ۱ر رجب ۱۲۸۵ھ ص ۱۸۸

[6] اردوے معلّیٰ (حصّہ اوّل): غالب۔ اکمل المطابع دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۱۵۸

[7] اردوے معلّیٰ عٹ طبع اوّل ص ۵ ، ص ۱۵۷، ص ۱۵۸ نیز ص ۱۶۴

[8] رک مکتوب غلام غوث خاں بے خبر بہ نام مولوی عبد القیوم مشمولہ فغانِ بے خبر ص ۱۴۲ [بہ حوالہ اردوے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ اوّل جلد اوّل: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل۔ مجلس ترقیِ ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۳]

[9] بہ حوالہ اردوے معلّیٰ صدی ایڈیشن حصّہ اوّل: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۱۲۹ – مکتوب بہ نام تفتہ مشمولہ اردوے معلّیٰ عٹ طبع اوّل ص ص ۸۲ تا ۸۳

[10] مکتوب غالب بہ نام احمد حسن مودودی مشمولہ اردوے معلّیٰ عٹ طبع اوّل ص ۲۳۷

[11] فغانِ بے خبر ص ۱۳۶ [بہ حوالہ مولانا فاضل لکھنوی]

[12] بہ حوالہ خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ (راقم الحروف) ص ۱۶۵

۱۳؎ مطالعۂ خطوطِ غالب: عبدالقوی دسنوی، شائع کردہ شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال طبع فروری ۱۹۷۵ء ص ۱۶ (اشاعت ۲)

۱۴؎ اس سلسلے میں مولانا فاضل لکھنوی نے اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن مقدمہ ص ص ۸ تا ۱۰ میں مفصل بحث کی ہے۔

۱۵؎ بحوالہ نگار رام پور جون ۱۹۶۳ء ص ۲۶ [مضمون: اکبر علی خان عرشی زادہ]

۱۶؎ اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن: مرتبہ فاضل لکھنوی مقدمہ ص ۲۴

۱۷؎ مکاتیبِ غالب: مرتبہ امتیاز علی خان عرشی - ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۳۷ء دیباچہ ص ۲۵

۱۸؎ مکاتیبِ غالب دیباچہ ص ۲۵۱ میں مولانا عرشی نے سیاح کے نام خطوط کی تعداد ۲۹ لکھی ہے جو درست نہیں۔

۱۹؎ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱۲۳ میں مکتوبِ غالب مورخہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء کو تفتہ کے نام درج کیا گیا ہے مگر بعد کی تحقیق سے یہ خط تفتہ کے بجائے مرزا حاتم علی مہر کے نام ثابت ہوا ہے [اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ص ۲۴۴ تا ۲۴۵]۔ اس ایک خط کے کم ہونے سے اردوئے معلیٰ ع۱ میں تفتہ کے نام خطوط کی تعداد ۸۸ رہ جاتی ہے۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی نے ان امور کو ملحوظ نہ رکھ کر اردوئے معلیٰ ع۱ میں تفتہ کے نام خطوط کی تعداد ۸۹ درج فرمائی ہے [مکاتیبِ غالب دیباچہ ص ۲۵۱]۔

۲۰؎ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول ص ۱۹۶ میں غلطی سے "ایضاً" حذف ہو جانے کے باعث مجروح کے نام ایک خط: "برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا ---" اپنے سے قبل کے خط میں شامل ہو گیا ہے حالانکہ عودِ ہندی طبع اول (ص ص ۷۹ تا ۸۱) میں مجروح کے نام کا یہ خط ایک علاحدہ مکتوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس علاحدہ خط کو ملا کر اردوئے معلیٰ ع۱ میں مجروح کے نام خطوط کی تعداد ۴۴ ہو جاتی ہے جسے مولانا عرشی نے ۴۳ لکھا ہے [مکاتیبِ غالب دیباچہ ص ۲۵۱]۔

۲۱؎ مکاتیبِ غالب دیباچہ ص ۲۵۱ میں مولانا عرشی نے جنون کے نام خطوں کی تعداد ۱۱ لکھی ہے حالانکہ اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول (ص ص ۲۰۶ تا ۲۱۳) میں جنون کے نام بظاہر ۱۲ خط نظر آتے ہیں۔ لیکن ان ۱۲ خطوط میں سے تین خطوں میں تین ایسے خط بھی غلطی سے شامل ہو گئے ہیں جو عودِ ہندی میں جنون کے نام تین علاحدہ خطوط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول میں جنون کے نام خطوط کی اصل تعداد [۱۲ + ۳] ۱۵ ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دیکھیے اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصہ اول: مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی خط نمبر ۲۲۰، خط نمبر ۲۲۵ نیز خط نمبر ۲۳۰

۲۲؎ مکاتیبِ غالب دیباچہ ص ۲۵۱ میں اردوئے معلیٰ ع۱ طبع اول کے مکتوب الیہم کی فہرست میں حکیم ظہیر الدین احمد خاں کا نام موجود نہیں ہے۔ شاید یہ سہو کتابت ہو۔

۲۳ اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل (ص ص ۲۶۸ تا ۲۷۰) میں مہرؔ کے نام ۱۸ خطوط ہیں۔ ان کے علاوہ کتاب (ص ۱۲۳) میں ۱۳ر نومبر ۱۸۵۸ء کا خط بھی مہرؔ کے نام ہے جسے غلطی سے تفتہؔ کے نام منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس طرح مہرؔ کے نام خطوں کی مجموعی تعداد ۱۹ ہو جاتی ہے۔

۲۴ اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل (ص ص ۲۷۰ تا ۲۷۲) میں منشی نبی بخش حقیرؔ کے نام بظاہر دو خط ملتے ہیں لیکن دوسرا خط مورخہ ہفدہم جنوری ۱۸۵۹ء حقیرؔ کے بجائے منشی شیو نرائن آرامؔ کے نام ثابت ہوا ہے [تفصیل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "نادراتِ غالبؔ کا تحقیقی جائزہ" مشمولہ ہماری زبان دہلی مورخہ ۸ر اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۲ نیز ص ۹]۔ اس طرح اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل میں اب نبی بخش حقیرؔ کے نام غالبؔ کا صرف ایک خط رہ گیا ہے۔

۲۵ اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل (ص ۲۹۵) میں ثاقبؔ کے لیے بہ طرزِ رباعی دو منظوم خطوط بھی ہیں جنھیں چھوڑ کر کتاب میں ثاقبؔ کے نام غالبؔ کے نثری خطوط کی تعداد ۶ رہ جاتی ہے۔

۲۶ اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل (ص ص ۳۲۱ تا ۳۲۳) میں کاملؔ کے نام تین خطوط ہیں مگر مولانا عرشی نے کتاب میں کاملؔ کے نام خطوط کی تعداد ۲ بتائی ہے جو درست نہیں [مکاتیبِ غالبؔ دیباچہ ص ۱۵۱]۔

۲۷ اردوئے معلّیٰ عث طبع اوّل (ص ص ۳۴۹ تا ۳۸۶) میں شیو نرائن آرامؔ کے نام ۳۳ خطوط ہیں مگر اردوئے معلّیٰ (ص ۲۷۲) میں مورخہ ہفدہم جنوری ۱۸۵۹ء کا خط بھی دراصل آرامؔ کے نام ہے حالانکہ یہ خط غلطی سے نبی بخش کے نام درج ہو گیا ہے۔ اس طرح کتاب میں شیو نرائن آرامؔ کے نام خطوط کی تعداد ۳۴ ہو جاتی ہے۔

۲۸ تفصیل کے لیے دیکھیے میرا سلسلہ "عقدِ غالبؔ کی تاریخ ایک انکشاف" مشمولہ ہماری زبان دہلی مورخہ ۱۵ر اپریل ۱۹۸۰ء ص ۶

۲۹ خطوطِ غالبؔ: مرتبہ غلام رسول مہرؔ ـ علمی پرنٹنگ پریس لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۸۱م

۳۰ متداول اردو دیوان سے دیوانِ غالبؔ کی وہ پانچ اشاعتیں مراد ہیں جو غالبؔ کی زندگی میں منظرِ عام پر آئی تھیں اور جن کی تفصیل دیوانِ غالبؔ اردو (نسخۂ عرشی): مرتبہ امتیاز علی عرشی ـ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۵۸ء (دیباچہ ص ص ۹۲ تا ۱۰۹) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دیوانِ غالبؔ کی یہ پانچوں معاصر اشاعتیں سردست میری دسترس میں نہیں۔ یہاں غالبؔ کا جو غیر متداول اردو کلام پیش کیا گیا ہے وہ دیوانِ غالبؔ اردو (نسخۂ عرشی) کے مندرجات کی روشنی میں غالبؔ کے متداول اردو دیوان میں شامل نہیں۔

۳۱ غالبؔ کا منسوخ دیوان: مرتبہ مسلم ضیائی ـ ادارۂ یادگارِ غالبؔ کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۳۲۸

۳۲ شعاعِ مہر : مرزا حاتم علی مہر - مطبع حیدری آگرہ طبع دسمبر ۱۸۶۰ء ص ۳ [صفحاتِ تقاریظ]۔ تفصیل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "شعاعِ مہر پر غالب کی ایک تقریظ" مشمولہ خبرنامہ لکھنؤ ماہ مئی و جون ۱۹۷۶ء ص ۵ و بعدہ۔

۳۳ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۵۵

۳۴ دیوانِ غالب - مطبع صدر مجلس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء (ص ۷۶) میں یہ غزل صرف تین اشعار پر مشتمل ملتی ہے جو ذیل میں منقول ہیں : سہ

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے ← غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے ← رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی ← یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

۳۵ غالب نامہ : شیخ محمد اکرام - مرکنٹائل پریس لاہور طبع ۱۹۳۶ء ص ص ۱۹ تا ۴۲

۳۶ کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء نیز طبع جنوری ۱۸۷۲ء میرے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں اور کلیاتِ غالب کی ان دونوں اشاعتوں کی تفصیل میں نے اپنے مضمون "غالب اور منشی نول کشور" مشمولہ منشی نول کشور نمبر نیا دور لکھنؤ نومبر دسمبر ۱۹۸۰ء (ص ص ۱۴۸ تا ۱۴۹ نیز ص ۱۵۲) میں پیش کی ہے۔

۳۷ تلاش کے باوجود میں مندرجہ ذیل مصادر کو اس شعر سے خالی پاتا ہوں :

(۱) کلیاتِ غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء

(۲) کلیاتِ غالب - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع جنوری ۱۸۷۲ء

(۳) کلیاتِ غالب : مرتبہ امیر حسن نورانی - راجا رام کمار بک ڈپو لکھنؤ طبع فروری ۱۹۶۸ء

(۴) باغِ دودر : غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی پنجابی ادبی اکیڈمی پریس لاہور طبع ۱۹۷۰ء [اس کتاب کے لیے میں جناب پروفیسر آغا سہیل لاہور کا ممنون ہوں]۔

۳۸ رک : (۱) سبدِ چین : مرتبہ مالک رام - مکتبہ جامعہ دہلی طبع ۱۹۳۸ء ص ۷۵ [یہ کتاب جناب مالک رام نے رجسٹرڈ ڈاک سے مجھے عاریتاً مرحمت فرمائی تھی جس کے لیے میں ممنون ہوں]۔

(۲) کلیاتِ غالب (فارسی) جلد سوم : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلس ترقیِ ادب لاہور طبع ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۲۱۳ [بہ شکریہ جناب ڈاکٹر نیر مسعود]۔

۳۹ کلیاتِ غالب فارسی جلد اول : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مجلس ترقیِ ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۵۰۷

۴۰ رک : (۱) اردوئے معلیٰ (حصہ اول) - مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۲۲

(۲) اردوئے معلیٰ مطبوعہ نیشنل پریس الہ آباد ص ۲۵

ح۱ متعلقات غالب: کالیداس گپتا رضا - ومل پبلی کیشنز بمبئی طبع اگست ۱۹۷۸ء ص ۱۰۶

ح۲ اصل ماخذ میں لفظ "بودے" نہیں ہے - لفظ "بودے" کا اضافہ اردوئے معلیٰ ح۱ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۲۳۷ سے کیا گیا ہے - عود ہندی طبع اوّل ص ۵۵ میں اس قطعے میں اس جگہ لفظ "بودے" کے بجائے لفظ "زندہ" مرقوم ہے۔

ح۳ بہ حوالہ عود ہندی: غالب - مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۱۴۶ (حاشیہ ۱)

ح۴ ایضاً ص ۱۴۷

ح۵ ماخذ میں "بسیجد" درج ہوا ہے۔

ح۶ ماخذ میں "بودہ است" تھا جس سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے۔

ح۷ دستنبو مشمولہ کلیات نثر غالب - مطبع منشی نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۳۸۸

ح۸ ماخذ میں یہاں "زیادہ" درج ہے جو "زبادہ" کی تصحیف ہے۔

ح۹ تجلیات: مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی - نظامی پریس لکھنؤ طبع اوّل (ارباب السیرۃ) ص ۱۹۵

ح۱۰ پنج آہنگ مشمولہ کلیات نثر غالب طبع ۱۸۸۸ء ص ص ۲۴۶ تا ۲۴۷

ح۱۱ اس اطلاع کے لیے میں استاد محترم مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کا ممنون ہوں۔

اردوے معلیٰ [حصہ اوّل] کے پہلے ایڈیشن میں میر مہدی حسین مجروح نے اپنے دیباچے میں کتاب کے جس دوسرے حصے کا اعلان کیا تھا[۱] وہ ایک طویل عرصے تک اشاعت سے محروم رہ کر ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ اردوے معلیٰ [حصہ دوم] پہلی بار اپریل[۲] ۱۸۹۹ء میں بہ اہتمام محمد عبد الاحد مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔

اس کی ضخامت ۱۴۴ صفحات ہے جیسا کہ فاضل لکھنوی نے بھی لکھا ہے[۳]

اس کا سائز ۲۴×۱۶ سنٹی میٹر اور سطر ۲۱ سطری ہے۔ اس میں غالب کے ۵۳ خطوط کے علاوہ پانچ دیباچے اور دو تقریظیں بھی شامل ہیں۔ اردوے معلیٰ [حصہ اول] دیباچوں اور تقریظوں سے خالی تھا اور یہ صرف غالب کے مکاتیب پر مشتمل تھا۔ اردوے معلیٰ [حصہ دوم] طبع اپریل ۱۸۹۹ء میں شامل دیباچوں اور تقریظوں کی تفصیل ذیل میں پیش ہے:

① دیباچۂ سراج المعرفت [ص ص ۱ تا ۵]۔ عودِ ہندی[۴] طبع اوّل اور اس کے ابتدائی اشاعتیں اس دیباچے سے خالی ہیں۔ اردوے معلیٰ [حصہ دوم] طبع ۱۸۹۹ء سے قبل غالب کا یہ دیباچہ مولوی راحت علی عرف میرلال کی کتاب موسومہ سراج المعرفت و منہاج رحمت [مطبع سلطانی دہلی مطبوعہ ۳ رجمادی الاوّل ۱۲۷۰ھ مطابق پنج شنبہ ۲ رفروری ۱۸۵۴ء] میں شائع ہو چکا تھا[۵]۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے ایک جگہ غالب کے اس دیباچے کو "تقریظ" لکھا ہے[۶]۔ دیباچے اور تقریظ میں جو فرق ہے اس کے پیشِ نظر دیباچے کو تقریظ قرار دینا محلِ نظر ہے۔ سراج المعرفت پر جناب قاضی عبد الودود کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے[۷]۔

② دیباچۂ حدائق الانظار [ص ص ۵ تا ۸]۔ یہ دیباچہ عودِ ہندی طبع اوّل [ص ص ۱۸۲ تا ۱۸۴] میں شامل ہے۔

③ تقریظِ کتاب بہادر شاہ ظفر [ص ص ۸ تا ۱۱]۔ اس تقریظ کا تقریباً نصف اوّل تمہیدی حصہ بعض اختلافات کے ساتھ تقریظِ مثنوی ابرِ گہر بار مشمولہ عودِ ہندی طبع اوّل [ص ص ۱۷۹ تا ۱۸۰] میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

④ تقریظِ گلزارِ سرور [ص ص ۱۱ تا ۱۲]۔ یہ تقریظ عودِ ہندی طبع اوّل [ص ص ۱۸۰ تا ۱۸۲] میں بھی بعض اختلافات کے ساتھ شامل ملتی ہے۔

⑤ دیباچۂ دیوانِ ذکا [ص ۱۲]۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں اسے بہ دلائل دیباچے کے بجائے تقریظ قرار دیا ہے۔ خلیل الرحمٰن داؤدی کا یہ ارشاد خلافِ واقعہ ہے کہ غالب کی زیرِ بحث تحریر عودِ ہندی میں شامل تھی[۸] جبکہ عودِ ہندی غالب کی اس تحریر سے خالی ملتی ہے۔

⑥ دیباچۂ مجموعۂ قصائد نادر [ص ص ۱۳ تا ۱۴]۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اس دیباچے کو کتاب کے صفحہ ۱۳ پر درج بتایا ہے[۹] لیکن مجھے یہ صفحات ۱۳ تا ۱۴ میں ہی درج ملتا ہے۔ یہ دیباچہ عودِ ہندی طبع اوّل [ص ۱۸۵] میں بھی موجود ہے۔

(۷) دیباچہ رسالہ فرزند احمد صفیر بلگرامی [ص ۱۴] — مولانا فاضل لکھنوی نے
اس دیباچہ کا ذکر کیا ہے[۱۱]۔

یہ دیباچہ عود ہندی طبع اول [ص ص ۱۸۴ تا ۱۸۵] میں بھی شامل ہے۔

ان دیباچوں اور تقریظوں کے بعد اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء میں غالب کے ۵۳ خطوط شامل ہیں۔ کتاب میں یہ ۵۳ خطوط اگرچہ ۱۰ مکتوب الیہم کے نام ملتے ہیں لیکن بعد کی تحقیق سے مکتوب الیہم کی صحیح تعداد ۱۱ ثابت ہوتی ہے۔ کتاب میں سب سے زیادہ خطوط تفتہ کے نام ہیں اور ان کی تعداد ۳۴ ہے۔ مولانا فاضل لکھنوی نے ایک جگہ تفتہ کے نام خطوط کی یہ تعداد خلاف واقعہ ۳۳ قرار دی ہے[۱۱]۔ ممکن ہے کہ یہ کتابت کا سہو ہو۔ [ص ص ۱۵ تا ۶۴]

مہیش پرشاد و فاضل لکھنوی کی متعین کردہ تاریخوں کی روشنی میں اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء کے خطوط اگست ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۸ء تک کے زمانے کو محیط ہیں۔ کتاب [ص ص ۱۹ تا ۲۰] میں تفتہ کے نام جو پہلا خط ہے اس کا زمانۂ تحریر مہیش پرشاد نے اگست ۱۸۵۰ء تحریر کیا ہے[۱۲]۔ اس کے علاوہ تفتہ و ہیرا سنگھ کے نام کتاب میں شامل کئی خطوط فاضل لکھنوی کے بموجب ۱۸۶۸ء میں تحریر ہوئے تھے[۱۳]۔ بہ لحاظ ترتیب کتاب کا پہلا خط تفتہ کے نام ہے اور آخری خط کے مکتوب الیہ میر مہدی مجروح ہیں۔ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء میں شامل خطوط اور ان کے مکتوب الیہم کی تعداد مع حوالہ صفحات سطور ذیل میں درج کی جاتی ہے:

مکتوب الیہم	تعداد خطوط	حوالہ صفحات
(۱) منشی ہرگوپال تفتہ	۳۴	ص ص ۱۵ تا ۴۱
(۲) ماسٹر پیارے لال	۱	ص ص ۴۱ تا ۴۲
(۳) منشی حبیب اللہ ذکا	۵	ص ص ۴۲ تا ۴۶
(۴) میاں داد خاں سیاح	۵	ص ص ۴۶ تا ۵۱
(۵) شہزادہ بشیر الدین	۱	ص ص ۵۱ تا ۵۲
(۶) عبدالغفور سرور[۱۴]	۱	ص ص ۵۲ تا ۵۴
(۷) منشی کیول رام ہشیار	۱	ص ص ۵۴ تا ۵۵
(۸) مولوی کرامت علی	۱	ص ص ۵۵ تا ۶۰
(۹) منشی جواہر سنگھ جوہر	۱	ص ص ۶۰ تا ۶۲
(۱۰) منشی ہیرا سنگھ	۱	ص ۶۲
(۱۱) میر مہدی مجروح	۲	ص ص ۶۳ تا ۶۴

مکتوب الیہم کی تعداد = ۱۱ | خطوط کی تعداد ۵۳

اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء کی جلد کے آخری صفحے پر کتاب کے ناشر محمد عبد الاحد کا یہ اعلان چھپا ہے:

"رقعات مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب الموسوم بہ اردوئے معلیٰ
ہندوستان کے سعدی مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی
کی اجازت سے مطبع میں دوبارہ چھپے تو مولانا موصوف نے ایک
قلمی مسودہ بھی مرزا صاحب کے رقعات کا اپنے پاس سے
بعد نظر ثانی و اضافہ نوٹ مطبع کو عنایت فرمایا جو کہ پہلے کبھی
چھپا نہ تھا اور اُن ہی کے ارشاد سے اس کا نام حصہ دوم اردوئے معلیٰ
رکھا گیا۔ اس حصے میں خاص کر وہ رقعات ہیں جن میں مرزا صاحب
نے لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت
کی ہے یا نکتہ بتایا ہے اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی
ہیں۔ امید ہے کہ یہ حصہ بھی شائقین کے لیے سرمۂ چشم بصیرت
ہوگا۔ کاپی رائٹ بذریعہ رجسٹری باضابطہ محفوظ ہے۔
المشتہر محمد عبد الاحد عفی عنہ مہتمم و پراپرائٹر مطبع مجتبائی دہلی"

اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء کا مسودہ مع حواشی ناشر کو مولانا حالی نے براہ عنایت فراہم کیا تھا۔[۱۵] اپریل ۱۸۹۹ء کے تقریباً ۱۱ برس بعد جب اردوئے معلیٰ حصہ دوم ۱۹۱۰ء میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی تو اس کے ناشر محمد عبد السلام نے اپنے تعارفی بیان میں یہ لکھ دیا کہ اردوئے معلیٰ کا "دوسرا حصہ... مولانا حالی نے مرتب کیا۔"[۱۶] اس بیان سے یہ شہرت عام ہو گئی کہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم کے مرتب مولانا حالی تھے۔ مالک رام[۱۷] اور ڈاکٹر عبد الستار صدیقی[۱۸] بھی اسی نظریے کے حامی ہیں لیکن مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مولانا حالی کو اردوئے معلیٰ حصہ دوم کا مرتب نہیں مانتے۔ مولانا فاضل لکھنوی کا خیال ہے کہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم کے مرتبین وہی افراد ہیں جنھوں نے کتاب کا حصہ اوّل مرتب کیا تھا۔[۱۹] اردوئے معلیٰ حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء [ص ص ۴ تا ۵] میں میر مہدی حسین مجروح کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے دونوں حصے جواہر سنگھ جوہر، میر فخر الدین اور لالہ بہاری لال [مشتاق] نے مرتب کیے تھے۔ مجروح نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب کا دوسرا حصہ مطالب مشکلہ اور تقریظ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ کتاب کے دوسرے حصے کے متعلق مجروح کا یہ بیان اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء کے مندرجات پر منطبق ہوتا ہے۔

اردوئے معلیٰ حصہ دوم کے خطوط پر نمبر درج نہیں ہیں۔ کتاب کی اس خامی کے باعث اس کے خطوط کو شمار کرنے اور خطوط کے حوالے دینے میں دشواری ہوتی ہے۔ خطوط کی ایک قابل لحاظ تعداد تاریخوں سے محروم ہے لیکن اب غالب شناسوں نے متعدد خطوط کی تاریخیں متعین کر لی ہیں۔ ان تاریخوں کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں خطوط کی ترتیب سلسلہ وار تاریخوں پر مبنی نہیں یعنی بہ لحاظ زمانہ پہلے کے تحریر شدہ خطوط بعد کو درج ہوئے ہیں اور بعد کے خطوط پہلے

درج ملتے ہیں لیکن کتاب میں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ہر مکتوب الیہ کے نام تمام خطوط یک جا رہیں۔ عود ہندی طبع اول میں خطوط کی ترتیب کئی مکتوب الیہم کے سلسلے میں اس وصف سے بھی محروم ملتی ہے۔ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء کے بعض خطوط کی تاریخوں کے تعین کے متعلق چند ضروری امور سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء [ص ۳۷] میں مکتوب غالب بہ نام تفتہ ["میں تم کو خط بھیج چکا ہوں ..... دونوں کجد ہے۔ والسلام اسد اللہ"] تاریخ تحریر سے محروم ہے۔ مولانا غلام رسول مہر، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اور مالک رام جیسے غالب شناسوں نے اس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۵۱ء تجویز کیا ہے[۲۰] لیکن مکتوب غالب بہ نام منشی نبی بخش حقیر مورخہ ۶/ اکتوبر ۱۸۵۳ء [مشمولہ نادرات غالب: مرتبہ آفاق حسین آفاق، مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصہ دوم ص ص ۴۶ تا ۴۷] کا بافہم مطالعہ تفتہ کے نام اس زیر بحث خط کو ۶/ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے فوری بعد کا رقعہ ثابت کرتا ہے۔ دونوں خطوں میں عطا اللہ خاں نامی کے متعلق غالب کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں خط قریبی زمانے کے ہیں[۲۱]

(۲)

اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء [ص ۱۰۷] میں منشی حبیب اللہ ذکا کے نام غالب کے ایک خط کے خاتمے پر "روز چہار شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۶/ اگست ۱۸۶۳ء" کا اندراج ملتا ہے۔ یہ اندراج خلاف تقویم ہے۔ تقویم[۲۲] چہار شنبہ ۲۶/ اگست ۱۸۶۳ء کو ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ کے مطابق بتاتی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر بھی اس خط کے لیے ۱۲۸۰ھ کو درست تسلیم کرتے ہیں [خطوط غالب: مرتبہ غلام رسول مہر طبع ۱۹۶۸ء ص ۳۸۶] مگر مولانا فاضل لکھنوی نے اس خط کو خلاف تقویم ۱۲۷۹ھ کا مکتوب مانا ہے [اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل، مجلس ترقی ادب، لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ۹۳۲ (مع حاشیہ ۱)]۔

(۳)

اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء [ص ص ۲۶ تا ۲۷] میں تفتہ کے نام غالب کے ایک بے تاریخ خط کے لیے مولانا فاضل لکھنوی[۲۳] اور مولانا غلام رسول مہر[۲۴] نے سال تحریر ۱۸۶۳ء درج کیا ہے لیکن میں اسے جمعہ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے فوری بعد کا خط قرار دیتا ہوں۔ کیونکہ میں اس خط کے بعض مطالب کو مکتوب غالب بہ نام تفتہ مورخہ جمعہ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۶۱ء [مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء ص ص ۳۴ تا ۳۵] کے مندرجات سے مماثل پاتا ہوں۔ دونوں خطوں کی مماثل عبارتیں ذیل میں منقول ہیں:

(الف) "..... وہ شخص ایسا پیارا کا فارسی داں اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح

بیت بخشی کروں۔ دو جو تیاں آپ لگا دیں اگر جوتی ترے اگر ادی۔
اب قطع نزاع کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔۔۔۔" [خط مورخہ
جمعہ ۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء - اردوئے معلّیٰ حصہ دوم ص ۳۵]۔

(ب) "۔۔۔۔ فلانے صاحب کے باب میں تم کو نصیحت کر چکا ہوں۔ اُدھر
کے جواب کا ہرگز خیال نہ رکھو۔۔۔۔" [اردوئے معلّیٰ حصہ دوم ص ۳۷]۔

(۲)

اردوئے معلّیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء [ص ص ۱۲۷ تا ۲۸] میں مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ
["صاحب تو پیرا خاور را یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔۔۔ تشدید بھی جائز ہے۔۔۔"]
کے خاتمے پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مولانا غلام رسول مہرؔ مالک رام اور مولانا فاضل
لکھنوی نے اس خط کے لیے تاریخ تحریر پنج شنبہ ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء تجویز کی ہے لیکن
تقویم ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو پنج شنبے کے بجائے شنبہ بتاتی ہے۔ اسی خط کے مندرجات
کا مقابلہ مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۶۱ء [مشمولہ اردوئے معلّیٰ حصہ
دوم طبع ۱۸۹۹ء ص ۳۷] سے کرنے پر میں اسے ۱۸۶۱ء کا خط مانتا ہوں۔ وہی
تاریخ تو وہ زیرِ بحث خط میں غالب کا بیان خود بتا رہا ہے کہ یہ پنج شنبہ ۱۲ ستمبر
کا خط ہے۔ تقویم ۱۲ ستمبر ۱۸۶۱ء کو پنج شنبے کی تصدیق کرتی ہے۔

حواشی

۱۔ اردوئے معلّیٰ [حصہ اوّل] : غالب۔ اکمل المطابع دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۵ [محمود کاظم علی خاں]
۲۔ اردوئے معلّیٰ [حصہ دوم] : غالب۔ مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۶۴
۳۔ رک : (۱) اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد اوّل : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل۔
مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۳۹
(۲) اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و حصہ سوم : مرتبہ سید مرتضیٰ
حسین فاضل۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ۹۲۳ [حاشیہ ۱]
۴۔ عودِ ہندی : غالب۔ مطبع مجتبائی میرٹھ مطبوعہ رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ص ۱۷۹ تا
۱۸۵ میں بعض تقریظیں اور دیباچے موجود ہیں لیکن عودِ ہندی کا پہلا ایڈیشن دیباچۂ سراج الدین
سے محروم ملتا ہے۔ عودِ ہندی طبع اوّل کا یہ کم یاب نسخہ راقم السطور کے پاس موجود ہے۔
۵۔ بہ حوالہ اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و حصہ سوم : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل
ص ۸۵۹ [حاشیہ ۱]
۶۔ ایضاً
۷۔ ایضاً ص ۸۵۲ [حاشیہ ۱]
۸۔ مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی۔ مجلسِ ترقی ادب لاہور طبع نومبر
۱۹۶۷ء ص ۲۷۴

۹ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و حصہ سوم : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل ص ۸۲۳ [حاشیہ]

۱۰ ایضاً ص ۸۲۵ [حاشیہ ۱]

۱۱ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ اول جلد اول : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۲۹

۱۲ بحوالہ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم ص ۸۹۰ [حاشیہ ۲]

۱۳ دیکھ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم [فہرست خطوط ص ۵ نیز ص ۸]

۱۴ کتاب میں یہ خط غلطی سے شہزادہ بشیرالدین کے نام درج ہو گیا ہے لیکن دراصل یہ خط عبدالغفور سرور کے نام ہے - عودِ ہندی طبع اول [ص ۸ و بعد] میں یہ خط چودھری سرور کے نام ملتا ہے - عودِ ہندی میں یہ خط مکمل ہے جب کہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم میں یہ نامکمل ہے - جناب مالک رام نے ان امور کو ملحوظ نہ رکھ کر چودھری عبدالغفور سرور کے نام کے اس خط کو بشیرالدین ہی کے نام سمجھا ہے [ملاحظہ ہو ذکرِ غالب : مالک رام - مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ص ۲۳۶ تا ۲۳۷]- اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء کے اس غلط اندراج نے مولانا امتیاز علی خاں عرشی کو بھی گمراہ کیا ہے - مولانا عرشی نے اردوئے معلیٰ [حصہ دوم] طبع ۱۸۹۹ء میں شہزادہ بشیرالدین کے نام دو خط بتائے ہیں [ملاحظہ ہو مکاتیبِ غالب : مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی - ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۴۶ء دیباچہ ص ۲۵۲] حالاں کہ سطورِ گذشتہ سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء میں شہزادہ بشیرالدین کے نام دو کے بجائے صرف ایک خط ہے - خط کے انتساب میں اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع ۱۸۹۹ء کی اس غلطی کی تصحیح مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے فرمائی ہے [دیکھ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم : مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۹۲۷ حاشیہ ۱]-

۱۵ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء (ص ۱) میں بھی کتاب کے ناشر محمد عبدالاحد نے ان امور کا ذکر کیا ہے -

۱۶ بحوالہ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم ص ۸۵۰

۱۷ ذکرِ غالب : مالک رام طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۷۰

۱۸ خطوطِ غالب (جلد اول) : مرتبہ مہیش پرشاد - ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد طبع ۱۹۴۱ء [ملاحظہ ہو مقدمہ از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی]

۱۹ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) : مرتبہ فاضل لکھنوی مقدمہ ص ص ۲۵ تا ۲۹ نیز ص ۸۵ (حاشیہ ۱)

۲۰ دیکھ : ① خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - علمی پریس لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۱۰۴

② اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۹۲

③ خطوطِ غالب (جلد اول) : مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۱۴

۲۱ ایسی امر کی نشان دہی آفاق حسین آفاق نے کی ہے۔ [رک نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق - مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصہ اول ص ۸]-

۲۲ تقویم یک صد و دو سالہ - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۵ء [مملوکہ رضا لائبریری رامپور]

۲۳ اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم : مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۸۹۹

۲۴ خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر ص ۳۶۸

۲۵ رک : (۱) خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ص ۱۶۸

(۲) خطوطِ غالب (جلد اول) : مرتبہ مالک رام ص ۸۰

(۳) اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ دوم : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ۹۰

پانچواں باب

خطوطِ غالب کے بعض دیگر اہم مجموعے ۔ تحقیق و تنقید کی روشنی میں

مکاتیبِ غالب مُرتّبۂ مولانا عرشی — ایک جائزہ

مولانا امتیاز علی خاں عرشی رام پوری (ولادت ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء / وفات ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء) ہمارے اُن صفِ اوّل کے اُن معتبر و مُستند محققوں میں تھے جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ اُردو تحقیق کی آب یاری اور علم و ادب کی خدمت گزاری میں صرف کیا تھا۔ اُن کے باوزن و باوقار تدوینی کارنامے احتیاط و استناد کے اعتبار سے اُردو تحقیق کے بے مثال نمونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا عرشی وادیٔ علم و تحقیق کے وہ کوہِ سربلند تھے جس سے جاری ہونے والے علمی سرچشموں نے نہ صرف تشنگانِ وادیٔ تحقیق کو سیراب کیا بلکہ اِن سرچشموں کی بدولت خود وادیٔ علم و ادب بھی سرسبز و شاداب نظر آتی ہے۔ مولانا مرحوم ہمارے اُن چند قد آور غالب شناسوں میں سرفہرست تھے جن کی بدولت غالب فہمی اور غالب شناسی کی روایت کو زبردست تقویت ملی۔ مولانا عرشی کے علمی، تحقیقی اور تدوینی کارناموں کے دائرۂ کار میں غالب کے احوال و آثار سے متعلق جو گراں بہا سرمایہ ملتا ہے وہ تعداد اور معیار دونوں ہی اعتبار سے قدرِ اوّل کی شے ہے۔ اس سرمایے میں درجِ ذیل تدوینی اور تحقیقی کارنامے شامل ہیں:[2]

① مکاتیبِ غالب (پہلی اشاعت ۱۹۳۷ء) ۔ یہ کتاب اب تک متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اس کا ۱۹۳۷ء کا پہلا ایڈیشن اور ۱۹۴۹ء کا چوتھا ایڈیشن میرے مطالعے میں رہا ہے۔

② انتخابِ غالب (پہلی اشاعت ۱۹۴۲ء) ۔ یہ کتاب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے انتخابِ غالب کے پہلے ایڈیشن کا سنہ اشاعت غلطی سے ۱۹۴۳ء درج کیا ہے (نذرِ عرشی ص ۴۰)۔

③ فرہنگِ غالب (پہلی اشاعت ۱۹۴۷ء) یہ کتاب بھی میرے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

④ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی (پہلی اشاعت ۱۹۵۸ء — دوسری اشاعت ۱۹۸۲ء) ۔ دوسرا ایڈیشن میری لائبریری میں موجود ہے

⑤ تاریخِ دودر (غیر مطبوعہ)

⑥ مکاتیبِ غالب ۔ فارسی (غیر مطبوعہ)

⑦ مسودۂ قاطع برہان (غیر مطبوعہ)

ان مستقل مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کے علاوہ مولانا عرشی کے ۱۹۶۵ء تک کے متفرق مقالات کی فہرست میں غالب و غالبیات سے متعلق تقریباً دو درجن مقالے بھی شامل ہیں جن کی تفصیل نذرِ عرشی (ص ص ۵۱ تا ۵۹) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

غالب سے متعلق مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے تدوینی اور تحقیقی کارناموں میں مکاتیبِ غالب (جسے اب ہم آسانی کی خاطر مکاتیب کہیں گے) کئی اعتبار سے اہم ہے۔ مکاتیب کا ۱۹۳۷ء میں مطبع قیمۂ بمبئی سے نسخ ٹائپ میں چھپنے والا پہلا ایڈیشن حُسنِ طباعت کا نہایت معیاری نمونہ مانا جاتا ہے۔ یہ ایڈیشن گنگا پرشاد میموریل لائبریری لکھنؤ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ مکاتیب (طبع اوّل) نے اُردو کے ادبی حلقوں کو معیاری اور مثالی تدوینی کام کے آداب سے متعارف کرایا۔ ڈاکٹر خلیق انجم مولانا عرشی کے اس تدوینی کارنامے کے بارے میں معترف ہیں:

> "میں یہ بات پورے وثوق اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مکاتیبِ غالب سے پہلے کسی اُردو متن کا ایسے سائنٹیفک انداز میں تنقیدی ایڈیشن تیار نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد بھی جہاں تک میرا مطالعہ ہے ایسا تنقیدی ایڈیشن تیار نہیں ہوا جسے مکاتیبِ غالب کے مقابلے میں رکھا جاسکے۔"[3]

میرے نزدیک مولانا عرشی کا تدوینی کارنامہ مکاتیب وہ پہلی کتاب ہے جس نے غالب کے احوال و آثار خصوصاً خطوطِ غالب پر پہلی بار قدرِ اوّل کی جدید سائنٹیفک تحقیق اور تنقید کا دروازہ کھولا۔ مکاتیب دراصل غالب فہمی اور غالب شناسی کے میدان میں مولانا عرشی کا پہلا قدم ہے گویا مکاتیب ہی وہ کتاب ہے جس نے غالبیات کو مولانا عرشی کا ایسا صفِ اوّل کا زبردست غالب شناس دیا۔ مکاتیب ہی مولانا عرشی کا وہ تدوینی کارنامہ ہے جو ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۹ء تک چار بار چھپ چکا ہے اور ۱۹۴۹ء کے چوتھے ایڈیشن کے بعد سے ۱۹۷۹ء تک اس کے آخری اور چوتھے ایڈیشن کے تین عدد ری پرنٹ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ تعدادِ اشاعت کی بنیاد پر بھی مولانا عرشی کی کتابوں میں مکاتیب سرفہرست رہتی ہے۔

مکاتیب طبع اول میں خطوطِ غالب کی تعداد ۱۱۹ (۱۲۱) تھی اور اس میں مولانا عرشی کا مبسوط دیباچہ ۱۸۳ صفحات کو محیط تھا۔ بعد کی اشاعتوں میں مولانا عرشی اس کتاب کے دیباچے، متن اور حواشی میں قابلِ لحاظ اضافے کرتے رہے۔ میرے نام مولانا عرشی کے ایک خط سے انکشاف ہوتا ہے کہ یہ اضافے اس کتاب کے ۱۹۴۶ء کے چوتھے ایڈیشن تک ہوتے رہے تھے۔ اب بہ حالتِ موجودہ اس کے چوتھے ایڈیشن میں ۱۱۹ کی جگہ غالب کے ۱۲۱ خطوط شامل ہیں اور چوتھے ایڈیشن میں دیباچے کی ضخامت پہلے ایڈیشن کے ۱۸۳ صفحوں سے بڑھ کر اب ۲۵۴ صفحات ہو چکی ہے۔ گویا مولانا عرشی غالب سے متعلق اپنے اس اولین تدوینی کارنامے پر بار بار نظرِ ثانی کر کے اس میں برابر اضافوں پر اضافے کرتے رہے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکاتیب مولانا عرشی کے لیے ایک ایسے سرمایۂ عزیز کی حیثیت رکھتی تھی جس پر انھوں نے بار بار نظرِ ثانی کرنے کی محنت کی تھی۔

نذرِ عرشی (ص ۳۹) میں اکبر علی خاں عرشی زادہ کا بیان ہے کہ ۱۹۴۹ء تک مکاتیب کے سات ایڈیشن چھپ چکے تھے مگر میرے نام مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے ایک غیر مطبوعہ مکتوب مورخہ ۳ مارچ ۱۹۷۶ء سے انکشاف ہوتا ہے کہ دراصل مکاتیب کے چار ایڈیشن ہی چھپے ہیں۔ مکتوب مولانا عرشی بہ نام راقم الحروف کا تراشہ ملاحظہ ہو:

"... آپ نے مکاتیبِ غالب کی اشاعتِ ہفتم (۱۹۴۹ء) کے بارے میں دریافت فرمایا ہے کہ وہ رضا لائبریری میں ہے یا نہیں۔ عرض ہے کہ یہ کتاب صرف چار بار چھپی ہے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۴۶ء میں دو ہزار کی تعداد میں طبع کرایا گیا تھا، مگر اس کے چند جزو کم چھپے۔ نتیجۃً صرف ایک ہزار نسخے بازار میں آئے۔ باقی یوں ہی پڑے رہے، جب بازار میں اس کی مانگ ہونے لگی تو مطبع نے ناقص اجزا دوبارہ چھاپ کر اس کو بارِ ہفتم قرار دے دیا" اور ۱۹۴۹ء آگے لگا کر سالِ اشاعت بھی متعین کر دیا۔ یہ نسخہ مکتبۂ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی سے مل سکتا ہے۔ اگر ضرورت ہو، تو طلب فرمائیے ...." ع ش

مکاتیب دراصل مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے رضا لائبریری رام پور سے اُس دیرینہ تعلق کی یادگار ہے جس کا سلسلہ ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء سے شروع ہوا تھا جب مولانا عرشی اس کتب خانے کے ناظم مقرر کیے گئے تھے۔ اس لائبریری سے مولانا کا یہ تعلق اُن کی وفات ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء تک برقرار رہا تھا۔ مکاتیب دراصل مولانا عرشی نے بشیر حسین زیدی کی فرمائش پر مرتب کی تھی۔ زیدی صاحب اُس زمانے میں ریاستِ رام پور کے چیف منسٹر تھے اور انھوں نے ہی اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کی اجازت نواب رضا علی خاں والیِ رام پور سے ۱۹۳۵ء میں حاصل کی تھی [توضیح مشمولۂ مکاتیب طبع ۱۹۴۶ء صفحہ د]۔

زیرِ نظر مقالہ ناظم پریس رام پور سے ۱۹۴۶ء میں چھپنے والے مکاتیب کے اُس چوتھے ایڈیشن پر مبنی ہے جو خود مولانا عرشی کے بیان کے بہ موجب اس کتاب کی مکمل اور آخری (Complete and Final) شکل ہے۔ مولانا عرشی کا تدوینی کارنامہ مکاتیب (طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۴۶ء) اپنے دامن میں تین حصے رکھتا ہے:

① دیباچہ (صفحات ا تا ۲۵۴)

② متن (صفحات کے ایک نئے سلسلے کے ماتحت صفحات ۱ تا ۱۱۸)

③ حواشی (صفحات ۱۱۹ تا ۲۰۵)

اب مکاتیب کے ان تینوں حصوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مکاتیب میں مولانا عرشی کا دیباچہ غالب پر تحقیق اور تنقید کا ایک ایسا معیاری و مثالی نمونہ ہے جس کی بدولت مولانا عرشی ۱۹۳۷ء ہی میں بجا طور پر ماہرینِ غالبیات کی صفِ اول میں ایک بلند و امتیازی مقام کے مالک بنے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں مولانا عرشی (متولد دسمبر ۱۹۰۴ء) کا سن بہ مشکل ۳۳ سال تھا۔ مکاتیب میں ۶½ × ۹½ انچ ناپ کے ۲۵۴ صفحات کا مستقل دیباچہ اپنے دامن میں غالب کے متعلق جو انبار در انبار مواد رکھتا ہے اُس کی سمائی کے لیے ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ انچ ناپ کی کتاب کے تقریباً پانچ سو صفحات درکار ہوں گے گویا مکاتیب کا دیباچہ بجائے خود

غالب پر ایک ایسی ضخیم کتاب ہے جو باعتبارِ حجم مولانا حالی کی یادگارِ غالب سے کم نہ ہوگی۔

مکاتیب کے دیباچے میں مولانا عرشی نے غالب کے احوال اور ادبی آثار کا جو تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اُس میں مولانا نے دُوسرے بہت سے مصادر کے علاوہ بیشتر غالب کے اُن ہی خطوط سے مواد اخذ کیا ہے جو مکاتیب میں شامل ہیں۔ مکاتیب کے دیباچے میں اُس کے متن کے مواد کا یوں شیر و شکر ہو جانا حُسنِ تدوین کا وہ دل نشین کرشمہ ہے جس پر یہ مثل صادق آتی ہے: ع

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

مکاتیب کے دیباچے میں اس کتاب میں شامل غالب کے خطوط سے معلومات اخذ کرنے کا یہ التزام تدوینی کام میں مولانا عرشی کے سائنٹیفک طریقۂ کار کی اچھی اور قابلِ تقلید مثال ہے بعد کو مولانا نے اپنے ایک دُوسرے مشہور و مقبول تدوینی کارنامے دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) کے مقدمے میں بھی غالب کے احوال اور ادبی آثار پر روشنی ڈالی ہے مگر یہاں انھوں نے احوالِ غالب کے سلسلے میں مکاتیب میں شامل خطوطِ غالب سے کم اور دُوسرے بہت سے مصادر سے زیادہ کام لیا ہے۔ دونوں کتابوں میں احوال و آثارِ غالب کے سلسلے میں ماخذ و مصادر کے انتخاب میں یہ تبدیلی مولانا عرشی کے اصولِ تدوین کا ایک ایسا اچھا اور معیاری تدوینی کام کا نمونہ ہے جو اہلِ تحقیق کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس طریقۂ کار کو اختیار کرنے کا ایک اچھا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولانا عرشی کی دونوں کتابوں میں غالب کے حالات اگرچہ مشترک ہیں لیکن مصادر اور پیش کش میں فرق ہونے کے باعث دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء) کا مقدمہ مکاتیبِ غالب (۱۹۳۷ء) کے دیباچے کا چربہ نہیں محسوس ہوتا۔ ایک ہی موضوع کو دو کتابوں میں اس انداز سے پیش کرنا کہ دونوں تکرار کے نقص سے محفوظ رہیں تدوینی کاوش میں مولانا عرشی کی سوجھ بوجھ کی اچھی مثال ہے۔

مکاتیب کے دیباچے میں غالب یا اُن کے عزیزوں، دوستوں اور بعض شاگردوں کے حالات کے سلسلے میں مولانا عرشی نے متعدد مطبوعہ و معروف ماخذ سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ایسے غیر مطبوعہ، غیر معروف و نادر مصادر سے بھی کام لیا ہے جو ادبی حلقوں کی دسترس سے باہر تھے۔ دیباچے کے ان نادر مصادر کی فہرست میں غالب کے وہ درجنوں غیر مطبوعہ خطوط بھی آتے ہیں جن سے مکاتیب کی اشاعت سے قبل عام طور پر اہلِ نظر بھی بے خبر تھے۔ ان نادر مصادر میں رضا لائبریری رام پور کے دفتری ریکارڈ کی وہ مثلیں بھی شامل ہیں جن سے مولانا عرشی نے دیباچے کے لیے بہت سا مفید مطلب مواد اخذ کیا ہے۔ تدوینی اور تحقیقی کام میں نادر مصادر تلاش کرکے اُن کو حسبِ ضرورت استعمال کرنے کی یہ کوشش مولانا عرشی کے تدوینی کام کی اہمیت اور افادیت میں قابلِ لحاظ اضافہ کرتی ہے۔

مکاتیب کے دیباچے میں مولانا عرشی نے جن مطبوعہ مصادر پر انحصار کیا ہے وہ مستند بھی ہیں اور معتبر بھی۔ دیباچے میں خطوطِ غالب کے عودِ ہندی یا اردوئے معلّیٰ حصۂ اوّل جیسے مطبوعہ مجموعوں یا غالب کی دُوسری مطبوعہ کتابوں سے جہاں جہاں کام لیا گیا ہے وہاں بیشتر ان کتابوں کی اوّلین اشاعتوں پر ہی انحصار کیا گیا ہے جو حد درجہ کم یاب ہیں۔ مکاتیب کا دیباچہ غالب کی کتابوں کی اوّلین اشاعتوں کا ایک اچھا خاصا گودام نظر آتا ہے۔ تحقیق اور تدوینی کاموں میں مطبوعہ کتابوں کی اوّلین اشاعتوں کو استعمال کرنا مواد کی صحت کا ضامن ہوتا ہے جو کسی معیاری و مثالی تدوین و تحقیق کے لیے ناگزیر شے ہوتی ہے۔

مولانا عرشی نے مکاتیب کے دیباچے میں بے شمار معتبر و مستند مصادر کے انبار در انبار ذخیرے کو "دقیقہ بینی نظر" سے کھنگال کر موضوع سے متعلق مفید مطلب معلومات کا جو گراں بہا سرمایہ پیش کیا ہے وہ غالبیات میں ایسے قابلِ قدر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے جس پر اب مزید اضافہ کرنا آسان نہیں۔ "دربارِ رام پور سے غالب کے روابط" پر مولانا عرشی نے دیباچۂ مکاتیب میں ایسا اور اتنا مواد پیش کر دیا ہے جس پر آج تک اضافہ نہیں ہو سکا ہے۔ یہ مواد مکاتیب کے دیباچے میں (صفحات ۶۸ سے ۱۳۸ تک) ۷۱ صفحوں کو محیط ہے۔ دیباچے (ص ص ۱۳۹ تا ۱۵۵) میں شاگردوں کے کلام پر غالب کی اصلاحوں کے مباحث پر ۱۷ صفحات کا مواد مشتمل ہے وہ ہمارے نزدیک قدرِ اوّل کی تحقیقی تنقید کا "قابلِ تقلید" معیاری و مثالی نمونہ ہے۔ دیباچے میں غالب کی مکتوب نگاری کے بنیادی اوصاف اور نوشت و خواند کے کام میں غالب کی عادات، اُن کے تلفظ یا بعض الفاظ کے املا کے بارے میں غالب کی روش سے متعلق تمام ضروری معلومات کو مولانا

عرشی نے جس طریقے اور سلیقے سے جمع کیا ہے وہ تحقیقی اور تدوینی کاموں میں مولانا عرشی کی بے مثل مہارت کی مثال ہے۔ دیباچہ (ص ۶ – ۷) میں مولانا عرشی غالب کی ایک ایسی غیر معروف مطبوعہ فارسی نظم کی کتاب اسمائے فارسی کو بھی روشنی میں لائے ہیں جس سے عام ادبی حلقے تو کیا ماہرین غالبیات بھی بے خبر تھے۔

مکاتیب کے دیباچے میں غالب و غالبیات کے متعلق مولانا عرشی نے کثیر التعداد مستند و کمیاب مصادر سے جو مفید مطالب کثیر المقدار مواد پیش کیا ہے اس میں اُنھوں نے نہایت مُدلل انداز میں مصادر سے منطقی نتائج اخذ کیے ہیں۔ مکاتیب کا دیباچہ ہمارے نزدیک مستند و معتبر مصادر سے استنباط و استخراج نتائج کا وہ حسین و دل نشیں کارنامہ ہے جو تدوینی اور تحقیقی کاموں کے بے نظیر صحیفے کی حیثیت رکھتا ہے۔

مکاتیب کے دیباچے میں مولانا عرشی نے کتاب کے جس متن کو متعارف کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے اُس کی ترتیب و تدوین مولانا مرحوم کا وہ یادگار تدوینی کارنامہ ہے جس نے اُردو میں تدوین و ترتیب کے کام کے لیے ایک نیا معیار قائم کیا۔ مکاتیب کا متن غالب کے جن ۱۲۹ خطوط پر مشتمل ہے وہ تقریباً تمام کے تمام پہلی بار اسی کتاب کے ذریعے منظر عام پر آئے تھے۔ یہاں اس بات کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ مکاتیب میں شامل گنتی کے ۳ خطوط قاضی عبدالودود نے مکاتیب (مطبوعہ ۱۹۳۷ء) سے قبل شائع کرائے تھے۔ غالب کی وفات کے بعد اُردوئے معلی حصہ اول طبع اول مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو چھوڑ کر اُن کے غیر مطبوعہ خطوط کا سب سے بڑا ذخیرہ مکاتیب کے متن ہی کی شکل میں پہلی اور تادم تحریر آخری بار بھی منظر عام پر آیا ہے۔ مکاتیب کے چند خطوط کو چھوڑ کر بیشتر خطوط کے متون کسی ثانوی یا مطبوعہ ماخذ سے نقل نہ ہو کر براہ راست خود غالب کے قلم سے لکھے جانے والے اصل خطوط پر مبنی ہیں۔ ترتیب و تدوین کی دنیا میں اس نوعیت کا کام قدرِ اوّل کا کارنامہ مانا جاتا ہے۔

مکاتیب کے زیر تبصرہ ۱۹۷۶ء کے چوتھے ایڈیشن کی ضخامت ۱۷۴ صفحات ہے جس میں کتاب کے متن کا حجم صرف ۱۱۸ صفحات ہے۔ مولانا عرشی نے ۱۱۸ صفحات کے اس متن کو متعارف کرانے کے لیے زبردست عرق ریزی سے کام لے کر دیباچہ اور حواشی و تعلیقات کے ماتحت کم و بیش ساڑھے تین سو صفحات کا جو تحقیقی، تنقیدی اور معلوماتی مواد پیش کیا ہے وہ ترتیب و تدوین کے کام میں مولانا مرحوم کا یادگار اور سدا بہار کارنامہ قرار دیا جائے گا۔

مکاتیب (طبع ۱۹۷۶ء) کے متن میں غالب کے خطوط پر جو نمبر درج ملتے ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے بظاہر اس کتاب میں ۱۳۰ خطوط نظر آتے ہیں لیکن ان ۱۳۰ رقعات میں دو خطوط کے متن غالب کی فارسی منظومات پر مشتمل ہیں۔ مکتوب نمبر ۲ (متن ص ص ۳ تا ۵) دراصل غالب کا ایک فارسی قصیدہ "جہاناز تو ہر جا بن فرستم" ہے جو کلیات غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء (ص ص ۳۱۵ تا ۳۱۷) میں قصیدہ نمبر ۵۵ کے طور پر مکاتیب سے برسوں قبل چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ مکاتیب (ص ۷۹) کا خط نمبر ۱۰۵/۹۷ بھی دراصل غالب کی ایک فارسی رباعی ہے۔ غالب کی ان دونوں منظومات کو ۱۳۰ میں سے نکال دینے پر مکاتیب (طبع ۱۹۷۶ء) میں مجموعی طور پر ۱۲۸ نثری خطوط رہ جاتے ہیں جن میں سے چار خطوط فارسی نثر میں ہیں اور بقیہ ۱۲۴ خطوط اُردو نثر میں ہیں۔

مکاتیب کے یہ تمام ۱۲۸ نثری خطوط درج ذیل سات مکتوب الیہم کے نام ہیں:

(۱) فردوس مکاں نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور کے نام ۳۹ خطوط جن میں سے ۴ فارسی نثر اور ۳۵ اردو نثر میں ہیں (۲) خلد آشیاں نواب کلب علی خاں والی رام پور کے نام غالب کے منثور اُردو خطوط کی تعداد ۷۲ نکلتی ہے (۳) صاحب زادہ نواب زین العابدین خاں ۲ خطوط (اُردو نثر) (۴) صاحب زادہ سید محمد عباس علی خاں بیتاب رام پوری ۲ خطوط (اُردو نثر) (۵) منشی سیل چند ۷ خطوط (اُردو نثر) (۶) خلیفہ احمد علی احمد رام پوری ایک عدد اُردو خط (۷) مولوی محمد حسین خاں ایک عدد اُردو خط۔

مولانا عرشی نے ان ساتوں مکتوب الیہم کے متعلق ضروری معلومات [ہر شخص کے نام کے خطوط سے قبل متن کے ساتھ قلابین میں] پیش کر دی ہے جو مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے روابط کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ متن کے ساتھ [illegible]

یا تاریخوں وغیرہ کی وضاحتیں بھی موجود ہیں۔

۷ مکاتیب کے متن میں شامل خطوط میں تاریخوں کے اندراج کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ جن رقعات میں تاریخیں نامکمل ہیں یا نہیں ہیں اُن کے زمانۂ تحریر کے تعین کی سعی کی گئی ہے۔ چند ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں تاریخوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ مکاتیب کے متن کے خطوط کا زمانۂ تحریر ۱۵ رفروری ۱۸۵۷ء سے جنوری ۱۸۶۹ء تک کے درمیانی مدت کو محیط ہے۔ گویا یہ تمام خطوط مرزا غالب (متوفی ۱۵ رفروری ۱۸۶۹ء) کے سفرِ حیات کی داستان کے آخری بارہ سال کا حال بیان کرتے ہیں۔ مکاتیب میں جنوری ۱۸۶۹ء (مطابق اواخر رمضان ۱۲۸۵ھ) کا وہ خط بھی ہے جو غالب کے موجود اُردو خطوط میں آخری خط کی حیثیت رکھتا ہے [مکاتیب متن ص ۸۲ مع حاشیہ ۳ بر صفحہ ۱۸۸ تا ۱۸۹]۔ مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں وفاتِ غالب (۱۵ فروری ۱۸۶۹ء) سے ایک یا دو روز قبل لکھے جانے والے ۱۳ فروری ۱۸۶۹ء کے جس آخری خط کا ذکر کیا ہے وہ اب نایاب ہے۔ مکاتیب کے متن میں شامل خطوط میں غالب کے سفرِ حیات کی جن مختلف منزلوں کی داستان بیان ہوئی ہے اُن کی تفصیل خود مولانا عرشی دیباچۂ مکاتیب میں پیش کر چکے ہیں۔ اِس داستان کو دوہرانا تحصیلِ حاصل کی شکل ہوگی۔

مکاتیب کے متن میں جن لوگوں کے نام غالب کے خطوط موجود ہیں اُن میں سے بعض اشخاص غالب کے اُردو خطوط کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے مکاتیب ہی کا اضافہ ثابت ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ اگر مکاتیب میں صاحب زادہ نواب زین العابدین خاں، صاحب زادہ نواب سید محمد عباس علی خاں بیتاب رام پوری اور شیخ احمد علی احمد رام پوری کے نام کوئی خط نہ ہوتا تو یہ تینوں نام غالب کے اُردو خطوط کے مکتوب الیہم کی فہرست سے غیر حاضر رہتے۔ گویا غالب کے اُردو خطوط کے ۷۴ درجن مکتوب الیہم کی فہرست میں مکاتیب مذکورہ تین ناموں کا اضافہ کرتی ہے [تفصیل کے لیے دیکھیے خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں ص ص ۷ تا ۱۳]۔

مکاتیب کے متن میں غالب کے متعدد ایسے خطوط بھی شامل ہیں جن کی مدد سے ہم غالب کے بہت سے گم شدہ خطوط سے باخبر ہوتے ہیں۔ مولانا عرشی کی تحقیق ہے کہ نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں کے فرامین کے مسودوں نیز مکاتیب میں شامل غالب کے رقعات میں غالب کے تقریباً ۱۲۵ ایسے خطوں کے حوالے ملتے ہیں جو اب ناپید ہو چکے ہیں۔

مکاتیب کے خط نمبر ۱۴۵ (متن ص ص ۲۱ تا ۲۲) سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ غالب نے ریاست رام پور کے خانساماں علی بخش خاں کو کئی خط لکھے تھے، جو اب ناپید ہیں۔ غالب کے اُردو خطوط کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے علی بخش خاں ایک ایسا نیا نام ہے جو مکاتیب کا اضافہ ہے۔ علی بخش خاں اور غالب کے درمیان خط و کتابت سے ادبی حلقے بے خبر نظر آتے ہیں۔ علی بخش خاں اور غالب کے دوستانہ روابط پر اپنے جس مضمون (مشمولہ نگار نئی دہلی اپریل ۱۹۸۰ء ص ص ۶۹ تا ۷۰) میں ڈاکٹر حنیف نقوی نے معلومات پیش کی ہیں وہ غالب اور علی بخش خاں کے مابین مکاتبت کے بارے میں خاموش نظر آتا ہے۔ غالب کے مکتوب الیہ علی بخش خاں جنگِ آزادی ہند کے مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہر کے حقیقی دادا تھے [دیکھیے خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ ص ص ۱۵۱ تا ۱۵۲]۔

مکاتیب میں مجھے نواب کلب علی خاں کے نام غالب کے چند ایسے خطوط بھی ملے ہیں جن میں خود غالب کے بیانات سے یہ اہم انکشاف ہوتا ہے کہ غالب اور نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے درمیان بھی خط کتابت کا سلسلہ قائم تھا لیکن داغ دہلوی کے نام اب غالب کے خطوط ناپید ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ اب نہ تو داغ دہلوی کے مجموعۂ مکاتیب زبانِ داغ میں غالب کے نام داغ کا کوئی خط ملتا ہے اور نہ رقعاتِ غالب کے فارسی و اُردو مجموعوں میں داغ دہلوی کے نام غالب کا کوئی مکتوب موجود ہے۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے نواب مرزا خاں داغ دہلوی کا نام ایک ایسا قابلِ ذکر اضافہ ہے جو مکاتیبِ غالب کے متن کی بنیاد پر میرے ۲۳ رجون ۱۹۸۰ء کو مکمل ہونے والے ایک مقالے "غالب کے گم شدہ مکاتیب" کے ذریعے ہوا تھا [میرا یہ مقالہ رسالہ غالب نامہ نئی دہلی بابت ماہ جنوری ۱۹۸۱ء میں شائع ہو چکا ہے اور یہی مقالہ میری کتاب خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ طبع ۱۹۸۱ء (ص ص ۱۳۲ تا ۱۶۲) میں بھی شامل ہے]۔ داغ دہلوی اور غالب کے درمیان مکاتبت کے رشتے سے

ادبی حلقے بے خبر رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید محمد علی زیدی کا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ "مطالعۂ داغ" اس سلسلے میں خاموش ہے۔ مزید برآں نور اللہ محمد نوری کی کتاب "داغ دہلوی بھی داغ و غالب کے درمیان مکاتبت کے ذکر سے خالی نظر آتی ہے۔ مکاتیب (متن ص ۱۱۵) میں شامل مولوی احمد علی احمد رام پوری کے نام غالب کے خط (نمبر ۱۲۹/۱) کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"..... فقیر شب کو آپ کا منتظر رہا۔ آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تحریر کو تقریر کا پیرایہ دے کر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنینِ فارسیہ کا حال بسبیلِ اجمال ایک دو ورق پر مندرج ہے۔ بہ نظر اصلاح مشاہدہ ہو۔"

اس بیان میں غالب نے اپنی جس تحریر کا ذکر کیا ہے وہ اب ناپید ہو چکی ہے اور اس سے غالب کی اردو اور فارسی نثر کے مجموعے خالی ملتے ہیں۔ اس طرح مکاتیب ہی وہ واحد ماخذ ہے جو ہمیں غالب کی مذکورۂ بالا ایک ایسی غیر معروف اور شاید غیر مطبوعہ تحریر کا پتا دیتا ہے جو اب ناپید ہو چکی ہے۔

مکاتیب کے متن میں شامل متعدد خطوط ہمیں غالب کے ایسے غیر متداول اردو و فارسی کلام سے بھی روشناس کراتے ہیں جو اُن کے فارسی و اردو کے متداول دیوان پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ دامنِ وقت میں تفصیل کی گنجائش نہیں یہاں محض چند مثالیں حاضر ہیں:

① اردو بیت: ؎ تم سلامت رہو قیامت تک — دولت و عز و جاہ روز افزوں [ماخوذ از مکاتیب متن ص ۲۶]

② فارسی قطعۂ تاریخ: ؎ جناب عالیہ از خلق حق — بہ فردوس برین چون کرد آرام [نشان دہی کے لیے دو اشعار کے اس قطعہ کا پہلا شعر مکاتیب متن ص ۱۳ سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ فارسی قطعہ غالب کے اُن ۶۶ فارسی قطعات پر مکاتیب کا اضافہ ہے جو کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء ص ص ۱۱ تا ۵۳ میں شامل ہیں۔ یہ قطعہ باغ دو در میں بھی نہیں]

③ فارسی رباعی: ؎ یہ تا سر دہر عشرتستان تو باد [مکاتیب متن ص ۳۶ سے غالب کی اس غیر متداول فارسی رباعی کا صرف پہلا مصرع لکھا گیا ہے۔ یہ رباعی "کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء ص ص ۵۲۷ تا ۵۵۲ میں شامل رباعیوں پر مکاتیب کا اضافہ ہے۔ باغ دو در: غالب۔ مرتبہ وزیر الحسن عابدی لاہور طبع ۱۹۷۰ء بھی اس رباعی سے خالی ہے]

④ فارسی رباعی بہ شکلِ تاریخ: ؏ تو آب کہ شد ز شوکتِ اقبالش [مکاتیب متن ص ۲۷ میں شامل غالب کی اس غیر متداول فارسی رباعی کا صرف پہلا مصرع درج کیا گیا ہے۔ یہ رباعی بھی نہ تو کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء میں ملتی ہے اور نہ باغ دو در میں شامل ہے۔ گویا یہ رباعی بھی اِن دونوں کتابوں پر مکاتیب کا اضافہ ہے]

⑤ اردو قطعہ: ؎ مقامِ شکر ہے، اے ساکنانِ خطۂ خاک — رہا ہے زور سے ابرِ ستارہ بار برس

[تعداد اشعار = ۷ ۔ منقول از مکاتیب متن ص ص ۴۰ تا ۴۱]

⑥ فارسی قصیدہ: ؏ ز ہے دو چشم تو در معرضِ سیہ کاری [مکاتیب متن ص ص ۴۲ تا ۴۹ میں شامل ۵۱ (اکیاون) اشعار پر مشتمل غالب کا یہ غیر متداول فارسی قصیدہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء کے حصۂ قصائد (ص ص ۱۷۰ تا ۳۵۳) کے ۶۴ قصائد میں شامل نہیں۔ البتہ یہ قصیدہ باغ دو در ص ص ۶۱ تا ۶۵ میں شامل ہے مگر باغ دو در میں اس قصیدے کے ۵۱ کے بجائے صرف ۵۰ (پچاس) اشعار درج ہوئے ہیں اور ایک شعر حذف ہو گیا ہے۔ یہ محذوف شعر مکاتیب متن ص ۴۳ پر قصیدے کے شعر نمبر ۸ کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے]

⑦ فارسی قطعۂ تاریخ: ؎ دریغا! کہ ماند تہی قصرِ دولت — ز خاتونِ نامی، سکندر زمانی

[تعداد اشعار = ۲ — بحوالۂ مکاتیب متن ص ۷۴ ۔ غالب کا یہ فارسی قطعۂ تاریخ والیِ رام پور نواب کلب علی خاں کی اہلیہ سکندر زمانی بیگم کی وفات پر ۱۸ر ستمبر ۱۸۶۵ء سے کچھ عرصہ قبل (۱۲۸۲ھ) کا کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ ۱۸۶۵ء کے اس قطعۂ تاریخ سے کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء خالی رہا۔ یہ قطعہ باغ دو در (بعض نسخہ جس کے اضافہ شدہ ایڈیشن) میں بھی موجود نہیں]

(۸) فارسی غزل : ع اے خداوندِ خردمند و جہاں داورِ دانا
[تعدادِ اشعار = ۹ — مکاتیب متن ص ص ۵۱ تا ۵۲ — ۲۹ مارچ ۱۸۶۶ء کے خط میں ملنے والی یہ غزل ۲۹ مارچ ۱۸۶۶ء سے کچھ عرصہ قبل مگر ۱۸۶۶ء میں کہی گئی تھی اسی لیے یہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء میں شامل نہ ہو سکی۔ البتہ یہ غزل باغِ دودر (یعنی سبدِ چین کے اضافہ شدہ ایڈیشن) کے ص ۲۷ میں ضرور موجود ہے]

(۹) پرانی اُردو غزل کی زمین میں دو عدد نئے قطعہ بند اشعار :

در پر امیرِ کلب علی خاں کے ہوں مقیم — شایستۂ گدائی ہر در نہیں ہوں میں
بوڑھا ہوا ہوں، قابلِ خدمت نہیں اسد — خیرات خوارِ محض ہوں، نوکر نہیں ہوں میں

[بہ حوالۂ مکاتیب متن ص ۵۳ — غالب کی ایک متداول اُردو غزل : ع "دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں" کی زمین میں یہ دو عدد قطعہ بند اشعار غالب کا غیر متداول کلام ہیں]

(۱۰) فارسی قطعۂ تاریخ : جو نواب، از پئے اجلاسِ کونسل — بہ کلکتہ از رامپور آورد رُخ
[تعدادِ اشعار = تین — بہ حوالۂ مکاتیب متن ص ص ۶۲ تا ۶۳ — غالب کا ۱۸۶۶ء کا یہ فارسی قطعۂ تاریخ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء پر اضافہ ہے مگر یہ باغِ دودر ص ۱۹ میں ضرور شامل ملتا ہے]

(۱۱) فارسی قطعہ : ع نوروز و دو عید از دو جانب اِرسال [تعدادِ اشعار = دو — مکاتیب متن ص ۶۸ غالب کے ۷ مارچ ۱۸۶۷ء کے خط میں ملنے والا یہ قطعہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء اور باغِ دودر پر مکاتیب کا اضافہ ہے]

(۱۲) فارسی رُباعی : ع آں کیست کہ جسمِ ملک را جان باشد [مکاتیب متن ص ۶۹ — یہ فارسی رباعی اپریل ۱۸۶۷ء کے آس پاس کا کلام ہے۔ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء میں یہ شامل نہ ہو سکی کیوں کہ یہ اُس کی اشاعت کے بعد معرضِ وجود میں آئی تھی۔ یہ رباعی باغِ دودر کے ص ۸۹ میں موجود ہے]

(۱۳) فارسی قطعۂ تاریخ : نمایشگہے در خور شانِ خویش — برآراست نوابِ عالی جناب
[تعدادِ اشعار = تین — منقول از مکاتیب متن ص ۷۰ — یہ قطعہ ۸ اپریل ۱۸۶۷ء سے چند روز قبل کا کلام ہے۔ اسی لیے یہ کلیاتِ غالب کے ۱۸۶۳ء کے ایڈیشن میں شامل نہ ہو سکا۔ یہ قطعہ سبدِ چین طبع اگست ۱۸۶۷ء (بہ حوالۂ مولانا عرشی) نیز باغِ دودر ص ۲۲ میں اشعار کے اضافے کے ساتھ چھپا ہے]

(۱۴) اُردو قطعہ : ہند میں اہلِ تسنّن کی ہیں دو سلطنتیں — حیدر آبادِ دکن، رشکِ گلستانِ اِرم
[تعدادِ اشعار = ۱۵ — مکاتیب متن ص ص ۷۵ تا ۷۷ — اوائل نومبر ۱۸۶۷ء کے قریب کہا جانے والا یہ اُردو قطعہ غالب کے اُردو دیوان کی اُن تمام (پانچوں) اشاعتوں میں شامل نہ ہو سکا جو غالب کی زندگی میں ۱۸۴۱ء سے ۱۸۶۳ء تک ہوئی تھیں]

(۱۵) فارسی رُباعی : ع داد و دہشِ تو روز افزون بادا [مکاتیب متن ص ۷۹ — یہ فارسی رباعی جمعہ ۲۸ رمضان ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۸۶۸ء سے کچھ عرصہ قبل کا کلام ہے۔ اسی لیے یہ کلیاتِ غالب طبع ۱۸۶۳ء نیز سبدِ چین طبع اگست ۱۸۶۷ء (بہ حوالۂ مالک رام) میں شامل نہ ہو سکی۔ باغِ دودر بھی اس رباعی سے خالی ہے۔ یہ رباعی اِن تینوں مجموعوں پر مکاتیب کا اضافہ ہے]

(۱۶) اُردو شعر : بوسہ لیتے ہی، پھر آ جائے گی — جان کیا بوسے کی قیمت ہوگی
[مکاتیب متن ص ۹۸ مع حاشیہ — یہ شعر غالب نے کہہ کر اپنے شاگرد بیتاب رام پوری کو عطا کر دیا تھا]

(۱۷) اُردو شعر : دودۂ چنگیز میں جیسا کہ قاآں ہوا — ویسا ہی اِس قوم میں کلب علی خاں ہوا
[بہ حوالۂ مکاتیب متن ص ۱۰۳ — غالب نے یہ شعر بھی کہہ کر بیتاب رام پوری کو عطا کیا تھا]

مکاتیب کے صفحات میں شامل غالب کے یہ درجنوں غیر متداول اشعار چوں کہ خطوط میں درج ہوئے ہیں لہٰذا خطوط کی تاریخوں سے اِن اشعار کے زمانہ ہائے تخلیق کو بھی متعیّن کیا جا سکتا ہے۔ گویا مکاتیب کی مدد سے غالب کے محوّلۂ بالا درجنوں غیر متداول اشعار کی توقیت کا کام بھی ہو سکتا ہے۔

مکاتیب کے تدوینی کارنامے کا تیسرا اور آخری حصہ مولانا عرشی کے تحریر کردہ وہ حواشی و تعلیقات ہیں

جو ۸۷ صفحات (ص ص ۱۱۹ تا ۲۰۵) کو محیط ہیں۔ مکاتیب کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۳۷ء) میں یہ حاشیے ہر صفحہ پر خطوط کے نیچے فٹ نوٹ کے طور پر چھپے تھے مگر مکاتیب کے چوتھے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۸۶ء) میں متن کے صفحات کے حوالوں کے ماتحت کتاب کے آخر میں صفحہ وار جمع کیے گئے ہیں۔ مکاتیب طبع ۱۹۸۶ء میں حواشی کو خفی خط میں لکھوا کر کم جگہ میں زیادہ مواد کھپایا گیا ہے۔

مکاتیب کے حواشی مولانا عرشی کے وسیع مطالعے نیز موضوع پر زبردست اور مضبوط گرفت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حواشی میں متن کے تمام وضاحت طلب ضروری مباحث کی توضیح کی گئی ہے۔ متعدد خطوط کی تاریخیں متعین کی گئی ہیں یا غلط تاریخوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اِن حاشیوں میں مولانا عرشی نے انبار در انبار مآخذ و مصادر کو کھنگال کر معلومات کا جو زبردست ذخیرہ جمع کیا ہے وہ تدوین و ترتیب کے کام میں مولانا کی بے مثل مہارت اور چابک دستی کی مثال ہے۔

مکاتیب کے حواشی و تعلیقات کی اہمیت اور افادیت کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہم جتنا بھی لکھیں وہ ناکافی ہوگا۔ اِن حاشیوں سے صحیح لطف حاصل کرنے یا استفادہ کرنے کے لیے انھیں خود پڑھنا ضروری ہے۔ حواشی میں جگہ جگہ مولانا کی زبردست معلومات کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اُن کے مطالعے کی گیرائی نیز گہرائی پر ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ مکاتیب (متن ص ۵۱ کے خط نمبر ۶۲/۱۸ کے حاشیہ نمبر ۲ ص ص ۱۵۹ تا ۱۶۱) میں غالب کی گراں گوشی پر مولانا عرشی نے معلومات کا جو ذخیرہ جمع کر دیا ہے اُس پر حیرت ہوتی ہے۔ اِن سیکڑوں حاشیوں میں بے شمار موضوعات کے متعلق جو انبار در انبار معلومات ملتی ہے وہ مولانا عرشی کے تبحرِ علمی پر دال ہے۔

مولانا عرشی کے تدوینی کارنامے مکاتیبِ غالب (طبع ۱۹۸۶ء) کے اِس جائزے میں اب تک کتاب کے صرف مثبت پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کتاب اپنے دامن میں بہ تفصیل ذیل دو درجن سے زائد منفی پہلو بھی رکھتی ہے جن کے ذکر کے بغیر کتاب کا یہ جائزہ یک رُخا اور تشنہ رہے گا۔

کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس کے حاشیوں پر غالب کے قلم سے مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھے ہوئے ہیں [بہ حوالہ مکاتیب متن ص ۱۰ حاشیہ ۲] - راقم بوجوہ اس قلمی نسخے کی ضخامت اگر چار جزو ہو تو یہ بظاہر دستنبو کا وہی نسخہ ہو سکتا ہے جس کا ذکر غالب کے مذکورہ بالا خط میں آیا ہے۔ مکتوب غالب بنام منشی ہرگوپال تفتہ مکتوبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء (مشمولہ اردوئے معلیٰ حصّہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۳۶۰) میں غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ دستنبو طبع اوّل کی ۳۲ مطبوعہ جلدیں غالب کو محمد ۱۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو ملی تھیں۔ ان حالات میں ۷ نومبر ۱۸۵۸ء کو غالب کے پاس دستنبو کی کسی مطبوعہ جلد کی موجودگی مشکوک بھی معلوم ہوتی ہے[۲۹]

(۷)

دیباچہ (ص ۳۰) میں مولانا عرشی نے لکھا ہے: "میرزا [کذا ! مرزا] صاحب [یعنی مرزا غالب] نے سنہ ۱۸۶۰ء میں فارسی کی مشہور فرہنگ بُرہانِ قاطع کے اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ قاطعِ بُرہان لکھ کر نواب فردوس مکاں کی امداد سے شائع کیا تھا۔۔۔" مولانا عرشی کے اس بیان سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ غالب کی کتاب قاطعِ بُرہان ۱۸۶۰ء میں مکمل بھی ہوئی تھی اور ۱۸۶۰ء میں چھپی بھی تھی۔ قاطعِ بُرہان طبع اوّل کے خاتمۃ الطبع سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲ رمضان ۱۲۷۸ھ (اردوئے تقویم مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۶۲ء) کو چھپی تھی[۱۹]۔ مزید برآں قاطعِ بُرہان کی ۱۸۶۲ء کی اشاعت میں والیِ رامپور فردوس مکاں نواب یوسف علی خاں ناظم کی مالی امداد کی شمولیت خود مولانا عرشی کے نزدیک مشکوک رہی ہے اور اسے قاضی عبدالودود بھی غلط ثابت کر چکے ہیں[۲۰]۔ اب رہا مولانا عرشی کے بیان کا یہ حصّہ کہ غالب نے قاطعِ بُرہان ۱۸۶۰ء میں لکھی تھی تو یہ بات بھی مشکوک ہے کیونکہ میر مہدی حسین مجروح کے نام غالب کے ایک خط مکتوبہ جولائی ۱۸۵۹ء سے صاف پتا چلتا ہے کہ جولائی ۱۸۵۹ء تک قاطعِ بُرہان کو غالب نہ صرف پورا لکھ چکے تھے بلکہ اس کتاب کی دو مجلد صاف و صاف نقلیں بھی مکمل ہو چکی تھیں[۲۱]

(۸)

مکاتیب (دیباچہ ص ۲۲۵ نیز ص ۲۵۲) میں مولانا عرشی نے خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان کی تالیف حدائق انظار کا نام بہ تکرار "حدائق الانظار" درج فرمایا ہے جو اس لیے درست نہیں کہ بہ قول "کارسان دتاسی" "حدائق انظار" دراصل اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سالِ تکمیل ۱۲۷۵ھ برآمد ہوتا ہے[۲۲] جیسا کہ درج ذیل اعداد سے ظاہر ہے:

ح	د	ا	ئ	ق	ا	ن	ظ	ا	ر
۸	۴	۱	۱۰	۱۰۰	۱	۵۰	۹۰۰	۱	۲۰۰

= حدائق انظار = ۱۲۷۵

(۹)

مولانا عرشی نے مکاتیب (دیباچہ ص ۲۲۵) میں عودِ ہندی طبع اوّل میں شامل خطوطِ غالب کی مجموعی تعداد ۱۶۲ درج فرمائی ہے جو درست نہیں۔ میری تحقیق کے مطابق اس کتاب میں ۱۶۶ خطوط شامل ہیں[۲۳]

(۱۰)

مولانا عرشی نے مکاتیب (دیباچہ ص ۲۲۵) میں عودِ ہندی طبع اوّل میں شامل مندرجہ ذیل اشخاص کے نام غالب کے خطوں کی بہ تفصیل ذیل جو تعداد تحریر فرمائی ہے وہ ترمیم کی طالب ہے[۲۴]

مکتوب الیہ	تعداد خطوط متعین کردہ مولانا عرشی	خطوط کی صحیح تعداد
(۱) چودھری عبدالغفور سُرور	۲۵	۲۶
(۲) صاحبِ عالم	۲	۳
(۳) مرزا رجب علی خاں رعنا	۱	۲
(۴) قاضی عبدالجلیل جنون	۱۵	۱۷

(۱۱)

مکاتیب (دیباچہ ص ۲۵۰) میں مولانا عرشی نے اُردوئے معلیٰ حصّہ اوّل طبع اوّل میں شامل خطوطِ غالب کی تعداد چار سو ستّر (۴۷۰) بتائی ہے جو ترمیم طلب ہے۔ میرے اعداد و شمار اس کتاب میں ۴۷۰ کے بجائے ۴۷۸ خطوط بتاتے ہیں[۲۵]

(۱۲)

مولانا عرشی نے مکاتیب کے دیباچے (ص ۲۵۱) میں اُردوئے معلّیٰ حصّہ اوّل طبع اوّل میں شامل مندرجہ ذیل اشخاص کے نام خطوطِ غالب کی بہ تفصیلِ ذیل جو تعداد درج کی ہے اُس میں بھی ترمیم کی ضرورت ہے :

مکتوب الیہ	مولانا عرشی کی درج کردہ تعدادِ خطوط	خطوط کی صحیح تعداد
(۱) مُنشی میاں داد خاں سیّاح	۲۹	۳۰
(۲) منشی ہرگوپال تفتہ	۸۹	۸۸
(۳) میر مہدی حسین مجروح	۴۳	۴۴
(۴) قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی	۱۱	۱۲+۳ = ۱۵
(۵) مرزا حاتم علی بیگ مہر	۱۸	۱۹
(۶) منشی نبی بخش حقیر	۲	۱
(۷) مرزا باقر علی خاں کامل	۲	۳
(۸) منشی شیو نرائن آرام	۳۳	۳۴

(۱۳)

مکاتیب (دیباچہ ص ۲۵۱) میں مولانا عرشی نے اُردوئے معلّیٰ حصّہ اوّل طبع اوّل میں شامل غالب کے خطوط کے مکتوب الیہم کی جو فہرست پیش کی ہے اُس میں کسی وجہ سے حکیم ظہیر الدّین احمد خاں کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے حالاں کہ اُردوئے معلّیٰ حصّہ اوّل طبع اوّل (مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء) میں ص ص ۲۳۳ تا ۲۳۴ میں حکیم ظہیر الدّین احمد خاں کے نام غالب کا ایک عدد خط موجود ہے۔

(۱۴)

مکاتیب (دیباچہ ص ص ۲۵۱ تا ۲۵۲) میں مولانا عرشی نے غالب کے ۵۶ صفحات کے جس مجموعۂ خطوط اُردوئے معلّیٰ حصّہ دوم کا تعارف کرایا ہے وہ دراصل اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن نہیں بلکہ دوسرا ایڈیشن یا دی پرنٹ ہے۔ مولانا عرشی کا دیباچہ اُردوئے معلّیٰ حصّہ دوم مطبوعہ ۱۸۹۹ء کے اُس پہلے ایڈیشن کے ذکر سے محروم ہے جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کا ایک ایسا نسخہ میرے پاس موجود ہے جو کبھی قاضی معراج دھولپوری کی ملکیت میں رہا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے میری توجہ دہانی پر اِس کتاب کی اِن دونوں اشاعتوں کا ذکر میرے حوالے سے غالب کے خطوط (جلد اوّل) غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء کے مقدمے (ص ص ۳۶ تا ۳۸) میں یوں کیا ہے :

> "مطبع مجتبائی دہلی سے اپریل ۱۸۹۹ء میں اُردوئے معلّیٰ حصّہ ..... دوم جو شائع ہوا تھا، اُس کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔ عزیز دوست کاظم علی خاں کی عنایت سے مجھے معلوم ہوا کہ اُردوئے معلّیٰ کے اِس ایڈیشن کے ساتھ بھی تقریباً وہی معاملہ ہے، جو عودِ ہندی کے پہلے ایڈیشن کے ساتھ ہے۔ یعنی اِس کا بھی ایک ایسا ری پرنٹ شائع ہوا تھا، جس کی تاریخ طباعت وہی شائع کی گئی، جو پہلے ایڈیشن پر تھی۔ ..... کاظم علی خاں صاحب کے اطلاع دینے پر میں نے اِس نسخے کی تلاش شروع کی تو ہردیال لائبریری میں یہ نسخہ مجھے مل گیا۔ .... [اُردوئے معلّیٰ حصّہ دوم کے] پہلے ایڈیشن ..... کے ۶۴ صفحات ہیں۔ اِس کے برعکس ری پرنٹ کے ..... ۵۶ [چھپن] صفحات ہیں۔"

(۱۵)

مکاتیب (دیباچہ ص ۲۵۲) میں اُردوئے معلّیٰ مطبع کریمی شائع کردہ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور کا سنہ اشاعت "۱۲۲۹ء" درج ملتا ہے جو بظاہر کتابت کا سہو ہے۔ مکاتیبِ غالب طبع ۱۹۳۷ء (دیباچہ ص ۱۸۱) کے مندرجات کی روشنی میں یہاں "۱۲۲۹ء" کی جگہ ۱۹۲۹ء ہوگا۔

(۱۶)

مکاتیب (طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۴۶ء دیباچہ ص ۲۵۲) میں مولانا عرشی نے اُردوئے معلّیٰ حصّہ دوم میں شہزادہ بشیر الدّین کے نام غالب کے دو خط بتائے ہیں لیکن عودِ ہندی طبع اوّل (مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء ص ۸) پر اِن دو رقعات میں سے ایک خط چودھری عبدالغفور سرور کے نام ملتا ہے۔ اِس طرح اُردوئے معلّیٰ حصّہ دوم میں شہزادہ بشیر الدّین کے نام دراصل غالب کا ایک ہی خط ثابت ہوتا ہے۔ اِن اُمور کی جانب مولانا عرشی کی نظر نہ گئی۔

(۱۷)

مکاتیب (متن ص ۱۶) میں نواب یوسف علی خاں ناظم والیِ رامپور کے نام غالب کے خط نمبر ۱۶ کے خاتمے پر یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کا خلافِ تقویم اندراج نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ تقویم یہاں ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کو یک شنبے کے بجائے دو شنبہ بتاتی ہے[28]۔ یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کی یہی خلافِ تقویم تاریخ اس خط پر مکاتیبِ غالب طبع اول (مطبوعہ ۱۹۳۷ء، متن ص ۲۳) میں بھی درج ملتی ہے۔ مولانا عرشی کی تقلید میں یہی غلطی مہیش پرشاد اور مالک رام نے بھی دہرائی ہے[29]۔ مرقعِ غالب، مرتبہ: پرتو، جدید دہلی طبع ۱۹۶۶ء نیز غالب کے خطوط (جلد سوم)، مرتبہ: خلیق انجم۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۷ء (ص ۱۲۶۸) میں غالب کے زیرِ بحث خط کی اصل کا جو عکس چھپا ہے وہ اس غلطی کو خود غالب کا سہوِ قلم بتاتا ہے۔ میں مکاتیبِ غالب طبع چہارم (متن ص ص ۱۵ تا ۱۶) میں شامل یوسف علی خاں ناظم کے نام غالب کے خط نمبر ۱۶ نیز خط نمبر ۱۷ (مکتوبہ یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء) کے باہم تقابلی مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ دونوں خط یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کو تحریر کیے گئے تھے۔ میری تحقیق یہ ہے کہ ایک ہی دن [یعنی یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کو] تحریر کیے جانے والے ان دونوں خطوط میں سے خط نمبر ۱۷ پہلے لکھا گیا تھا جو در اصل تہنیت نامہ ہے۔ اس تہنیتی خط کے بعد اسی دن غالب نے خط نمبر ۱۶ بھی لکھا تھا جس میں غالب نے شروع ہی میں اس "نامۂ تہنیت" (یعنی خط نمبر ۱۷) کے لکھے جانے کا ذکر کیا ہے۔ گویا مکاتیب کے خطوط نمبر ۱۶ و ۱۷ کی ترتیب بہ اعتبارِ زمانۂ تحریر الٹی ہو گئی ہے۔ میرے نزدیک خط ۱۷ کو جو خط ۱۶ سے پہلے لکھا گیا تھا ترتیب میں پہلے رکھنا چاہیے تھا اور خط نمبر ۱۶ کو جو خط نمبر ۱۷ کے بعد لکھا گیا تھا ترتیب میں خط نمبر ۱۷ کے بعد جگہ دی جانا چاہیے تھی۔ گویا خط نمبر ۱۷ کو مقدم اور خط ۱۶ کو مؤخر ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک غالب نے یہ دونوں خط یک شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کی صبح ہی کو لکھے تھے [غالب کے زیرِ بحث خطوط کی بابت ۲۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو مکمل ہونے والے میرے ایک غیر مطبوعہ مقالے میں بھی گفتگو ہو چکی ہے[30]۔ یہاں میں نے اپنے مارچ ۱۹۸۱ء کے اسی مطبوعہ مقالے کے مواد کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کیا ہے[31]]۔

(۱۸)

مکاتیب (طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۴۹ء متن ص ۲۰) کے خط نمبر ۲۳ بہ نام یوسف علی خاں ناظم کے خاتمے پر یک شنبہ ۱۷ اپریل ۱۸۶۱ء کی تاریخ خلافِ تقویم بھی ہے اور خلافِ اصل بھی۔ تقویم ۱۷ اپریل ۱۸۶۱ء کو یک شنبے کی جگہ چہار شنبہ بتاتی ہے۔ اس خط کی اصل کے عکس میں اس کی صحیح تاریخ یک شنبہ ۷ اپریل ۱۸۶۱ء (ساتویں اپریل ۱۸۶۱ء) خود غالب کے قلم سے مرقوم ملتی ہے[32] جو تقویم کی رو سے بھی درست ہے۔ خطوطِ غالب (ج۱): مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۶۲ء (ص ۲۸۵) میں بھی اس خط پر یک شنبہ ۱۷ اپریل ۱۸۶۱ء کا خلافِ تقویم اندراج نظرِ ثانی کا محتاج ہے[33]۔ مکاتیب طبع اول (متن ص ۲۸) میں یہ خط نمبر ۲۲ کی شکل میں ملتا ہے اور اس کے خاتمے پر یک شنبہ ۷ اپریل ۱۸۶۱ء کی صحیح تاریخ ہی درج ملتی ہے۔ گویا اس تاریخ کے اندراج میں مکاتیب طبع چہارم میں کتابت کا سہو واقع ہوا ہے۔

(۱۹)

مکاتیب (طبع چہارم متن ص ۲۱) کے مکتوب نمبر ۲۵ بہ نام یوسف علی خاں ناظم میں غالب کے ایک بیان میں "حسن علی خاں" کا نام آیا ہے۔ حسن علی خاں کے متعلق مولانا عرشی نے حاشیے میں لکھا ہے:

"حسن علی خاں کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون صاحب تھے۔"[34]

میرے نزدیک بظاہر یہ وہی حسن علی خاں ہیں جن کا ذکر غالب کے خطوں میں کئی بار ہوا ہے[35]۔ حسن علی خاں کے مختصر حالات میرے ایک مقالے میں موجود ہیں جو ۲۳ جون ۱۹۸۰ء کو مکمل ہوا تھا۔ یہ مقالہ خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ طبع ۱۹۸۱ء میں شامل ہے[36]۔

(۲۰)

مکاتیب (طبع چہارم) کے خط نمبر ۴۳ بہ نام کلب علی خاں (متن ص ۳۴) پر پنج شنبہ ۱۹ محرم ۱۲۸۱ھ کی تاریخ خلافِ تقویم بھی ہے اور خلافِ اصل بھی۔ اس خط کی اصل کے عکس میں خود غالب کے قلم سے اس کی تاریخ پنج شنبہ ۱۹ محرم ۱۲۸۲ھ مرقوم ملتی ہے[37]۔ یہاں مکاتیبِ غالب طبع چہارم کے کاتب نے ۱۲۸۲ھ کی جگہ غلطی سے ۱۲۸۱ھ لکھ دیا ہے۔ مکاتیبِ غالب طبع اول (متن ص ۵۳) میں اس خط کی تاریخ اس غلطی سے محفوظ ملتی ہے۔

(۲۱)

مکاتیبِ طبع چہارم کے خط نمبر ۲۹/۲۵ بہ نام نواب کلب علی خاں (متن ص ۵۵) میں غالب کے بیان میں اس خط کی تاریخ تحریر شنبہ ۱۰ر اگست ۱۸۶۶ء ملتی ہے جو خلافِ تقویم ہے۔ تقویم ۱۰ر اگست ۱۸۶۶ء کو جمعہ بتاتی ہے۔ اس خط کی اصل کے عکس میں بھی خود غالب کے قلم سے شنبہ ۱۰ر اگست ۱۸۶۶ء کا خلافِ تقویم اندراج ہی ملتا ہے جسے مولانا عرشی نے جوں کا توں (صفحہ ۸۵) قبول فرمایا۔ مکاتیب ۳۶/۴ کی تاریخ کے اندراج میں غالب کے سہو کے بارے میں خاموش ملتی ہے۔

(۲۲)

مکاتیب کا خط نمبر ۸۱/۳۷ بہ نام کلب علی خاں (متن ص ۶۵) بے تاریخ ہے۔ میں خط میں غالب کے بیان سے اسے ۳۰ر جنوری ۱۸۶۷ء یا اس کے کچھ بعد کا مکتوب قرار دے چکا ہوں۔ اگلے خط سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ خط نمبر ۸۱/۳۷ بہرحال ۸ر جنوری ۱۸۶۷ء سے قبل لکھا گیا ہوگا

(۲۳)

مکاتیبِ غالب طبع چہارم کے خط نمبر ۸۲/۳۸ بہ نام کلب علی خاں (متن ص ۶۹) پر ۱۶ر اپریل ۱۸۶۷ء کی تاریخ چھپی ملتی ہے۔ میرے نزدیک یہ خط ۱۶ر اپریل ۱۸۶۷ء کا اس لیے نہیں ہوسکتا کہ یہ ۱۰ر اپریل ۱۸۶۷ء تک رام پور پہنچ چکا تھا [بہ حوالہ مکاتیب متن ص ۶۹ حاشیہ ۱ بر صفحہ ۱۸۳]۔ مرقعِ غالب میں اس خط کی اصل کے عکس میں خود غالب کے قلم سے اس خط پر "۶ر مارچ اپریل ۱۸۶۷ء" کا اندراج ملتا ہے۔ خط میں مارچ کی تنخواہ کی وصولیابی کا ذکر اسے اپریل ہی کا خط ثابت کرتا ہے۔ بہ ظاہر ۶ر اپریل کے اس خط پر غالب نے سہوِ قلم سے پہلے "۶ر مارچ" لکھ دیا تھا۔ پھر مارچ کے بعد صحیح مہینا "اپریل" لکھا اور "مارچ" کو قلم زد نہ کیا۔ میرے نزدیک اس خط کی تاریخ تحریر ۶ر اپریل ۱۸۶۷ء ہے جسے مکاتیب طبع چہارم کے کاتب نے غلطی سے ۱۶ر اپریل ۱۸۶۷ء لکھ دیا ہے۔ مکاتیبِ غالب طبع اول (متن ص ۹۲) میں شامل اس خط کی تاریخ اس سہو سے محفوظ ملتی ہے۔

(۲۴)

مکاتیب طبع چہارم کے خط نمبر ۱۰۴/۶۰ بہ نام کلب علی خاں (متن ص ۷۹) پر ۱۲ر جنوری ۱۸۶۷ء کا اندراج ملتا ہے۔ خط میں غالب نے دسمبر ۱۸۶۷ء کی تنخواہ وصول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس خط میں دسمبر ۱۸۶۷ء کی تنخواہ کی وصولیابی کی خبر دی گئی ہو وہ ۱۲ر جنوری ۱۸۶۷ء کے بجائے ۱۲ر جنوری ۱۸۶۸ء کا ہوسکتا ہے۔ مکاتیب میں خطوط کی تاریخ وار ترتیب ہے۔ اس خط سے قبل کے رقعے کی تاریخ یکم رمضان ۱۲۸۴ھ (مطابق شنبہ ۲۸ر دسمبر ۱۸۶۷ء) ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۲۸ر دسمبر ۱۸۶۷ء کے بعد ۱۲ر جنوری ۱۸۶۷ء کے بجائے ۱۲ر جنوری ۱۸۶۸ء کا خط درج ہونا چاہیے۔ ۱۸۶۸ء کا ۱۸۶۷ء بن جانا مکاتیب طبع چہارم کے کاتب کا سہو ہے۔ مکاتیب طبع اول (متن ص ۱۰۱) میں یہ خط اس سہو سے پاک ملتا ہے۔

(۲۵)

مکاتیب طبع چہارم متن ص ۱۱ کے حاشیہ نمبر ۵ کے ماتحت حواشی ص ص ۱۲۸ تا ۱۲۹ میں مولانا عرشی نے فردوس مکان نواب یوسف علی خاں ناظم والیِ رام پور کے ایک خط بہ نام غالب کے تراشے کے خاتمے میں "۱۰ر ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۱۸۵۸ء" کی جو تاریخ درج فرمائی ہے وہ خلافِ تقویم ہے۔ تقویم میں ۲۵ر نومبر ۱۸۵۸ء کی تاریخ ۱۰ر ربیع الثانی کے بجائے ۱۸ر یا ۱۹ر ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کے مطابق ملتی ہے۔ والیِ رام پور نواب یوسف علی خاں ناظم کا محوّلہ بالا خط ۱۰ر ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کا اس لیے بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ غالب کے جس خط کا جواب ہے وہ ۱۱ر ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ (مطابق ۱۷ر نومبر ۱۸۵۸ء) کو لکھا گیا تھا (دیکھیے مکاتیب متن خط نمبر ۹)۔ ظاہر ہے کہ ۱۱ر ربیع الثانی کے خط کا جواب ۱۰ر ربیع الثانی کو تحریر ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ مکاتیب کے خط نمبر ۱۰ بہ نام ناظم (متن ص ۱۱) میں غالب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ناظم کا محوّلہ بالا خط ۲۵ر نومبر [۱۸۵۸ء] کو لکھا گیا تھا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر فردوس مکاں یوسف علی خاں ناظم کے غالب کے نام محوّلہ بالا خط کی صحیح تاریخ تحریر میرے نزدیک ۱۰ر ربیع الثانی کے بجائے ۱۹ر ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۱۸۵۸ء ہوگی۔ مکاتیب طبع اول متن ص ۱۶ (حاشیہ ۱) اس غلطی سے پاک ہے۔

(۲۶)

مکاتیب طبع چہارم متن ص ۱۵ کے حاشیہ نمبر۱ کے ماتحت (حواشی ص ۱۳۰ میں) مولانا عرشی نے فردوس مکاں والیِ رام پور نواب یوسف علی خاں ناظم کے ایک فرمان کی تاریخ ۲۹ صفر ۱۲۷۶ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء درج کی ہے۔ یہ تاریخ بھی خلافِ تقویم ہے۔ تقویم ۲۹ صفر ۱۲۷۶ھ کو ۸ ستمبر کے بجائے ۲۷ ستمبر ۱۸۵۹ء کے مطابق بتاتی ہے۔

(۲۷)

مکاتیب طبع چہارم (متن ص ۷۴ کے حاشیہ ۲ بر صفحہ ۱۵۶) میں مولانا عرشی کا بیان ہے کہ غالب کا درج ذیل فارسی قطعۂ تاریخ سبدِ چین میں چھپ چکا ہے:

دریغا کہ ماند ہمی قمر دولت — ز خاتونِ نامی، سکندر زمانی

غالب کا یہ قطعہ (جس کی بابت اوپر لکھا گیا ہے) مجھے سبدِ چین کے اضافہ شدہ ایڈیشن باغِ دودر میں نہیں ملا ہے۔ افسوس کہ سردست سبدِ چین طبع اول میرے دسترس میں نہیں۔

حواشی

۱ دیکھیے: (۱) نذرِ عرشی: مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد جمال پرنٹنگ پریس دہلی طبع دسمبر ۱۹۶۵ء ص ۲۰

(۲) عرشی صاحب کے خطوط: مرتبہ ذکیہ جیلانی - اے-ون آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی طبع ۱۹۸۹ء ص ۷

۲ بہ حوالۂ مقالہ "نگارشاتِ عرشی" از اکبر علی خاں عرشی زادہ مشمولۂ نذرِ عرشی ص ص ۳۹ تا ۵۹

۳ غالب کے خطوط (جلد اول): مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم - غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء ص ۴۲

۴ مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی - مطبع قیمہ بمبئی طبع اول مطبوعہ ۱۹۳۷ء کے متن (ص ص ۲ تا ۱۲۱) میں بہ ظاہر خطوط کی تعداد ۱۱۷ نظر آتی ہیں لیکن دراصل ان میں ۳ عدد منظومات ہیں جنھیں ۱۱۷ کی مجموعی تعداد سے خارج کرنے پر غالب کے نثری خطوط کی تعداد ۱۱۴ ہوتی ہے۔ یہ تینوں منظومات مکاتیب طبع اول کے خطوط نمبر ۲، ۶۳ نیز ۹۵ کے ماتحت دیکھی جا سکتی ہیں [مکاتیب طبع اول کے لیے میں جناب شمیم صاحب لائبریرین مرکزی اردو لائبریری لیے اردو اکادمی لکھنؤ کا ممنون ہوں۔ کاظم علی خاں]

۵ مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا ۳ مارچ ۱۹۷۶ء کا یہ غیر مطبوعہ خط مجھے لکھنؤ میں ڈاک سے ۴ مارچ ۱۹۷۶ء کو یعنی خط لکھے جانے کے دوسرے ہی دن موصول ہوا تھا۔ اس خط کا نمبر ۵۲۸/RL ہے۔

۶ بہ حوالۂ نذرِ عرشی ص ۲۸

۷ دیکھیے رسالہ معیار پٹنہ مدیر قاضی عبدالودود ماہ مارچ ۱۹۳۶ء ص ۱۵ [مشمولۂ خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ شمارہ ۱۷ و ۱۸ بابت ۱۹۸۱ء] جس میں منشی سیل چند کے نام غالب کے تین عدد خطوط مکاتیبِ غالب کے پہلے ایڈیشن ۱۹۳۷ء سے قبل چھپ چکے تھے [رسالہ معیار مارچ ۱۹۳۶ء میں چھپنے والے منشی سیل چند کے نام غالب کے تینوں خطوط مکاتیب طبع ۱۹۷۶ء میں خطوط نمبر ۱۲۲/۱، ۱۲۷/۲ نیز ۱۲۸/۳ کے ماتحت دیکھے جا سکتے ہیں۔ کاظم علی خاں]

۸ یادگارِ غالب: مولانا حالی - رام دیال اگروال پبلشرز الہ آباد ۱۹۵۸ء ص ۹۶

۹ تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱) خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ: کاظم علی خاں - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۸۱ء ص ص ۱۴۹ تا ۱۵۵ نیز ص ۱۶۱

(۲) مکاتیبِ غالب طبع چہارم دیباچہ ص ۲۵۴

۱۰ دیکھیے مکاتیبِ غالب (طبع چہارم) متن ص ۸۱، ص ۸۳ نیز ص ۸۴

۱۱؎ مکاتیبِ غالب طبع ۱۹۴۶ء تمہید (صفحۂ آخر)

۱۲؎ اُردوئے معلیٰ (حصّۂ اوّل) : غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء (خاتمۃ الطبع) ص ۵۸ و ۵۹

۱۳؎ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۱۸۸

۱۴؎ رجوع کیجیے : (۱) عیارِ غالب : مرتبہ مالک رام - علمی مجلس دلّی - طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۱۰

(۲) مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی - ناظم پریس رام پور طبع ۱۹۴۶ء دیباچہ ص ۸

۱۵؎ درک مقالہ کاظم علی خاں : "مہرِ نیم روز - تحقیق کی روشنی میں" مشمولہ دو ماہی اکادمی لکھنؤ مارچ ۱۹۸۲ء ص ۶۲ تا ۶۵

۱۶؎ غالب کا محوّلہ بالا خط نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق - مشہور پریس کراچی طبع ۱۹۴۹ء (حصّۂ دوم) ص ص ۳۴ تا ۳۵ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۷؎ دیکھیے : (۱) کلیاتِ نثرِ غالب - مطبع منشی نول کشور طبع اوّل ص ۱۸۷ (کتب خانۂ پروفیسر مسعود حسن ادیب لکھنؤ کا یہ نسخہ ناقص الآخر ہے)

(۲) کلیاتِ نثرِ غالب - مطبع منشی نول کشور کان پور طبع چہارم مطبوعہ اپریل ۱۸۸۸ء ص ۳۷۷ - یہ نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ہے۔ کلیاتِ نثرِ غالب کی دونوں اشاعتوں میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر درخشاں کی بہ طرزِ مثنوی فارسی تاریخ کی بیتِ تاریخی کے اندراج میں کتابت کا سہو ملتا ہے طبع اوّل میں متعلقہ بیت یوں ملتی ہے : ؎

گراں پیرفت در فخر المطابع — رہیج دو یمیں را روزِ شائع

طبع چہارم میں بیت کی قرأت یوں ہے : ؎

گراں پذرفت در فخر المطابع — رہیج دو یمیں را روزِ شائع

دونوں اندراجوں میں کتابت کا صریحی سہو ہے - اس بیت کی صحیح شکل یوں ہوگی : ؎

گراں پذرفت در فخر المطابع — رہیج دو یمیں را روزِ سابع

۱۸؎ مقالے کا یہ حصّہ میرے ایک مطبوعہ مقالے مشمولہ دو ماہی اکادمی لکھنؤ مارچ / اپریل ۱۹۸۳ء ص ص ۷ تا ۸ سے ماخوذ ہے

۱۹؎ قاطعِ برہان : غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اوّل مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۲۷۸ھ [مطابق ۲۲ مارچ ۱۸۶۲ء] خاتمۃ الطبع ص ۹۳ (یہ کتاب میرے کتب خانے میں موجود ہے)

۲۰؎ رجوع کیجیے : (۱) مکاتیبِ غالب طبع چہارم دیباچہ ص ۱۲۷

(۲) بین الاقوامی غالب سیمینار : مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں - نئی دہلی طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۱

۲۱؎ محوّلہ بالا مکتوبِ غالب بہ نام میر مہدی حسین مجروح کا زمانۂ تحریر مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مالک رام، مہیش پرشاد اور مولانا غلام رسول مہر نے جولائی ۱۸۵۹ء ہی متعین کیا ہے مگر ڈاکٹر خلیق انجم نے اس خط کے لیے اگست ۱۸۵۸ء کا زمانہ تجویز کیا ہے جو میرے لیے قابلِ قبول نہیں۔ دیکھیے :

(۱) اُردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصّۂ دوم : مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل - مجلسِ ترقیِ ادب لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ص ۹۷۱ تا ۹۷۳

(۲) خطوطِ غالب (حصّۂ اوّل) : مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ص ۳۰۶ تا ۳۰۷

(۳) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر - شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۲۴۰ تا ۲۴۱

(۴) غالب کے خطوط (جلد دوم) : مرتبہ خلیق انجم - غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۵ء ص ص ۹۹۵ تا ۹۹۶ (صفحہ ۹۹۶ کا حاشیہ ۶ بر صفحات ۸۸۳ تا ۸۸۴ دیکھیے)۔

۲۲؎ خطباتِ گارساں دتاسی (حصّۂ دوم) - کراچی طبع ۱۹۷۴ء ص ۸۸ [تفصیل کے لیے دیکھیے : تلاش و تحقیق : کاظم علی خاں - نظامی پریس لکھنؤ طبع جولائی ۱۹۸۹ء ص ص ۱۶۴ تا ۱۶۵]

۲۳؎ تفصیل کے لیے دیکھیے : خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۸۱ء ص ص ۱۹۶ تا ۱۹۷

۲۴؎ ایضاً

۲۵؎ ایضاً ص ص ۹۸ تا ۱۰۱

۲۶؎ ایضاً ص ص ۹۸ تا ۱۰۱

۲۷ ایضاً ص ۵۳ مع حاشیہ ۱۴ بر صفحہ ۵۸

---

۲۸ دیکھیے تقویم یک صد و دو سالہ - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۹۵ء

۲۹ دیکھیے : (۱) خطوطِ غالب (جلد اوّل) : مرتبہ مہیش پرشاد - الہ آباد طبع ۱۹۴۱ء ص ۲۰۶

(۲) خطوطِ غالب (جلد اوّل) : مرتبہ مالک رام - علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۲۴۳

۳۰ دیکھیے خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں طبع ۱۹۸۱ء ص ص ۷۲ تا ۷۶

۳۱ ایضاً ص ص ۷۲ تا ۷۳

۳۲ دیکھیے : (۱) مرقعِ غالب : مرتبہ میر تقوی چند دہلی طبع ۱۹۶۶ء

(۲) غالب کے خطوط (جلد سوم) : مرتبہ خلیق انجم - غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۷ء ص ۱۲۷۱

۳۳ یہ بحث میں خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ طبع ۱۹۸۱ء (ص ۷۳) میں پہلے بھی کر چکا ہوں، مگر یہاں اسے اذا فہ کے ساتھ اب دوبارہ پیش کیا ہے۔

۳۴ دیکھیے مکاتیبِ غالب طبع چہارم (مطبوعہ ۱۹۴۶ء) متن ص ۲۱ کا حاشیہ ۳۰ (بر صفحہ ۱۳۹)

۳۵ دیکھیے : (۱) اُردوئے معلّیٰ حصّۂ اوّل طبع اوّل مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۳۷۲ نیز ص ۴۳۱

(۲) عودِ ہندی طبع اوّل مطبوعہ ۱۲۸۵ھ (مطابق اکتوبر ۱۸۶۸ء) ص ۹۰

۳۶ حسن علی خاں کے مختصر حالات کے لیے دیکھیے میری کتاب خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ طبع ۱۹۸۱ء ص ۱۹۵ حاشیہ ۲۴

۳۷ غالب کے خطوط (جلد سوم) : مرتبہ خلیق انجم ص ۱۲۸۰

۳۸ ایضاً ص ۱۲۸۸

۳۹ دیکھیے خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں لکھنؤ طبع ۱۹۸۱ء ص ۷۵

نادراتِ غالب کا تحقیقی جائزہ

اس کتاب کے بارے میں ضروری امور ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) کتاب کا نام: نادراتِ غالب۔ (۲) مرتب: آفاق حسین آفاق۔
(۳) سنہ انطباع طبع اول: ۱۹۴۹ء۔ (۴) مطبع: مشہور پریس، کراچی۔
(۵) ناشر: ماسٹر الطاف حسین۔ (۶) کتاب سلسلۂ مطبوعات ادارۂ نادرات، کراچی کے ماتحت شائع ہوئی تھی۔ (۷) کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مرتب نے منشی نبی بخش حقیر، کتاب کے مندرجات، غالب اور اُن کے ۹۳ شاگردوں کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ دوسرا حصہ غالب کے خطوط اور حواشی پر مشتمل ہے۔
(۸) ضخامت: حصہ اول و حصہ دوم کی ضخامت بالترتیب ۱۸۰ + ۱۶۰ = ۳۴۰ صفحات ہے مگر فہرست سے قبل سرورق، پرنٹ لائین اور انتساب وغیرہ کے لیے الف، ب، ج [illegible] د کے ماتحت [illegible] ۴ صفحات [illegible] ملا کر کتاب کی مجموعی ضخامت ۳۴۴ صفحات ہوتی ہے۔ حصہ اول و حصہ دوم دو علاحدہ علاحدہ سلسلہ ہائے صفحات کے حامل ہیں۔ (۹) جسامت: $\frac{20 \times 30}{16}$ انچ (۱۰) قیمت: ۴ روپے [ص ب ملاحظہ ہو] (۱۱) انتساب: کتاب سر سید رضا علی خاں کے نام معنون ہے [صفحہ ج]۔ (۱۲) حصہ اول کے صفحہ ۱ پر کتاب کے مندرجات کی فہرست درج ہے۔ (۱۳) حصہ اول کے ص ۲ پر ماخذوں کی فہرست، ص ص ۳/۴ پر ڈاکٹر مولوی عبد الحق کا تحریر کردہ "سرنامہ" اور ص ص ۵ تا ۱۴ پر آفاق حسین کی "تمہید" شامل ہے (۱۴) سرنامے کے خاتمے پر ۱۲ مئی ۱۹۴۹ء اور "تمہید" کے اختتام پر ۲۴ مئی ۱۹۴۹ء کا اندراج بتاتا ہے کہ کتاب ۲۴ مئی ۱۹۴۹ء کے بعد ہی شائع ہوئی ہوگی۔

"کتاب میں غالب کے ۴۷ خطوط شامل ہیں۔ ان میں ایک فارسی میں ہے اور باقی ۳۷ مکاتیب اُردو میں ہیں۔ آفاق حسین آفاق کی متعین کردہ تاریخوں کی روشنی میں کتاب کے یہ تمام مکاتیب ۱۶ ربیع الاول ۱۲۶۴ھ سے ۱۳ جمادی الآخر ۱۲۷۵ھ تک کے درمیانی زمانے میں لکھے گئے تھے اور بہ قول مرتب یہ تمام خطوط کتاب میں بہ لحاظ زمانۂ تحریر سلسلہ وار مرتب ہیں۔ اس کتاب میں تقریباً ساڑھے پانچ درجن خطوط پہلی بار شائع ہوئے تھے اور محض چند خطوط مطبوعہ تھے۔ نادراتِ غالب میں شامل مکتوب غالب بنام حقیر مورخہ ۹ مارچ ۱۸۴۸ء غالب کے معلوم و موجود مطبوعہ اردو خطوط میں قدیم ترین خط ہونے کا شرف رکھتا ہے۔

نادراتِ غالب کے مکاتیب اس کے مرتب کے بہ قول میر مہدی مجروح اور میرن صاحب نے فراہم کیے تھے اور انھیں آفاق حسین نے بزرگوں کے تبرکات کے طور پر شائع کیا ہے۔ [نادراتِ غالب حصہ اول ص ۵ تمہید]۔

نادراتِ غالب حصہ اوّل (ص ۳) سے نامہ از ڈاکٹر مولوی
عبدالحق سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مرتب آفاق حسین آفاق غالب کے بےتکلف
دوست اور مکتوب الیہ میر افضل علی عرف میرن صاحب کے نواسے ہیں۔ میرن
صاحب کے نام اردوئے معلّٰی (حصہ اوّل)

طبع اوّل پر مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء (ص ص ۳۱۶ تا ۳۱۸) میں غالب
کے تین خطوط موجود ہیں لیکن دوسرے متعدد خطوط میں میرن صاحب کا ذکر ملتا ہے۔
عودِ ہندی [illegible] (طبع اوّل) مطبوعہ
۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ (مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء) میں صفحات ۶۸/۶۹،
۷۱ تا ۷۹، ۸۲ تا ۸۴، ۹۱، ۹۳ تا ۹۵ وغیرہ پر میرن صاحب
کا ذکر موجود ہے۔

آفاق حسین آفاق نے مولانا حالی کی کتاب یادگارِ غالب
میں نادراتِ غالب کے مکاتیب کے اقتباسات کی نشان دہی کی ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ بحث مجموعۂ مکاتیب یادگارِ غالب کے ماخذوں میں
شامل تھا۔ نادراتِ غالب کے خطوط کی مدد سے آفاق حسین نے غالب کے دوست
اور شاگرد منشی نبی بخش حقیر کے بارے میں متعدد ایسے گوشے پیش کیے ہیں
جو موضوع پر اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرتب نے کتاب کے خطوط کے مندرجات
کی بنیاد پر غالب اور اُن کے بعض ادبی آثار کے بارے میں چند اہم انکشافات
کیے ہیں۔ کتاب میں غالب کے بعض متعلقین و معاصرین اور عصرِ غالب کے متعلق
مفید مواد پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں غالب کے ۹۳ شاگردوں کا ذکر بھی اہم
شے ہے۔ نادراتِ غالب میں چند غالب کے شاعروں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے
نادراتِ غالب کے مکاتیب بجائے خود اہم ہیں لیکن وہ غالب کے بعض دوسرے
مکاتیب کی تاریخوں کے تعین میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں خطوط
پر مفید حواشی اس کی افادیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اہمیت و افادیت کے
ان مختلف پہلوؤں کے باعث نادراتِ غالب کو غالبیات میں ایک اہم
اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

نادراتِ غالب کے ۷۴ مکاتیب میں سے ۷۱ منشی نبی
بخش حقیر کے نام ہیں۔ ان ۷۱ خطوط میں صرف ایک فارسی مکتوب ہے باقی ۷۰ رقعات
اردو میں ہیں۔ کتاب کے خطوط نمبر ۸ و نمبر ۳۷ [یعنی صرف دو مکاتیب]
منشی عبداللطیف (فرزند حقیر) کے نام ہیں۔ تب یہ خط نمبر ۷۴ یا آخری خط
کس کے نام ہے؟ اس سوال پر آگے بحث کی جائے گی۔ ان حقائق کے پیشِ نظر ڈاکٹر
خلیق انجم کا یہ ارشاد درست نہیں کہ نادراتِ غالب میں "حقیر کے نام ایک

گوپی چند نارنگ نے یہ خط دہلی یونیورسٹی میگزین اردوئے معلّیٰ [جلد ۲ ۔ شمارہ ۲، ۳] ص ۷۷ میں بہ حوالۂ ذخیرۂ مہیش پرشاد شائع کیا ہے....
"یہ مکتوب ابھی تک کسی مجموعے میں شریکِ اشاعت نہیں ہو سکا تھا، ہم جناب گوپی چند صاحب کے شکر گزار ہیں کہ اُن کی بدولت یہ خط حاصل ہوا۔" [اردوئے معلّیٰ (صدی ایڈیشن) حصّہ دوم و سوم : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقیِ ادب، لاہور طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ۹۹۱ (حاشیہ)]۔ اپریل ۱۹۷۰ء میں شائع ہونے والی کتاب میں مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا یہ حاشیہ نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ کیونکہ میری اطلاع کے مطابق اپریل ۱۹۷۰ء سے قبل یہ خط مندرجہ ذیل مجموعوں میں بہ تکرار شائع ہو چکا تھا:

(الف) اردوئے معلّیٰ (حصہ اول) : غالب اکمل المطابع، دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۲۷۲ [بہ نام حقیر]

(ب) نادراتِ غالب طبع ۱۹۴۹ء حصہ دوم ص ۹۰ [بہ نام حقیر]

(ج) خطوطِ غالب (حصہ اول) : مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ - طبع ۱۹۶۲ء ص ۳۵۱ [مکتوب نمبر ۵۱۰ بہ نام آرام]۔

(د) خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر طبع ۱۹۶۸ء [ص ۴۲۲ بہ نام حقیر نیز ص ص ۵۷۹/۵۸۰ بہ نام آرام]۔

سطورِ گذشتہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نادراتِ غالب کے آخری خط [مکتوب نمبر ۴۷] کو مہیش پرشاد، گوپی چند نارنگ اور مالک رام منشی شیو نرائن آرام کے نام قرار دیتے ہیں اور فاضل لکھنوی و مولانا غلام رسول مہر بھی اسے آرام کے نام ہی درج فرما چکے ہیں۔ گویا اب ماہرینِ غالبیات کی اکثریت اس خط کو منشی شیو نرائن آرام کے نام مان چکی ہے۔ خط کے مندرجات سے راقم الحروف بھی اسے آرام کے نام سمجھتا ہے۔ اس طرح نادراتِ غالب کا آخری خط حقیر کے بجائے آرام کے نام ثابت ہوتا ہے اور اس انکشاف کی روشنی میں ہم نادراتِ غالب کے مکاتیب کو آفاق حسین آفاق کے قول کے برخلاف دو کے بجائے تین مکتوب الیہم کے نام بہ تفصیل ذیل پاتے ہیں:

(۱) حقیر کے نام ـــ ۱۷ خطوط -
(۲) منشی عبد اللطیف کے نام ـــ ۲ خطوط -
(۳) شیو نرائن آرام کے نام ـــ ۱ خط [آخری خط - مکتوب نمبر ۴۷]۔

ان حقائق کے پیشِ نظر غالب ببلیوگرافی : مرتبہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ - مطبوعہ ۱۹۷۲ء (حصہ اول ص ۳۲) کا یہ اندراج درست نہیں کہ نادراتِ غالب میں حقیر کے نام ۴۷ خطوط ہیں۔ پاکستانی صاحبِ قلم ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نادراتِ غالب میں حقیر کے نام ۴۷ خطوط بتاتے ہیں۔ موصوف کا یہ ارشاد ترمیم کا طالب ہے۔

نادراتِ غالب حصہ اول (ص ۲۹) میں آفاق حسین آفاق
کا ارشاد ہے کہ میرزا حاتم علی مہر نے غالب کی کتاب دستنبو کے لیے کوئی قطعۂ تاریخ لکھا
ہی نہ تھا ورنہ وہ دستنبو میں ضرور شامل ہوتا۔ دستنبو: غالب مطبع مفید خلائق
طبع اول مطبوعہ نومبر ۱۸۵۸ء (ص ۸۰) میں شائع ہونے والا میرزا حاتم علی بیگ
مہر کا مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ آفاق حسین آفاق کے بیان کو رد کرتا ہے: ؎

اسد اللہ خاں غالب، مہر ← حبذا، ز رقم چہ دستنبو
نامہ خود سالِ خویش داد نشاں ← ید بیضاست، چہ دستنبو

نادراتِ غالب میں شامل متعدد مکاتیب کی تاریخیں غلط درج
کی گئی ہیں۔ تاریخوں کے غلط اندراج کی بعض مثالیں سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔
مکتوب نمبر ۳ بنام حقیر (حصہ دوم ص ۴) پر یک شنبہ ۴ جون
۱۸۴۸ء کو خلافِ تقویم مطابق ۱۲ رجب ۱۲۶۰ھ درج کیا گیا ہے۔ تقویم یک صد سالہ
مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ (طبع ۱۸۶۵ء) یک شنبہ ۴ جون ۱۸۴۸ء کو
یکم رجب ۱۲۶۴ھ کے مطابق بتاتی ہے۔
مکتوب نمبر ۱۴ بنام حقیر [نادراتِ غالب حصہ دوم ص ۱۷]
پر سہ شنبہ ۴ اگست ۱۸۵۱ء مطابق ۶ شوال ۱۲۶۷ھ کا اندراج نظرثانی
کا محتاج ہے۔ تقویم ۴ اگست ۱۸۵۱ء کو دوشنبہ ۵ شوال ۱۲۶۷ھ بتاتی ہے۔
خطوطِ غالب حصہ اول: مرتبہ مالک رام (طبع ۱۹۶۲ء) ص ۱۱۲ میں اس خط پر
بہ تقلید نادراتِ غالب خلافِ تقویم سہ شنبہ ۴ اگست ۱۸۵۱ء کا
اندراج بھی محلِ نظر ہے۔
مکتوب نمبر ۲۵ بنام حقیر [نادراتِ غالب حصہ دوم ص ۳۴]
پر شنبہ ۴ اپریل ۱۸۵۳ء کا اندراج خلافِ تقویم ہے۔ تقویم ۴ اپریل ۱۸۵۳ء
کو دوشنبہ بتاتی ہے۔ خطوطِ غالب حصہ اول: مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۶۲ء ص ۱۲۴
(مکتوب نمبر ۱۴۴) میں بھی بہ تقلید نادراتِ غالب زیر بحث مکتوب پر
خلافِ تقویم شنبہ ۴ اپریل ۱۸۵۳ء رقم ہے۔
مکتوب نمبر ۳۲ بنام حقیر (حصہ دوم ص ۴۴) پر یک
شنبہ ۳ ستمبر ۱۸۵۳ء درج ہے۔ تقویم ۳ ستمبر ۱۸۵۳ء کو شنبہ بتاتی ہے۔
نادراتِ غالب کی اسی فروگزاشت کو خطوطِ غالب حصہ اول (ص ۱۳۴) میں مالک رام
نے بھی دہرایا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۱ بنام حقیر (حصہ دوم ص ۵۶) پر
دوشنبہ ۱۸ جون ۱۸۵۴ء رقم ہے۔ تقویم ۱۸ جون ۱۸۵۴ء کو یک شنبہ
بتاتی ہے۔ مالک رام نے نادراتِ غالب کی اس غلطی کی بھی تقلید فرمائی ہے۔
[خطوطِ غالب حصہ اول: مرتبہ مالک رام ص ۱۶۱ - مکتوب نمبر ۱۶۰]۔

مکتوب نمبر ۶۹ بہ نام قفیر [نادراتِ غالب حصہ دوم ص ۸۶]
پیر چارشنبہ ۲ ماہ اگست ۱۸۵۶ء درج ہے۔ تقویم ۲ اگست ۱۸۵۶ء کو شنبہ بتاتی ہے۔ نادراتِ غالب کے اس سہو سے خطوطِ غالب حصہ اول مرتبہ مالک رام بھی محفوظ نہیں۔ [خطوطِ غالب ( ) : مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۶۲ء مکتوب نمبر ۱۸۹/ ص ۲۶۴] ۔ نادراتِ غالب کے مکتوب نمبر ۶۹ میں غالب کا بیان ہے: "کل شغل کو آپ کا خط آیا۔" غالب کا یہ بیان بتاتا ہے کہ نادراتِ غالب کا خط نمبر ۶۹ چہارشنبہ کو ہی لکھا گیا ہوگا۔ تقویم میں مجھے ۶ اگست اور ۲۰ اگست ۱۸۵۶ء کو چہارشنبہ ملتا ہے۔
میرا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ یہ خط انھیں دو تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ کا ہو۔ ۶ یا ۲۰ اگست کا غلطی سے ۲ اگست بن جانا سہوِ قلم کا حیرت ناک کرشمہ نہ ہوگا۔

حواشی

۱ میر افضل علی عرف میرن صاحب غالب کے مکتوب الیہ اور بے تکلف دوست تھے۔ یہ دہلی کے باشندے تھے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے تو ایک شہزادے نے اولاد کی طرح پالا۔ گانے بجانے کے شوقین تھے آواز اچھی تھی۔ سوز خوانی میں مہارت رکھتے تھے۔ مرثیہ خوانی بھی کرتے تھے۔ جوانی میں حسین آدمی رہے ہوں گے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں دہلی کی سکونت ترک کی۔ پانی پت میں رہے پھر الور چلے گئے۔ مہاراجا الور نے میرن صاحب کی سرپرستی کی۔ مہاراجا الور کے اختیارات سلب ہونے پر میرن صاحب کو الور چھوڑنا پڑا۔ پھر نواب پٹودی کے مصاحب ہوئے۔ جے پور اور حیدرآباد میں بھی رہے۔ غالب کا آرزو تھی کہ نواب یوسف علی خاں ناظم کے عہدِ حکومت میں رام پور بھی گئے مگر وہاں مرثیہ خوانی کی ملازمت نہ ملی۔ نواب سعید الدین احمد خاں طالب بھی میرن صاحب کے مرتب تھے۔ غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء تک میرن صاحب کی شادی ہو چکی تھی۔ [① اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل۔ مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور (حصہ اول جلد دوم) طبع ۱۹۶۹ء ص ۷۰۶ (حاشیہ ۱) ② خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور۔ طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۲۲۵/۲۲۶ ۔ ③ چند ہم عصر : مولانا عبد الحق

۲ نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق ۔ مشہور پریس، کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصہ اول ص ۱۷ (تمہید) ۔

۳ غالب کی نادر تحریریں: مرتبہ خلیق انجم - مکتبہ شاہ راہ، دہلی طبع فروری ۱۹۶۱ء ص ۲۶ -

۴ ایضاً ص ۱۵۶ (حواشی) چودھری سردار کے متعلق حاشیہ ملاحظہ ہو - کاظم علی خاں۔

۵ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد دوم: مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۵۲۸ (حاشیہ ۲)-

۶ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر طبع ۱۹۶۸ء ص ۲۲۴ -

۷ ایضاً ص ص ۵۸۰/۵۷۹ -

۸ دیکھئے: (۱) خطوطِ غالب (حصہ اوّل): مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۴۳۵ (مکتوب نمبر ۵۱) -
(۲) ذکرِ غالب: مالک رام - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۲۳ (حاشیہ ۱) -

۹ محاسنِ خطوطِ غالب: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار - مکتبۂ خیابانِ ادب، لاہور طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۹ -

۱۰ بہ حوالۂ ذکرِ غالب ص ص ۱۵۰/۱۴۹ -

۱۱ بہ حوالۂ اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن): مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۵۰۴ (حاشیہ ۳)-

۱۲ تقویمِ یک صد و دو سالہ - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع ۱۸۶۵ء -

چھٹا باب

غالب کے گم شدہ مکاتیب اور بعض غیر معروف مکتوب الیہم و تلامذہ

غالب کے اُردو خطوط کی داخلی شہادتیں غالب کے متعدد گم شدہ مکاتیب کی نشان دہی کرتی ہیں۔ ان گم شدہ مکاتیب میں بعض خطوط ایسے افراد کے نام تھے جن کے نام اب غالب کا کوئی اُردو خط موجود نہیں۔ گویا یہ گم شدہ خطوط اگر مل جائیں تو ان کی مدد سے غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں چند ناموں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ سطور ذیل میں خطوط غالب اور دیگر ذرائع کی روشنی میں غالب کے ساڑھے تین درجن سے زائد گم شدہ مکاتیب کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

①

تفتہ کے نام ۲۲ مئی ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "---- بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہنچا۔ عجب تماشا ہے، وہ درنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میں اُن کے عذر چاہنے سے مرا جاتا ہوں۔ ہائے اتفاق، آج میں نے اُن کو لکھا اور کل راجا کے مرنے کی خبر سنی۔۔۔۔"[۱] اس بیان سے جانی بانکے لال [جنہیں غالب اپنے خطوط[۲] میں بابو صاحب لکھا کرتے تھے] کے نام غالب کے ایک ایسے خط کا پتا چلتا ہے جو اب نایاب ہے۔ جانی بانکے لال کے نام غالب کا یہ گم شدہ خط ۲۲ مئی ۱۸۵۳ء سے قبل لکھا گیا تھا۔ غالب کے مطبوعہ اُردو مکاتیب میں جانی بانکے لال کے نام کوئی خط موجود نہیں۔ اگر غالب کا یہ گم شدہ خط اُردو میں تھا تو یہ غالب کے اُردو خطوط کے مکتوب الیہم کی فہرست [جو راقم السطور کی تحقیق کے مطابق تقریباً ساڑھے سات درجن افراد پر مشتمل ہے] میں جانی بانکے لال کے نام کا اضافہ کر سکتا ہے۔ جانی بانکے لال کے نام "پنج آہنگ"[۳] اور "باغ دودر"[۴] میں بھی غالب کا کوئی ایسا فارسی خط موجود نہیں جو ۲۲ مئی ۱۸۵۳ء سے قبل لکھا گیا ہو۔ باغ دودر میں جانی بانکے لال کے نام غالب کا جو واحد فارسی مکتوب شامل ہے اُس کا زمانۂ تحریر اواخر ستمبر ۱۸۵۳ء بتایا جاتا ہے [باغ دودر (متن) ص ۱۶۷ نیز (تحقیق نامہ) ص ص ۸۱ تا ۸۳] - جانی بانکے لال شاعر تھے اور اُن کا تخلص رند تھا۔[۵] رند کو غالب کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ جانی بانکے لال رند کے مختصر حالات صرف چند کتابوں[۶] میں موجود ہیں۔

②

پنج شنبہ ۹ جون ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا ہے: "---- بابو صاحب کے جو خطوط ضروری اور کچھ اخط ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے وہ میں نے پنج شنبہ ۲۶ مئی کو پارسل میں اُن کے پاس روانہ کر دیے اور اُس میں کئی بھیجی سب ہوں اور میرے بھیجے ہوئے لفافے جلد بھیج دو۔۔۔۔"[۷] یہ بیان جانی بانکے لال رند کے نام غالب کے ایک ایسے خط کی نشان دہی کرتا ہے جو پنج شنبہ ۲۶ مئی ۱۸۵۳ء کو لکھا گیا تھا مگر اب یہ نایاب خط غالب کے گم شدہ مکاتیب کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔ غالب کے مطبوعہ فارسی اور اُردو خطوط میں جانی بانکے لال رند کے نام ۲۶ مئی ۱۸۵۳ء کا مذکورہ خط تلاش کے باوجود مجھے نہ مل سکا۔

(۳)

تفتہ کے نام ایک خط میں غالب اطلاع دیتے ہیں: "..... کل ایک رقعہ میرے پاس آیا۔ کوئی صاحب ہیں عطاء اللہ خاں اور ناسخی تخلص کرتے ہیں۔ خدا جانے کہاں ہیں اور کون ہیں۔ ایک دوست نے وہ رقعہ میرے پاس بھیجا، میں نے اُس کا جواب اُن کو اُسی دوست کے پاس بھیج دیا..." [خطوطِ غالب (عکس): مرتبہ مالک رام ص ۱۳]۔ یہ بیان عطاء اللہ خاں ناسخی اور غالب کے درمیان مکاتبت کے امکان کی نشان دہی کرتا ہے۔ افسوس کہ اب عطاء اللہ خاں ناسخی کے نام غالب کے اُردو اور فارسی مکاتیب میں کوئی خط نہیں موجود ہے۔ پنج آہنگ میں ناسخی کے نام غالب کے بعض فارسی خطوط ملتے ہیں اُن کا نام حسام الدین حیدر خاں ہے [کلیاتِ نثرِ غالب طبع ۱۸۶۸ء ص ۲۳۹ وبعدہ]۔ ظاہر ہے کہ حسام الدین حیدر خاں ناسخی، عطاء اللہ خاں ناسخی سے مختلف شخص ہیں۔ اگر عطاء اللہ خاں ناسخی کو غالب نے کوئی خط لکھا تھا تو وہ اب ناپید ہے اور وہ خط غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں عطاء اللہ خاں ناسخی کے نام کا اضافہ کر سکتا ہے۔ عطاء اللہ خاں ناسخی کے نام غالب کے خطوط تو موجود نہیں لیکن عطاء اللہ خاں ناسخی کا نام غالب کے کئی خطوط میں ضرور موجود ہے۔

(۴)

تفتہ کے نام ۵ مارچ ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب رقم طراز ہیں: "..... میں تم کو آگرہ میں سمجھ کر سکندر آباد خط نہ بھیجوں گا۔ مولوی قمر الدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا گیا اُن کا خط آیا وہ لکھتے ہیں کہ ابھی مرزا تفتہ یہاں نہیں آئے...." [اُردوئے معلیٰ (حصہ اول): غالب - اکمل المطابع، دہلی طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۸۴]۔ یہ بیان مولوی قمر الدین خاں اور غالب کے مابین مکاتبت کا انکشاف کرتا ہے۔ اب مولوی قمر الدین خاں کے نام فارسی یا اُردو میں غالب کا کوئی خط موجود نہیں۔ یہ بیان غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں مولوی قمر الدین خاں کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔ مولوی قمر الدین خاں کے نام غالب کا کوئی خط موجود نہ ہونے کے باوجود اُن کا نام غالب کے کئی خطوں میں موجود ہے۔

(۵)

مکتوبِ غالب بہ نام تفتہ کا ایک تراشہ ملاحظہ ہو: "میر مکرم حسین صاحب کا خط پرسوں آیا۔ دو چار دن میں اُس کا جواب لکھوں گا..." [اُردوئے معلیٰ (حصہ اول) طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۸۲]۔ یہ بیان غالب اور میر مکرم حسین کے درمیان خط و کتابت کے امکان کی نشان دہی کرتا ہے۔ میر مکرم حسین کے نام اب تلاش کرنے پر مجھے غالب کا اُردو یا فارسی میں کوئی خط نہیں ملا۔ تفتہ کے نام غالب کے ایک اور خط [مشمولہ اُردوئے معلیٰ (حصہ اول) طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۵۳] سے بھی غالب اور میر مکرم حسین کے مابین مکاتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ غالب کے مطبوعہ اُردو خطوط تقریباً ساڑھے سات درجن افراد کے نام ہیں۔ مذکورہ شواہد غالب کے اُردو خطوط کے مکتوب الیہم کی اس فہرست میں میر مکرم حسین کے نام کا اضافہ کرتے ہیں۔

(۶)

اردوئے معلیٰ (حصہ اول) طبع ۱۸۶۹ء (ص۲۷) میں شامل تفتہ کے نام ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "---- راے امید سنگھ کے نام کا خط بہ احتیاط اپنے دو - جب وہ آئیں ان کو دے دو ----" گمان غالب ہے کہ اس بیان میں راے امید سنگھ کے نام غالب ہی کے خط کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ خط اب غالب کے گم شدہ خطوط میں شامل ہو گیا ہے - غالب کے مطبوعہ فارسی و اردو خطوط میں اب راقم السطور کو راے امید سنگھ کے نام کوئی خط نہیں ملتا - غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے راے امید سنگھ کا نام ایک اضافہ ثابت ہوتا ہے۔

(۷)

علائی کے نام مورخہ ۹ فروری ۱۸۶۲ء (یک شنبہ) کے ایک خط [مشمولہ اردوئے معلیٰ (حصہ اول) طبع اول ص ۳۲۱] میں غالب بتاتے ہیں: "صاحب، جمعہ کو میں نے تم کو خط لکھا؛ اسی وقت بھیج دیا ----" یک شنبہ ۹ فروری ۱۸۶۲ء کے خط میں غالب کے اس بیان سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے علائی کے نام جمعہ ۷ فروری ۱۸۶۲ء کو بھی ایک خط لکھا تھا - غالب کے دست یاب مطبوعہ فارسی و اردو مکاتیب میں اب علائی کے نام جمعہ ۷ فروری ۱۸۶۲ء کا کوئی خط نہیں موجود ہے - مکتوب غالب بہ نام علائی مکتوبہ جمعہ ۷ فروری ۱۸۶۲ء کو غالب کے گم شدہ خطوط میں شامل کیا جائے گا -

(۸)

قدر بلگرامی کو ایک خط میں غالب نے لکھا ہے: "---- جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام بعد عرض کیجیے گا اور یہ کہیے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنا دینا پڑے گا - ہر مہینے میں آٹھ خط تک بل کہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا، بھیجیے ----" [خطوط غالب (عکس): مرتبہ مالک رام ص ۲۵۷] - نوروز علی اور غالب کے درمیان مکاتبت کا سلسلہ قائم ہو سکا یا نہیں اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے - اگر نوروز علی کے نام غالب نے خطوط لکھے تھے تو وہ اب نایاب ہیں - غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے نوروز علی کا نام ایک نیا نام ہوگا -

(۹)

دو شنبہ ۵ مارچ ۱۸۶۲ء کے خط میں غالب قدر بلگرامی سے مخاطب ہیں: "آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوا دیا ----" [خطوط غالب (عکس): مرتبہ مالک رام ص ۲۶۷] - یہ اطلاع ۵ مارچ ۱۸۶۲ء کو دی گئی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے قدر بلگرامی کو ۱۸۶۲ء میں ۵ مارچ سے قبل بھی ایک خط لکھا تھا - مجھے قدر بلگرامی کے نام ۱۸۶۲ء میں ۵ مارچ سے قبل کا غالب کا کوئی خط نہیں ملتا - یہاں غالب نے اپنے جس خط کی اطلاع دی ہے وہ اب نایاب ہے -

(۱۰)

مرزا یوسف علی خاں عزیز کے نام اپنے خط میں غالب نے اطلاع دی ہے: "---- کل زین العابدین فوق کا خط ---- بہ سبیل ڈاک بھجوا دیا ہے ----" [عود ہندی: غالب - مطبع مجتبائی میرٹھ (طبع اول) مطبوعہ اار رجب ۱۲۸۵ھ (مطابق اکتوبر ۱۸۶۸ء) ص ۶۵] - اس سے زین العابدین فوق اور غالب کے درمیان خط و کتابت کا انکشاف ہوتا ہے - زین العابدین فوق

مکتوب الیہم کی فہرست   کے نام اب غالب کا کوئی اُردو خط موجود نہیں۔ غالب کے
زین العابدین ذوق کے نام سے خالی ہے مگر غالب کا مذکورہ بیان ذوق کو اس فہرست میں شامل کر رہا ہے۔

(۱۱)

آرام کے نام غالب کے ایک خط کا تراشہ ملاحظہ ہو: "۔۔۔۔ اپنے شفیق دلی ماسٹر رام چندر صاحب کو تمہارے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انھوں نے میرے رقعے کے جواب میں لکھا ہے وہ تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لینا۔۔۔۔" [اُردوئے معلیٰ (حصہ اول) طبع ۱۸۶۹ء ص ۲۰۳]۔ یہ بیان ماسٹر رام چندر اور غالب کے درمیان مکاتبت کے جس سلسلے کا انکشاف کرتا ہے اُس کے بارے میں ادبی حلقے بے خبر نظر آتے ہیں۔ صدیق الرحمٰن قدوائی کی کتاب ماسٹر رام چندر غالب اور ماسٹر رام چندر کی مکتوب نگاری کی خصوصیات پر تو روشنی ڈالتی ہے لیکن غالب اور رام چندر کے درمیان خط و کتابت کے محولہ بالا سلسلے کے متعلق خاموش نظر آتی ہے۔ ماسٹر رام چندر کے نام اب غالب کا فارسی یا اُردو میں کوئی خط نہیں ملتا۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں محولہ بالا بیان ماسٹر رام چندر کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔ ماسٹر رام چندر کے نام یہاں غالب نے اپنے جس خط کا ذکر کیا ہے وہ اب غالب کے گم شدہ خطوط میں شامل ہو چکا ہے اور یہ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء سے کچھ عرصہ قبل تحریر ہوا ہوگا۔

(۱۲)

تفتہ کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء میں غالب کا بیان ہے: "آج تمھیں دو خط بھیجے ہیں؛ ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ۔۔۔"[۱۲] اب تفتہ کے نام ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء کا ایک ہی خط ملتا ہے دوسرا خط ناپید ہے۔

(۱۳)

نواب غلام بابا خاں کے نام اپنے خط مورخہ ۹ اگست ۱۸۶۶ء میں غالب نے لکھا ہے: "کیوں حضرت صاحب زادے کا اسم تاریخی پسند آیا یا نہیں؟ نام تاریخی اور پھر سیّد بھی اور خان بھی۔ 'سیّد صحابت علی خاں' عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپ کے خط میں توضیح، نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔۔۔"[۱۳] مجھے تلاش کے باوجود غلام بابا خاں یا میاں داد خاں سیاح کے نام غالب کا کوئی ایسا خط نہیں ملتا جو ۹ اگست ۱۸۶۶ء سے قبل کسی قریبی زمانے میں لکھا گیا ہو اور اس میں غالب نے غلام بابا خاں کے فرزند کا تاریخی نام تجویز کیا ہو۔ غالب کا بیان بتاتا ہے کہ غالب نے ان مضامین پر مشتمل ایک خط ۹ اگست ۱۸۶۶ء سے قبل ضرور لکھا تھا مگر اب وہ خط غالب کے گم شدہ مکاتیب میں جگہ پا چکا ہے۔

(۱۴) نیز (۱۵)

قدر بلگرامی کے نام اپنے ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "اس وقت آپ کی دستخطی تحریر پہنچی۔ ادھر اس کو پڑھا اور اُدھر یہ خط تمھیں اور ایک خط مرزا عباس کو اور ایک خط

تہنیت کا منشی صاحب [منشی صاحب سے مراد ہیں منشی نول کشور جنھیں غالب اپنے خطوط بنام
قدر بلگرامی میں منشی صاحب ہی لکھا کرتے تھے] کو لکھا۔ " تقویم کی رو سے اِس خط کی تاریخ تحریر
چہار شنبہ ۱۷ جون ۱۸۶۳ء ملتی ہے۔ مجھے تلاش کے باوجود مرزا عباس اور منشی نول کشور
کے نام ۱۷ جون ۱۸۶۳ء کا مکتوبِ غالب کا کوئی اُردو خط نہیں مل سکا ہے۔ مرزا عباس بیگ کے نام
غالب کا اب محض ایک اُردو خط مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۶۳ء موجود ہے [خطوطِ غالب : مرتبہ
مولانا غلام رسول مہر ـ لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ص ۵۴۲ تا ۵۴۳]۔ مرزا عباس بیگ کے
نام غالب کا مذکورۂ بالا مکتوب مورخہ ۱۷ جون ۱۸۶۳ء اب تلف ہو چکا ہے۔ منشی نول کشور
کے نام اب اُردو میں غالب کا محض اوّل مارچ ۱۸۶۳ء کا ایک خط ملتا ہے [اُردوئے معلیٰ
(صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم : مرتبہ مولانا فاضل لکھنوی ص ص ۱۱۰۶ تا ۱۱۰۷]۔ منشی نول کشور
کے نام غالب کا خط مورخہ ۱۷ جون ۱۸۶۳ء اب ناپید ہے۔ پنج آہنگ بھی منشی نول کشور
کے نام غالب کے ۱۷ جون ۱۸۶۳ء کے مکتوبہ فارسی خط سے خالی ہے۔ پنج آہنگ میں منشی
نول کشور کے نام غالب کا جو واحد فارسی خط شامل ہے اُس کی تاریخ تحریر چہار شنبہ
۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء ہے۔ اِن حالات میں میرے نزدیک منشی نول کشور اور مرزا عباس بیگ
کے نام ۱۷ جون ۱۸۶۳ء کو تحریر ہونے والے مذکورۂ بالا خطوط اب غالب کے گم شدہ مکاتیب
کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں۔

(۱۶)

قدر بلگرامی کے نام ایک خط میں غالب اطلاع دیتے ہیں: " برخوردار مرزا عباس
کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے " [اُردوئے معلیٰ
(صدی ایڈیشن) حصہ دوم و سوم : مرتبہ فاضل لکھنوی ص ص ۱۰۵۰ تا ۱۰۵۱]۔ غالب
کی یہ عبارت جنوری ۱۸۶۰ء کے مکتوب سے ماخوذ ہے لہٰذا اِس بیان میں مرزا عباس بیگ کے
نام غالب نے اپنے جس خط کا ذکر کیا ہے وہ جنوری ۱۸۶۰ء یا اس سے قبل لکھا گیا ہوگا اور
اب وہ ناپید ہے۔ مرزا عباس بیگ کے نام اب غالب کا جو واحد اُردو خط موجود ہے
اُس کی تاریخ تحریر ۱۲ مئی ۱۸۶۳ء ہے [خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ص ص
۵۴۲ تا ۵۴۳]۔ مرزا عباس بیگ کے نام جنوری ۱۸۶۰ء یا اُس سے قبل کا خط اب شاید
غالب کے گم شدہ مکاتیب میں شامل ہو چکا ہے۔

(۱۷)

حکیم غلام نجف خاں کے نام ایک خط میں غالب رقم طراز ہیں: " بھائی ہوش میں آؤ میں نے
تم کو خط کب بھیجا اور رقعے میں کب لکھا کہ میں شیر زماں کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں میں نے
تو ایک لطیفہ لکھا تھا کہ شیر زماں خاں نے میرے خط میں تم کو بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اِس
رقعے میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی ہی تھی۔۔۔ " [اُردوئے معلیٰ (حصہ اوّل)
طبع ۱۸۶۹ء ص ۳۲۱]۔ مجھے تلاش کے باوجود حکیم غلام نجف خاں کے نام غالب کا
ایسا کوئی فارسی یا اُردو خط نہیں ملتا جس میں غالب نے شیر زماں خاں کی بندگی حکیم غلام نجف
کو رقعے میں لپیٹ کر بھیجنے کا ذکر کیا ہو۔ میں حکیم غلام نجف کے نام اس بندگی والے

خط کو غالب کے گم شدہ مکاتیب کی فہرست میں شامل کرتا ہوں۔

(١٨) نیز (١٩)

مکتوبِ غالب بہ نام حکیم غلام نجف خاں مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء [مشمولہ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ۳۱۵] میں غالب کے مندرجہ ذیل بیانات غالب کے دو گم شدہ مکاتیب کی نشان دہی کرتے ہیں: "میاں تمھارا خط پہنچا۔ آج میں نے اس کو اپنے خط میں ملفوف کر کے آگرہ کو روانہ کیا ---- یہ رقعہ حیدر حسن خاں [کے] نام کا ہے، اُن کو حوالے کر دینا۔" اِس بیان میں غالب نے اپنے جن دو خطوط کے متعلق اطلاع دی ہے وہ اب نایاب ہیں۔ ان دو گم شدہ مکاتیب میں سے پہلا خط جو آگرے بھیجا گیا تھا وہ مکتوبِ غالب بہ نام غلام نجف خاں مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۵۷ء [مشمولہ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ۳۱۵] کی روشنی میں شیر زماں خاں کے نام معلوم ہوتا ہے۔ ملحوظ رہے کہ شیر زماں خاں کے نام اب غالب کا اُردو یا فارسی میں کوئی خط نہیں موجود ہے۔ شیر زماں خاں اور غالب کے درمیان خط و کتابت کے ثبوت موجود ہیں [رک خطوطِ غالب (حصہ اوّل): مرتبہ مالک رام خط نمبر ۳۲ نیز خط نمبر ۳۳]۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے شیر زماں خاں ایک نیا نام ہے۔ غالب کا دوسرا نایاب خط حیدر حسن خاں کے نام تھا جو غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں حیدر حسن خاں کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔ حیدر حسن خاں کے نام اب اُردو یا فارسی میں غالب کا کوئی خط موجود نہیں۔

(٢٠)

حکیم غلام نجف خاں کو ایک خط میں غالب یہ تاکید کرتے ہیں: "میاں، پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو ---- پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اُس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں کہ میاں نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں ----" [اُردوئے معلّیٰ (حصہ اوّل) طبع ۱۸۶۹ء ص ۲۲۲]۔ اِس بیان سے غالب اور میاں نظام الدین کے مابین مکاتبت ثابت ہے۔ اب نظام الدین کے نام اُردو یا فارسی میں غالب کا کوئی خط موجود نہیں۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے "میاں نظام الدین" ایک نئے شخص ثابت ہوتے ہیں۔ اِس بیان میں غالب نے نظام الدین کے نام اپنے جس خط کا ذکر کیا ہے وہ غالب کے گم شدہ خطوط کی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔

(٢١)

میاں نظام الدین کے علاوہ اُن ہی کے ہم نام ایک اور شخص نواب حافظ نظام الدین سے بھی غالب کی مکاتبت کے ثبوت دستیاب ہوتے ہیں۔ نواب سعد الدین خاں شفق کے نام ایک فارسی خط میں غالب کے بیان کا اُردو مفہوم ملاحظہ ہو: "---- نواب ---- حافظ نظام الدین کے خط سے ان اوراق کے نظرِ ہمایونی سے گزرنے کا حال معلوم ہوا ----" [پنج آہنگ: مترجمہ محمد عمر مہاجر۔ کراچی طبع ۱۹۶۹ء ص ص ۱۴۹ تا ۱۵۰]۔ خواجہ ظہیر الدین کے نام ایک فارسی خط میں غالب کے بیان کا اُردو مفہوم یہ ہے: "---- بارے اب حافظ نظام الدین کے خط سے گزرِ ملال

ڈھل گئی ....." [پنج آہنگ مترجمہ مہاجر ص ۱۷۶]۔ یہ بیانات غالب اور نواب حافظ نظام الدین کے درمیان مکاتبت کا ثبوت ہیں مگر اب نواب حافظ نظام الدین کے نام اردو یا فارسی میں غالب کا کوئی خط دستیاب نہیں ہوتا۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے نواب حافظ نظام الدین کا نام اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲۴)

نواب سعد الدین خاں شفق کے نام ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "مولانا قلق کے نام کی عرضی اُن کو بھیج دیجیے گا....." [عود ہندی طبع رجب ۱۲۸۵ھ ص ۶۵]۔ مکاتیب غالب بنام شفق کے باہم مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہاں عرضی سے مراد قلق کے نام غالب کا خط ہے۔ قلق کے نام غالب کا یہ خط دراصل غالب کے نام قلق کے اُس خط کا جواب ہے جس کا ذکر شفق کے نام غالب کے مندرجہ ذیل مکاتیب میں موجود ہے:

"حضرت نے خوب وکالت کی! مولانا قلق سے تقصیر میری معاف نہ کروائی۔ کہہ دو گے گناہ معاف ہو گیا۔ میں بغیر ساڑی ولٹ کے کب ماننے والا تھا۔" [خطوط غالب (عرشی): مرتبہ مالک رام ص ۲۰۶ (خط نمبر ۲۴۴)]

"قبلہ و کعبہ، کیا جناب مولانا قلق میں، حضرت شفق نے جو غالب کی شفاعت کی تھی وہ مقبول نہ ہوئی؟ اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان اور مددگار بنا کر پھر کہتے ہیں۔ آپ کی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا جب تک سید صاحب [سید صاحب سے مراد ہیں میر احمد علی قلق] کا خوش نودی نامہ نہ بھجوائیے گا۔ اس ساڑی ولٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود نہیں...." [خطوط غالب (عرشی): مرتبہ مالک رام ص ۲۰۷ (خط نمبر ۲۴۵)]

"پیر و مرشد.... پرسوں آپ کا خط مع ساڑی ولٹ کے پہنچا۔ آپ کو مبدأ فیاض سے اشرف الوکلا کا خطاب ملا، مختار نامہ بھیجتا ہوں.... مولانا قلق کے نام کی عرضی اُن کو بھیج دیجیے گا...." [خطوط غالب (عرشی): مرتبہ مالک رام ص ص ۲۰۷ تا ۲۰۸ (خط نمبر ۲۴۶) نیز دیکھیے عود ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ص ۶۴ تا ۶۵]

غالب کے یہ تمام بیانات قلق اور غالب کے درمیان مکاتبت کے مظہر ہیں۔ لیکن اب میر احمد علی قلق کے نام فارسی یا اردو میں غالب کا کوئی خط دستیاب نہیں ہوتا۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں راقم الحروف قلق کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔

غالب کے غیر معروف مکتوب الیہ میر احمد علی قلق لکھنؤ کے باشندے، میر محمد علی کے فرزند، افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں بیتاب کے شاگرد اور نواب انور الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق کے استاد تھے۔ شفق پہلے قلق کے شاگرد تھے پھر غالب سے اصلاح لینے لگے۔ قلق لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن بعد کو کدورہ (کالپی) میں جا بسے۔ غالب میر احمد علی قلق کی شاعری کے مداح تھے۔ خاں شفق کے نام ایک خط میں غالب نے لکھا ہے: "مولانا قلق نے ستودیں، یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحد کمال کو پہنچا دیا ہے....."

(٢٧)

احمد حسین مینا [ماتھا] مرزا پوری کے نام ایک خط میں غالب نے لکھا ہے: "کل دوپہر کو آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی جناب اخگر کا پر ملالی نامہ مع غزل پہنچی۔ آج جواب آپ کو لکھتا ہوں۔۔۔۔"[١٩] یہ بیان مولوی فرزند علی اخگر اور غالب کے درمیان مکاتبت کا مظہر ہے۔ اگر اخگر کو غالب نے خطوط لکھے تھے تو وہ اب نایاب ہیں۔ اب نہ تو اخگر کے نام غالب کا کوئی اردو خط موجود ہے اور نہ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں فرزند علی اخگر کا نام شامل ہے۔ میرے نزدیک غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں اخگر کا اضافہ کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ "سخن شعرا"، "تلامذۂ غالب" اور "بزم غالب"[٢٠] میں فرزند علی اخگر عظیم آبادی کے حالات کے ساتھ اخگر کی جس غزل کا محض ایک شعر نقل ہوتا آیا ہے مجھے اخگر کی اسی غزل کے چار ایسے اشعار دستیاب ہوئے ہیں جو مذکورہ بالا تینوں کتابوں پر اضافہ ثابت ہوتے ہیں۔ "سخن شعرا"، "تلامذۂ غالب" اور "بزم غالب" میں فرزند علی اخگر کا محض یہ ایک شعر درج ملتا ہے: —

خود نما تھا سب حیاتی زمین آئینہ — ہے مگر حیران تیری انجمن میں آئینہ

فرزند علی اخگر کی اسی غزل کے راقم الحروف کے تلاش کردہ چار اشعار سطور ذیل میں ملاحظہ ہوں:

گرمیِ آہِ شرر بارِ دلِ مغموم سے — شعلۂ جوالہ ہے بیت الحزن میں آئینہ
عکسِ عارض جلوہ افزا ہے جو طشتِ آب میں — صاف یہ آیا تصور ہے لگن میں آئینہ
لاکھوں وعدے اے خود آرا آہ عاشق سے کیے — پر کبھی دن بھی تو اس کی انجمن میں آئی نہ
رخ کی شاگردی جو اے اخگر ہوئی مد نظر — ہوگیا استاد محبوبی کے فن میں آئینہ[٢١]

(٢٨)

چودھری عبد الغفور سرور کو ایک خط [مشمولہ عود ہندی طبع ١٢٨٥ھ ص ١٦] میں غالب اطلاع دیتے ہیں: "۔۔۔۔ آپ کو سلام و بعد آپ کے چچا صاحب کے خط کا جواب اس سے آگے بھیج چکا ہوں۔۔۔۔" میری اطلاع کے مطابق چودھری سرور کے چچا کا نام چودھری غلام رسول تھا۔[٢٢] یہ بیان غالب اور چودھری غلام رسول کے درمیان مکاتبت کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں چودھری غلام رسول کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔ اب چودھری غلام رسول کے نام اردو یا فارسی میں غالب کا کوئی خط دستیاب نہیں ہوتا۔

(٢٩)

منشی شیو نرائن آرام کے نام ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ خاں کو ایک خط بھیجا ہے اور ان کو لکھا ہے اگر چھاپا شروع نہ ہوا ہو تو نہ چھاپا جائے اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔" [خطوط غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ٢١٩] نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے نام ان مطالب پر مشتمل اردو یا فارسی میں اب غالب کا کوئی خط موجود نہیں۔ یہ خط غالب کے گم شدہ مکاتیب میں شامل ہونا چاہیے۔

(۳۰)

مولانا عرشی کا بیان ہے کہ غالب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو والیِ رام پور نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام جو خط ارسال کیا تھا وہ ۱۱ مارچ ۱۸۵۷ء کو رام پور پہنچ گیا تھا۔ اب مقفل میں اس خط کا لفافہ اس تحریر کے ساتھ موجود ہے: "عرض حسب الحکم چاک نمودہ شد۔ ۱۶ رجب ۱۲۷۳ھ" غالب کے اس خط کا جو جواب ناظم نے ۲۵ رجب ۱۲۷۳ھ کو دیا اُس سے مولانا عرشی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غالب کی یہ مکاتبت بہ صیغۂ راز تھی۔ ظاہر ہے کہ غالب کا یہ چاک شدہ مکتوب بھی اب نایاب ہے۔

(۳۱)

مکاتیبِ غالب (متن ص ۶ تا ۷) میں مولانا عرشی کا بیان ہے کہ مکتوبِ غالب بہ نام ناظم مورخہ یکم اپریل ۱۸۵۷ء بھی چاک کر دیا گیا تھا۔ یہ اطلاع اس خط کے لفافے پر درج ہے۔ مقفل میں خط نایاب ہے صرف لفافہ موجود ہے۔

(۳۲)

نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام اپنے خط مورخہ ۱۷ اپریل ۱۸۵۹ء میں غالب نے لکھا ہے: "ایک خط مشتمل اپنے حال پر.... روانہ کر چکا ہوں" [مکاتیبِ غالب (متن) ص ۱۳ (مع حاشیہ ۱)] اس بیان میں جس خط کا ذکر ہے اُس کے متعلق مولانا عرشی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ وہ خط غالب نے ۱۶ فروری ۱۸۵۹ء سے قبل ارسال کیا ہوگا کیوں کہ ناظم نے اُس کا جواب ۱۶ فروری ۱۸۵۹ء کو تحریر کیا تھا۔ ناظم کے نام ۱۶ فروری ۱۸۵۹ء سے قبل کی کسی قریبی تاریخ کا خط مکاتیبِ غالب میں نہیں ملتا۔ شاید یہ خط بھی تلف ہو چکا ہے۔

(۳۳)

ناظم کے نام اپنے ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "پرسوں ایک نیاز نامہ بھیجا ہے...." [مکاتیبِ غالب (متن) ص ۱۵] - یہ بیان ۵ نومبر ۱۸۵۹ء کے خط سے ماخوذ ہے۔ بیان میں غالب نے اپنے جس خط کو "پرسوں" بھیجنے کا ذکر کیا ہے وہ ۳ نومبر ۱۸۵۹ء کو ارسال کیا گیا ہوگا۔ مکاتیبِ غالب طبع چہارم میں ۳ نومبر ۱۸۵۹ء کا خط موجود نہیں۔ غالباً یہ خط بھی غالب کے گم شدہ مکاتیب کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔

(۳۴) نیز (۳۵)

ناظم کے نام غالب کے ایک خط [مشمولہ مکاتیبِ غالب (متن) ص ۲۱ (مع حاشیہ ۳) نیز ص ۲۲] کا تراشہ ملاحظہ ہو: "بھائی حسن علی خاں کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خاں صاحب کو لکھا، اُس کو میں سپارش نہ سمجھا تھا.... میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو "واللہ باللہ" اگر میں نے بھیجا ہو۔ نوکری کی جستجو کو نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن صاحب مرثیہ خوان اور یہاں کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خان ساماں صاحب کو جو میں نے یہ لکھا کہ یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں، غرض اس سے یہ تھی کہ محرم میں جہاں دس پانچ مرثیہ خوان

اور متروک ہو تے ہیں، میرن صاحب بھی متوجہ ہو جائیں ...." اس سے پتا چلتا ہے کہ حسن علی خاں کے بیٹوں کے سلسلے میں غالب نے ریاست رام پور کے خان ساماں علی بخش خاں کو خط لکھا تھا جو اب نابید ہے۔ اس بیان سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ غالب نے میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کے لیے بھی علی بخش خاں کے نام کوئی تعارفی خط لکھا تھا اور یہ خط بھی اب دستیاب نہیں ہوتا غالب کے مطبوعہ فارسی و اردو مکاتیب میں اب علی بخش خاں کے نام کوئی خط موجود نہیں۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے علی بخش خاں ایک نیا نام ہے۔ علی بخش خاں اور غالب کے درمیان مکاتبت سے ادبی دنیا بے خبر نظر آتی ہے۔ علی بخش خاں اور غالب کے دوستانہ تعلقات پر اپنے جس مضمون [35] میں ڈاکٹر حنیف نقوی نے مفید معلومات پیش کی ہے وہ غالب اور علی بخش خاں کے مابین خط و کتابت کے بارے میں خاموش ملتا ہے۔

غالب کے غیر معروف مکتوب الیہ شیخ علی بخش خاں بہادر [متولد ۱۲ رشوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۰ر اکتوبر ۱۸۱۳ء] نجیب آباد کے متوطن، شیخ محبوب بخش [خلف شیخ امان اللہ] کے فرزند، رام پور کے ساکن، ریاست رام پور کے ملازم اور جنگ آزادی ہند کے مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہر کے دادا تھے۔ شیخ علی بخش خاں بہادر ۲ محرم ۱۲۸۴ھ [اردو ے تقویم [36] مطابق ۷ رمئی ۱۸۶۷ء] کو فوت ہوئے تھے [رک: ① مکاتیب غالب (عرشی ص ۳۴) حاشیہ ۲ ② بزم غالب ص ص ۲۸۹ تا ۲۹۰ ③ نگار نئی دہلی ماہ اپریل ۱۹۸۰ء ص ۱۷]۔

(۳۶)

مکاتیب غالب [عرشی ص ۳۶ ۔ حاشیہ ۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے نواب کلب علی خاں کو ان کے والد نواب یوسف علی خاں ناظم کی وفات کے موقع پر ۲۷ اپریل ۱۸۶۵ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں باپ کی وفات پر بیٹے کو تعزیت اور جانشینی پر تہنیت پیش کی گئی تھی۔ اب نواب کلب علی خاں کے نام غالب کا یہ خط بھی نابید ہے اور مسل میں محض اس مکتوب کا لفافہ موجود ہے۔ غالب کے اس گم شدہ مکتوب مورخہ ۲۷ اپریل ۱۸۶۵ء کا جواب والی رام پور نواب کلب علی خاں کی جانب سے یکم مئی ۱۸۶۵ء کو بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۴ رمئی ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں غالب نے ان باتوں کا ذکر یوں کیا ہے:

"رام پور سے .... تعزیت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا" [خطوط غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ۱۷۲]۔

(۳۷)

مکاتیب غالب [عرشی ص ۵۹] سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے ۱۶ ستمبر ۱۸۶۶ء کو نواب کلب علی خاں کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ مسل میں اب اس خط کا صرف لفافہ ملتا ہے۔ غالب کا یہ نابید خط اردو میں تھا یا فارسی میں اس کے متعلق کچھ عرض کرنا دشوار ہے [بہ حوالہ مولانا عرشی]

(۳۸)

خط نمبر $\frac{115}{21}$ [مسودہ مکاتیب غالب عرشی ص ۸۳] بہ نام کلب علی خاں میں غالب نے اپنے جس مکتوب "مشعر رسید تنخواہ نومبر ۱۸۶۸ء" کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے وہ بھی اب نابید ہے۔ غالب کا یہ گم شدہ خط نواب کلب علی خاں کے نام تھا۔

(۳۹)

خم خانۂ جاوید سے پتا چلتا ہے کہ بہرزوار نے ایک بار ماسٹر پیارے لال آشوب سے سبحہ اور سبق عبارت میں فرق دریافت کیا۔ آشوب نے یہ سوال غالب کو ارسال کر دیا۔ غالب نے "..... اس کا جواب مع اشال نظم میں لکھ کر دیا جس کا اخیر شعر یہ تھا:

تحریر ہے یہ غالب یزداں پرست کی
تاریخ اس کی آج نویں ہے اگست کی "[۲۷]

ماسٹر پیارے لال آشوب کے نام اب غالب کا کوئی ایسا منظوم خط نہیں ملتا۔ شاید یہ منظوم مکتوب بھی غالب کے گم شدہ خطوط میں شامل ہو چکا ہے۔

(۴۰)

غالب کے نام اپنے ایک خط میں جو ادھ غلام غوث بے خبر کا بیان ہے: "جناب عالی کل میں ایٹہ میں تھا۔ مرزا حاتم علی تہر..... میرے پاس بیٹھے تھے کہ ہرکارہ ڈاک کا آپ کا خط لایا میں نے پڑھا، انھوں نے سنا، دونوں نے لطف اٹھایا۔ پہلا مجموعہ [یعنی خطوط غالب کا مجموعہ عود ہندی طبع اکتوبر ۱۸۶۸ء] اگر ایسا چھپا چھپا تو دوسرے کا چھپنا بہت مناسب ٹھہرا۔ مگر گستاخی معاف، یہ نام اردو کے معلّیٰ نہایت بھونڈا رکھا گیا۔" [فغان بے خبر ص۲۹۵ — بحوالہ عود ہندی: مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مجلس ترقی ادب، لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء بجنسہ نقطاص ص ۲۰ تا ۲۱] بے خبر کا یہ بیان بتاتا ہے کہ عود ہندی کی طباعت [۱۵ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] کے بعد بھی غالب نے بے خبر کو ایک خط لکھا تھا۔ اب تلاش کے باوجود مجھے بے خبر کے نام غالب کا کوئی ایسا خط نہیں ملتا جو ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کے بعد لکھا گیا ہو۔ یہ خط غالب کے گم شدہ مکاتیب میں شامل کیا جائے گا۔

(۴۱) تا (۴۴)

مجھے والیٔ رام پور نواب کلب علی خاں کے نام غالب کے چند ایسے خطوط ملتے ہیں جن میں خود غالب کے بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ غالب اور نواب مرزا خاں داغ کے درمیان بھی خط و کتابت کا سلسلہ قائم تھا اور غالب نے نواب مرزا خاں داغ کو کم از کم چار خطوط ضرور لکھے تھے۔ داغ دربار رام پور میں برسوں مصاحبت اور ملازمت کر چکے ہیں[۲۹] نواب مرزا خاں داغ کے ذکر پر مشتمل خطوط غالب [بہ نام نواب کلب علی خاں] کے تراشے سطور ذیل میں ملاحظہ

(۱) "..... برخوردار نواب مرزا خاں کے خط میں یہ حال مفصل لکھا ہے وہ عرض کرے گا

(۲) "بہت دن ہوئے کہ برخوردار نواب مرزا خاں نے مجھ کو مبارک باد لکھی تھی کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے اور مقدار قرض پوچھی ہے۔ سو میں نے ان کو بھیجا تھا کہ آٹھ سو روپے میں میرا قرض تمام ادا ہو جائے گا۔" [۳۰]

(۳) "ایک عبارت کا ایک جز بہ طریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا دیا ہے۔ پارسل اس کا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ میری طرف سے نذر گزرانیں گے....." [۳۱] یہاں غالب نے نامہ غالب بھیجی گاذ کیا ہے جو نواب رام پور کو بہ توسط نواب مرزا خاں داغ بھیجی گیا تھا۔

(۴) "میں نے کل ایک خط نواب مرزا خاں کو لکھا ہے...." ۳۲

غالب کے یہ بیانات نواب مرزا خاں داغ کے نام جن چار خطوط کی نشان دہی کرتے ہیں وہ اب غالب کے گم شدہ مکاتیب میں شامل ہو چکے ہیں۔ غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست کے لیے نواب مرزا خاں داغ کا نام ایک اہم اضافہ ہے۔ داغ اور غالب کے درمیان مکاتبت کے رشتے سے ادبی حلقے ابھی پوری طرح باخبر نہیں نظر آتے۔ ڈاکٹر سید محمد علی زیدی کی کتاب "ذی کا نشاد مطالعۂ داغ" اس سلسلے میں خاموش ملتی ہے۔ اس کے علاوہ نور اللہ محمد نوری کی کتاب داغ دہلوی بھی داغ و غالب کے درمیان خط و کتابت کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر نظر آتی ہے۔ افسوس کہ اب نہ تو داغ دہلوی کے مجموعۂ مکاتیب ۳۳ میں غالب کے نام کوئی خط ملتا ہے اور نہ رقعاتِ غالب کے فارسی و اردو مجموعوں ۳۴ میں داغ دہلوی کے نام کوئی مکتوب موجود ہے۔

پیشِ نظر مضمون غالب کے مکتوب الیہم کی فہرست میں بہ تفصیلِ ذیل ڈیڑھ درجن سے زائد افراد کا اضافہ کرتا ہے:

(۱) آزردہ [نام نامعلوم] (۲) مولوی فرزند علی اختر (۳) چودھری غلام رسول
(۴) حیدر حسن خاں (۵) نواب مرزا خاں داغ (۶) جانی بانکے لال رند
(۷) رائے امید سنگھ (۸) شیخ علی بخش خاں (۹) شیر زماں خاں
(۱۰) زین العابدین فوق (۱۱) میر امجد علی طلق (۱۲) قمر الدین خاں
(۱۳) ماسٹر رام چندر (۱۴) میر غلام علی خاں مائل (۱۵) میر مکرم حسین
(۱۶) عطاء اللہ خاں ناجی (۱۷) نظام الدین (۱۸) نواب حافظ نظام الدین
(۱۹) نوروز علی (اپنے مضمون "اردوئے معلی" ... غالب کی فارسی ...)

[حواشی]

۳۰ میں اس خط کی تاریخ تحریر ۳۰ مئی ۱۸۵۳ء متعین کی ہے مگر مالک رام اسے ۲ مئی ۱۸۵۳ء ...

۳۱ خطوطِ غالب (حصہ اول): مرتبہ مالک رام - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۳۲ (کا خط سمجھتے ہیں)

۳۲ خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر - علی برادرز شیخ مبارک علی پبلشرز لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۱۰۵ حاشیہ ۲ نیز ص ۵۲۱ حاشیہ ۱

۳۳ پنج آہنگ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب - مطبع منشی نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء (مجموعہ مکاتیب)

۳۴ باغِ دو در: غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی - پنجابی ادبی اکیڈمی پبلشرز لاہور طبع ۱۹۷۰ء

۳۵ بزمِ غالب: عبد الرؤف عروج - ادارۂ یادگارِ غالب کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۱۲۶ تا ۱۲۸

۳۶ رک: (۱) بزمِ غالب ص ۱۲۶ (۲) خطوطِ غالب: مرتبہ غلام رسول مہر ص ۱۰۵ (حاشیہ ۲)
(۳) تلامذۂ غالب: مالک رام - مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر (طبع اول) ص ۱۳۶
(۴) نادراتِ غالب: مرتبہ آفاق حسین آفاق - نفیس اکیڈمی کراچی طبع ۱۹۴۹ء (حصہ دوم) ص ۱۴
(۵) اردوئے معلی (صدی ایڈیشن) حصہ اول جلد اول: مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی - مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۱۷۰ (حاشیہ ۲)

۸ه اردوئے معلّی (حصہ اوّل) : غالب - اکمل المطابع، دہلی (طبع اوّل) مطبوعہ مارچ ۱۸۶۹ء
ص ۷۴ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۹ه رک : (۱) نادراتِ غالب (حصہ دوم) ص ۷۴ (۲) خطوطِ غالب (حصہ اوّل) : مرتبہ مالک رام ص ۵۰

۱۰ه رک : (۱) عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی، میرٹھ (طبع اوّل) مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ
[مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۱۰۹ [مملوکہ کاظم علی خاں]
(۲) اردوئے معلّی (حصہ اوّل) طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ص ۸۴، ۹۴، ۷۷ نیز ۱۷

۱۱ه رائے امید سنگھ اور غالب کے درمیان مکاتبت کے مزید ثبوت کے لیے ملاحظہ ہو خطوطِ غالب
(حصہ اوّل) : مرتبہ مالک رام ص ۷۶ (خط نمبر ۴۵ بنام تفتہ)

۱۲ه ماسٹر رام چندر : صدیق الرحمٰن قدوائی - شائع کردہ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی
طبع اگست ۱۹۶۱ء (متن) ص ص ۱۴۰ تا ۱۴۴

۱۳ه اردوئے معلّی (صدی ایڈیشن) حصہ اوّل جلد اوّل : مرتبہ فاضل لکھنوی ص ۲۰۲

۱۴ه خطوطِ غالب : مرتبہ غلام رسول مہر ص ص ۲۵۲ تا ۲۵۳

۱۵ه اردوئے معلّی (صدی ایڈیشن) حصہ دوم وسوم : مرتبہ فاضل لکھنوی - مجلس ترقیِ ادب، لاہور
طبع اپریل ۱۹۷۰ء ص ۱۰۵۷ - اس خط کی تاریخ تحریر ماخذ میں خلافِ تقویم
چہار شنبہ ۵ جون ۱۸۶۲ء درج کی گئی ہے - میں نے تقویم کی رو سے چہار شنبہ
۴ جون ۱۸۶۲ء کا خط قرار دیتا ہوں۔

۱۶ه رک : (۱) پنج آہنگ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب طبع ۱۸۸۸ء ص ص ۲۵۳ تا ۲۵۴
(۲) پنج آہنگ : غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی - مطبع عالیہ، لاہور طبع ۱۹۶۹ء
ص ص ۶۰۵ تا ۶۰۶ [اس کتاب کے لیے جناب ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا ممنون ہوں]
(۳) پنج آہنگ : مترجمہ محمد عمر مہاجر - ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء
ص ص ۱۸۶ تا ۱۸۷ [اس کتاب کے لیے میں جناب قاضی عبد الودود صاحب کا شکر گزار ہوں]

۱۷ه میاں نظام الدین ممنون ظاہر غالب کے مربی غلام نصیر الدین عرف میاں کالے کے فرزند
تھے۔ میاں نظام الدین انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کافی پریشان رہے - ان کی تاریخ وفات
۲۱ رشوال ۱۲۹۶ھ بتائی جاتی ہے [بزمِ غالب ص ص ۳۸۹ تا ۳۹۰]۔

۱۸ه رک : (۱) سخن شعرا : نساخ - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۲۴۹ نیز ص ۳۸۷
(۲) بزمِ سخن : سید علی حسن خاں سلیم - مطبع مفید عام، آگرہ طبع ۱۸۸۱ء/۱۲۹۸ھ ص ۹۷
(۳) تذکرۂ طور کلیم : سید نور الحسن خاں کلیم - مطبع مفید عام آگرہ طبع ۱۲۹۸ھ ص ۸۱
(۴) گلستانِ سخن : قادر بخش صابر - مطبع مرتضوی، دہلی طبع ۱۲۷۱ھ [۱۸۵۵ء] ص
(۵) سراپا سخن : محسن علی محسن - مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع ۱۸۶۱ء ص
(۶) تذکرۂ نادر : مرتبہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر، لکھنؤ طبع ۱۹۵۶ء ص ۴۳
(۷) تلامذۂ غالب : مالک رام ص ۱۷۰ (حاشیہ)
(۸) بزمِ غالب ص ص ۳۲۹ تا ۳۳۰

۱۸ متنِ مکتوب میں غالب کا بیان ہے: "آج ۱۵ دسمبر کی ہے۔" خط کے خاتمے پر ۱۶ دسمبر ۱۸۵۹ء درج ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۵ دسمبر کو لکھا گیا اور ۱۶ دسمبر ۱۸۵۹ء کو پوسٹ کیا گیا ہوگا۔

۱۹ مرقعِ ادب (حصہ دوم): مقصود مرزاپوری۔ کتابی پریس لکھنؤ (سنہ اشاعت ندارد) ص ۲۰

۲۰ دیکھیے: ① سخن شعرا ص ۱۹ ② تلامذۂ غالب ص ۲۹ ③ بزمِ غالب ص ۲۰

۲۱ تذکرۂ نادر ص ۲۲

۲۲ چودھری عبدالغفور سرور کے نام ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "---- اپنے عم والا قدر جناب چودھری غلام رسول صاحب کو فقیر کا سلام نیاز پہنچا دیجیے ----" [عودِ ہندی: غالب طبع ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) ص ۱۴۷]۔ غالب کے اس بیان سے چودھری غلام رسول چودھری سرور کے چچا ثابت ہوتے ہیں۔

۲۳ مکاتیبِ غالب: مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔ قیمہ پریس، رام پور طبع ۱۹۴۹ء (بارِ ششم) ص ۶ (مع حاشیہ ۵) نیز ص ۶

۲۴ حسن علی خاں کے متعلق مولانا عرشی نے حاشیے میں لکھا ہے: "حسن علی خاں کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون صاحب تھے" [مکاتیبِ غالب (شش) ص ۲۱ حاشیہ نمبر ۳ (بر صفحہ ۱۳۹)]۔ میرے نزدیک بظاہر یہ وہی حسن علی خاں ہیں جن کے ذکر پر مشتمل خطوطِ غالب کے تراشے سطور ذیل میں پیش ہیں:

(۱) "---- یہاں کا حال یہ ہے کہ سلطان اسیروں میں تین آدمی نواب حسن علی خاں، نواب حامد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں۔ سو ان کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں ---- ---" [اردوئے معلّٰی حصہ اوّل طبع ۱۸۶۹ء ص ۳۷۲]۔

(۲) "---- نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں مر گئے ----" [عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ۹]

(۳) "---- حسن علی خاں بہت بڑے باپ کا بیٹا سو روپے روز کا پنشن دار، سو روپے مہینے کا روزینہ دار بن کر نامرادانہ مر گیا ----" [اردوئے معلّٰی حصہ اوّل طبع ۱۸۶۹ء ص ۱۳۱]۔

نواب حسن علی خاں میری اطلاع کے بموجب نجابت علی خاں والیِ ریاست جھجر کے فرزند تھے۔ والد کی وفات پر ریاست حسن علی خاں کے بھائی نواب فیض محمد خاں کے حصے میں آئی اور حسن علی خاں نے تین ہزار روپے ماہوار کی پنشن پائی۔ پنشن ہوئی تو نواب حسن علی خاں دہلی میں جا بسے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حسن علی خاں کی ماہانہ پنشن تین ہزار روپے سے گھٹ کر سو روپے ماہوار رہ گئی۔ حسن علی خاں نے عسرت کی حالت میں ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء سے کچھ عرصہ قبل وفات پائی۔ بظاہر غالب نے انھیں حسن علی خاں کے بیٹوں کے لیے رام پور میں سفارش کی تھی [بزمِ غالب ص [illegible]]

۲۵ مشمولہ "نگار" نئی دہلی ماہ اپریل ۱۹۸۰ء [جلد ۵۸ - شمارہ ۱/۱۱] ص ص ۶۶ تا ۷۱

۲۶ تقویم یک صد و دو سالہ۔ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع ۱۸۷۵ء مملوکہ رضا لائبریری رام پور میں ایک ساہو تقویم کے ذریعے اضافہ شدہ اندراجات (بابت ۱۸۶۷ء) ملاحظہ ہوں

۲۷ خمخانۂ جاوید (جلد اوّل): لالہ سری رام۔ مطبع منشی نول کشور، لاہور طبع ۱۹۰۸ء ص ۸۲

۲۸ دیکھیے: ① انتخابِ یادگار: امیر مینائی۔ تاج المطابع، رام پور مطبوعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ (طبقۂ دوم) ص ۱۲۸
② مطالعۂ داغ: ڈاکٹر سید محمد علی زیدی۔ کتاب نگر، لکھنؤ طبع ۱۹۷۴ء ص ۸۷

۲۹ مکاتیبِ غالب (متن) ص ۸۳

۳۰ ایضاً ص ۸۲

۳۱ ایضاً ص ۸۱

۳۲ غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم - مکتبہ شاہراہ، دہلی طبع فروری ۱۹۶۱ء ص ۸۸

۳۳ داغ دہلوی : نور اللہ محمد نوری - اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد دکن طبع ۱۳۵۵ھ

۳۴ زبانِ داغ : مرتبہ سید رفیق مارہروی - نسیم بک ڈپو لکھنؤ (سنہ اشاعت ندارد) میں تلاش کے باوجود مجھے غالب کے نام داغ دہلوی کا کوئی خط نہیں مل سکا۔

۳۵ مکاتیبِ غالب کے مندرجہ ذیل (فارسی و اردو) مجموعے مجھے خطوطِ غالب بنام داغ دہلوی سے خالی ملے

(۱) پنج آہنگ مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب طبع اپریل ۱۸۸۸ء
(۲) باغِ دو در : غالب، مرتبہ وزیر الحسن عابدی
(۳) متفرقاتِ غالب : مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۶۹ء
(۴) آثارِ غالب : مرتبہ قاضی عبدالودود - مشمولہ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء)
(۵) عودِ ہندی طبع اول رجب ۱۲۸۵ھ
(۶) اردوئے معلّٰی حصہ اول طبع مارچ ۱۸۶۹ء
(۷) اردوئے معلّٰی (صدی ایڈیشن) حصہ اول، دوم و سوم : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور
(۸) خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام رسول مہر طبع ۱۹۶۸ء
(۹) خطوطِ غالب (حصہ اول) : مرتبہ مالک رام
(۱۰) نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق
(۱۱) مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا عرشی طبع بار چہارم ۱۹۴۹ء
(۱۲) غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم

استدراک

(۱) جناب مولانا امتیاز علی خاں کی تحقیق ہے کہ نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں کے فرامین کے مسودوں نیز غالب کے وہ خطوط مشمولہ مکاتیبِ غالب میں تقریباً ۱۳۵ ایسے خطوط کے حوالے ملتے ہیں جو مسلوں میں اب موجود نہیں ہیں [مکاتیبِ غالب (دیباچہ) ص ۲۵۲]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ والیانِ رام پور کے نام غالب کے خطوط ایک بڑی تعداد میں تلف ہو چکے ہیں

(۲) باغِ دو در (متن) ص ۱۱۷ نیز (دیباچہ) ص ۱۰ میں غالب کے بیانات سے انکشاف ہوتا ہے کہ غالب اور مرزا زین العابدین خاں عارف کے درمیان بھی مکاتبت ہوتی تھی - عارف کے نام غالب کے خطوط بھی مجھے دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ (۳) نادراتِ غالب (حصہ دوم)

(۴) شاہ باقر علی باقر آروی اور غالب کے درمیان بھی مکاتبت کا پتا چلتا ہے مگر خطوطِ غالب بنام باقر اب دستیاب نہیں ہوتے [بحوالہ دُودِ چراغِ محفل : سید حسام الدین راشدی - ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۱۲۸ و بعدہ]

(۵) راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ غالب نے مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی کے نام بھی متعدد خطوط لکھے تھے جو اب نایاب ہیں [تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو میرا مقالہ "غالب اور مرزا رجب علی بیگ سرور"]

[illegible]

غالب کے بعض غیر معروف شاگرد

نادراتِ غالب، فیضانِ غالب اور تلامذۂ غالب (طبع اوّل) میں
غالب کے درجنوں شاگردوں کا ذکر موجود ہے لیکن راقم الحروف کو غالب کے
ڈیڑھ درجن ایسے غیر معروف شاگردوں کا علم ہوا ہے جو ان تینوں کتابوں پر اضافہ ہیں۔
غالب کے ان غیر معروف شاگردوں کی بازیافت میں مولانا عبدالماجد دریابادی، کلب علی
خاں فائق رام پوری، نادم سیتاپوری، مشفق خواجہ اور راقم السطور کی تحقیقی کاوشیں شامل
ہیں۔ زیر نظر مضمون غالب کے جن ڈیڑھ درجن سے زائد غیر معروف شاگردوں
کے ذکر پر مشتمل ہے ان میں سات راقم الحروف کی تلاش و جستجو کا
نتیجہ ہیں۔ سطور ذیل میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے سلسلہ وار غالب کے ۱۶ غیر معروف
شاگردوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ان ۱۶ شاعروں میں سے ۱۲ کے ذکر سے جناب
مالک رام کی قابلِ قدر کتاب تلامذۂ غالب (طبع اوّل) یکسر خالی ہے۔ باقی تین
شعرا [آزردہ، شعلہ اور کامل] کا تلامذۂ غالب میں کسی نہ کسی حیثیت سے نام ضرور
درج ملتا ہے البتہ کتاب میں بہ حیثیت شاگردِ غالب ان کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔ ان میں
سے ۸ شاعر نادراتِ غالب پر اضافہ ہیں البتہ ایک شاعر [ناسی] کا ذکر نادراتِ غالب
میں موجود ہے لیکن نادراتِ غالب ناسی کے نمونۂ کلام سے محروم نظر آتی ہے۔ فیضانِ غالب
غالب کے زیر بحث تمام ۱۶ شاگردوں کے ذکر سے خالی ہے۔

(1)

الگزنڈر ہیڈرلی آزاد [۱۸۲۹ء - ۱۸۶۱ء] کا دیوان مطبع احمدی

آگرہ سے غالب [متوفی ۱۸۶۹ء] کی زندگی ہی میں ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے
دیباچے میں آزاد کو عارف اور غالب دونوں کا شاگرد قرار دیا گیا ہے۔ مولانا عبدالماجد
دریابادی نے اپنے مضمون "غالب کا ایک فرنگی شاگرد" میں الگزنڈر ہیڈرلی آزاد کو شاگردِ غالب
تسلیم کیا ہے [بہ حوالۂ تلاشِ غالب ص ۱۵۶]۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل نے بھی غالب
سے آزاد کے تلمذ کی روایت قبول کی ہے۔ قطعۂ منتخب سخن شعرا اور خمخانۂ جاوید میں
آزاد کو زین العابدین خاں عارف کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ عارف نہ صرف غالب کے محبوب
شاگرد بلکہ منہ بولے بیٹے بھی تھے جیسا کہ مکتوبِ غالب بنام تفتہ کے مندرجہ ذیل تراشے
سے ظاہر ہے: "..... منو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا
فرزند تھا۔..." عارف نے اپریل ۱۸۵۲ء میں وفات پائی۔ عارف کی وفات کے وقت
الگزنڈر آزاد [متولد ۱۸۲۹ء] کا سن تقریباً ۲۳ سال رہا ہوگا۔ آزاد جیسے ۲۳ سالہ
نومشق شاعر کا عارف کی وفات کے بعد غالب سے تلمذ اختیار کرنا قرین قیاس ہے۔
میر مہدی مجروح کے نام غالب کے متعدد مکاتیب الگزنڈر ہیڈرلی آزاد اور غالب کے
درمیان نہ صرف گہرے اور قریبی تعلقات بلکہ مکاتبت کے بھی مظہر ہیں اور ممکن ہے کہ ایسی
خط و کتابت کی مدد سے ہی آزاد نے غالب سے اپنے کلام پر اصلاح بھی پائی ہو۔ آزاد

۷ جولائی ۱۸۶۱ء کو ۳۲ سال کے سن میں فوت ہوئے تھے [دیکھیے: ① سخنِ شعرا ص ۲۲ ② خم خانۂ جاوید جلد اول ص ۲۸]۔ الگزنڈر ہیڈرلی آزاد کا نمونۂ کلام سطورِ ذیل میں ملاحظہ ہو:

آزاد ٹھکانا بھی ہے اِس بے خبری کا ← جہلم کو عیادت کے لیے وہ مری آئے
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا ← ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جابجا
ہم سے آگے سنا نہیں جاتا ← سن چکے حال بس ترا آزاد
آ گئے کل وہ یکایک مرے گھر آپ سے آپ ← ہو گیا کچھ کشش دل میں اثر آپ سے آپ
سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوچۂ جاناں کی طرف ← جب سے پایا دشمنوں نے پانوں کا میرے سراغ
دل جابجا پڑے جو سرِ رہ گزر ملے ← بس ہو گیا یقین یہی راہِ یار ہے
مژگاں نہ ہو تو خنجرِ براں لگا ہے ← ابرو نہ ہو تو تیغِ ستم ریز کھینچیے

[① خم خانۂ جاوید جلد اول ص ص ۲۹ تا ۳۰ ② بزمِ غالب ص ۲۸ ③ سخنِ شعرا ص ۲۲]

نادراتِ غالب، فیضانِ غالب نیز تلامذۂ غالب (طبع اول) شاگردِ غالب الگزنڈر ہیڈرلی آزاد کے ذکر سے خالی ہیں۔

(۲)

وفا سہسوانی کے نام ایک خط میں غالب نے لکھا ہے:

"..... اختلالِ حواس کا کیا حال لکھوں۔ دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی بھیجیں۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو بھیجیں۔ مزا اس میں ہے کہ اب مجھے بھی یاد نہیں آتا کہ آزردہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی۔ خدا کرے وہ بزرگ وار میر صاحب کی غزلیں میر عالم علی خاں کی طرح میرے پاس بھیج دے ....."[۳۲]

غالب کا یہ بیان بتاتا ہے کہ آزردہ بھی غالب کے شاگرد تھے۔ نادراتِ غالب، فیضانِ غالب اور تلامذۂ غالب میں آزردہ کا ترجمہ موجود نہیں۔ البتہ دیباچہ تلامذۂ غالب (ص ۷) میں آزردہ کو شاگردِ غالب مانا گیا ہے۔ اردو تحقیق ابھی شاگردِ غالب آزردہ کے نام، حالات اور نمونۂ کلام کا سراغ پانے سے قاصر نظر آتی ہے۔

(۳)

مکتوبِ[۱۵] غالب بنام سیاح میں آغا غلام حسین خاں صاحب کے ایک قطعے پر غالب کی اصلاح کا ذکر آغا غلام حسین خاں [تخلص نامعلوم] کو غالب کا شاگرد ثابت کرتا ہے۔ آغا غلام حسین خاں تلامذۂ غالب (طبع اول) پر راقم الحروف کا اضافہ ثابت ہوتے ہیں۔

(۴)

افضل علی ابر کو تذکرۂ یادگارِ ضیغم (ص ۴۵)[۱۶] شاگردِ غالب قرار دیتا ہے۔ یادگارِ ضیغم میں ابر کا ذکر صیغۂ حال میں ہے۔ گویا یہ تذکرہ ابر کے لیے معاصر ماخذ ہے۔ ابر، میر اکبر علی کے فرزند تھے۔ ابر کے بزرگ موضع سیکری [تحصیل جان سٹھ ضلع مظفر نگر] کے باشندے تھے لیکن ابر بلند شہر میں رہنے لگے تھے۔ وہ مدرسہ بلند شہر کے ہیڈ مولوی تھے۔ عربی، فارسی اور ریاضی پر عبور تھا۔ فارسی اور اردو دونوں کے شاعر تھے۔ فارسی میں غالب اور اردو میں شیفتہ سے تلمذ رکھتے تھے۔ تلامذۂ غالب (طبع اوّل) شاگردِ غالب افضل علی ابر کے ذکر سے خالی ہے۔

(۵)

شاہ بہاء الدین بشیر دہلوی [متولد ۶ر شوال ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۵ر اگست ۱۸۵۰ء] شاہ نصیر دہلوی کے خلف اصغر شاہ نجم الدین صفیر کے نواسے اور شاگرد تھے۔ بشیر دہلوی کی معاصر تحریری شہادت میر افضل علی افضل لکھنوی کو شاگردِ غالب ثابت کرتی ہے۔ افضل لکھنؤ کے باشندے اور میر قاسم کے فرزند تھے۔ افضل دہلی میں بھی رہا کرتے تھے۔ بشیر دہلوی کا بیان ہے کہ ۱۲۹۶ھ میں افضل کا سن چالیس برس تھا[۱۵]۔ گویا افضل ۱۲۵۶ھ کے آس پاس پیدا ہوئے تھے۔ اس حساب سے غالب کی وفات ۱۲۸۵ھ کے وقت افضل کا سن تقریباً ۳۱ سال متعین ہوتا ہے۔ تلامذۂ غالب میں شاگردِ غالب افضل علی افضل کا ترجمہ موجود نہیں۔

سید افضل علی خاں افضل باشندۂ لکھنؤ خلف سید قاسم علی خاں قاسم کا حال متعدد[۱۸] تذکروں میں ملتا ہے۔ عجب نہیں کہ یہ سید افضل علی خاں افضل وہی میر افضل علی افضل لکھنوی ہوں جنھیں شاہ بشیر دہلوی نے بھی خلف میر قاسم اور شاگردِ غالب بتایا ہے۔ مجوزہ تذکرے غالب سے افضل کے تلمذ کے بارے میں خاموش ہیں اور ان میں سے بیشتر تذکروں میں افضل کو ان کے والد قاسم کا شاگرد درج کیا گیا ہے۔ مجوزہ تذکروں میں سید افضل علی خاں افضل لکھنوی کا نمونۂ کلام بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶)

گلدستہ داغِ جگر سیتاپور شمارہ (۳) مورخہ ۲۰ر نومبر ۱۸۸۸ء میں یہ اندراج ملتا ہے: "تہوّر، منشی تہوّر علی سابق منیجر گلدستہ عطارد قنوج، شاگردِ غالب"[۱۹] یہ اندراج منشی تہوّر علی تہوّر کو شاگردِ غالب قرار دیتا ہے اور تلامذۂ غالب (طبع اوّل) منشی تہوّر علی تہوّر کے ترجمے سے محروم نظر آتی ہے۔ تہوّر کا نمونۂ کلام یہ ہے:

گو نہ کیوں غیرتِ گلشن ہو سراسر اپنا ــ آ کے مہماں ہوا وہ سرو سمن بر اپنا

میں تہِ بام ہوں وہ بام پہ جلوہ افگن ــ میں ہوں بالائے زمیں چرخ پہ اختر اپنا

(۷)

شاہ بشیر دہلوی کی معاصر شہادت بتاتی ہے کہ باشندہ دہلی میر چھوٹے صاحب حقیر کو شاہ نصیر اور مرزا غالب دونوں استادوں سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ حقیر ۱۲۸۷ھ میں ملازم والیِ الور کی حیثیت سے الور میں مقیم تھے[۲۰]۔ تلمیذ غالب چھوٹے صاحب حقیر کا ذکر تلامذۂ غالب (طبع اوّل) میں شامل نہیں۔

(۸)

میر حسین تسکین کے چھوٹے فرزند اور میر مہدی حسین مجروح دہلوی کے بھائی میر سرفراز حسین' غالب کے مکتوب الیہ[۲۱] اور بے تکلف دوست تھے۔ مجروح کے نام ایک خط میں غالب کا بیان ہے: "---- تمہارے بھائی [میر سرفراز حسین] نے سخت متوحش ہو کر نعل در آتش کر رکھا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم کے میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں' وہ آئیں گے تو انھیں ان کو دوں گا۔ محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرۂ صفر ہے۔ حضرت کا پتا نہیں۔ ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا ...."[۲۲] میر سرفراز حسین کو غالب از راہِ مزاح "مجتہد العصر" کہا کرتے تھے[۲۳]۔ مجروح کے نام غالب نے اپنے ایک اور خط میں لکھا ہے: "مجتہد العصر [یعنی میر سرفراز حسین] کے سودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔"[۲۴] ان شہادتوں سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ میر سرفراز حسین اپنے سلام اور سودے پر غالب سے اصلاح لیا کرتے تھے گویا شاگرد غالب تھے۔ تلمیذ غالب میر سرفراز حسین تلامذۂ غالب (طبع اوّل) پر راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔ تلامذۂ غالب (ص ۲۰۲) میں جناب مالک رام نے جن مرزا سرفراز حسین فراز کو غالب کا شاگرد بتایا ہے وہ میر سرفراز حسین [برادر مجروح] نہیں ہیں۔

(۹)

شاہ بشیر دہلوی کا بیان ہے کہ شاہ سردار شائق بھی غالب کے شاگرد تھے۔ شائق محمد شاہ صاحب گیلانی کے فرزند' قوم کے سید اور لاہور کے متوطن تھے۔ بشیر نے شائق کو "صاحبِ دیوانِ فارسی" لکھا ہے[۲۵]۔ تلامذۂ غالب کا پہلا ایڈیشن شاگرد غالب شاہ سردار شائق کے ذکر سے خالی ہے۔

(۱۰)

تذکرۂ یادگارِ ضیغم [ص ص ۱۹۵ تا ۱۹۶] میں بنواری لال شعلہ کو منشی بال مکند بے صبر اور غالب دونوں کا شاگرد قرار دیا گیا ہے[۲۶] مگر جناب مالک رام نے غالب سے شعلہ کے تلمذ کو قبول نہیں کیا ہے۔ مالک رام نے شعلہ کو تفتہ اور بے صبر کا شاگرد مانا ہے [تلامذۂ غالب طبع اوّل ص ۷ نیز ص ۵۵]۔

(۱۱)

نادم سیتاپوری ناقل ہیں کہ انھوں نے اپنے وطن کے معتبر بزرگوں سے

سنا ہے کہ حکیم سید محمد شریف طالب سیتاپوری بھی غالب کے شاگرد تھے۔ طالب کے
والد مفتی سید اولاد علی جرتج نے ۹۶ء ۔ ۱۸۲۸ء میں وفات پائی تھی۔ طالب نے
کم و بیش سو سال کی عمر میں پنج شنبہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انتقال کیا۔ طالب
پہلے اپنے والد جرتج کے شاگرد رہے۔ ابتدا میں اپنے نام کی رعایت سے حکیم سید
محمد شریف نے اپنا تخلص شریف رکھا تھا لیکن غالب سے تلمذ اختیار کرنے پر اپنے لیے تخلص
طالب پسند کیا۔ طالب سیتاپوری کا نمونۂ کلام سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

بہت جاں کاہیوں سے گوشہ نشیں ہیں طرز غالب میں ← ہوا ممکن نہ اے طالب وہ انداز بیاں ہم سے
تمہاری دوستی ہی میری بربادی کو کافی ہے ← ضرورت کیا ہے جو دشمن بنے یہ آسمان ہو بھی
بہلے حیات خضر بہا کرے کوئی ← بہر انتظار وعدہ فردا کرے کوئی ۲۸

حکیم سید محمد شریف طالب سیتاپوری [شاگرد غالب] کے ذکر سے تلامذۂ غالب
(طبع اول) خالی ہے۔

(۱۲)

والی باندہ نواب علی بہادر خاں کے نام غالب کا ایک فارسی مکتوب موجود
ہے ۲۸ سطور ذیل میں غالب کے اسی فارسی خط کے ایک اقتباس کا اردو مفہوم ملاحظہ ہو۔ غالب
نواب علی بہادر خاں والی باندہ سے مخاطب ہیں:

"۔۔۔۔ آپ کے مخمس، مسدس اور غزلیں دیکھیں ۔۔۔۔ میں
نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اصلاح سے کلام کو آراستہ
کر دیا ہے ۔۔۔۔" ۲۹

غالب کا یہ بیان ثابت کرتا ہے کہ نواب علی بہادر خاں علی اپنے
کلام پر غالب سے اصلاح لے چکے ہیں۔ گویا والی باندہ نواب علی بہادر خاں علی بھی
غالب سے تلمذ رکھتے تھے۔ تلمیذ غالب نواب علی بہادر خاں علی تلامذۂ غالب
(طبع اول) پر راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔

غالب نے اپنی ایک اردو غزل کے مقطعے میں انھیں علی بہادر کو یوں
یاد کیا ہے: ؎

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز ← دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں ۳۰

والی باندہ نواب علی بہادر خاں علی [متوفی ۱۷ راگست ۱۸۷۳ء] کے حالات
"سخن شعرا" "خم خانۂ جاوید" "قاموس المشاہیر" "تذکرۂ نادر" اور "بزم غالب" سراپا سخن
میں موجود ہیں ۳۱ مگر یہ تمام مصادر علی بہادر خاں علی کے غالب سے تلمذ کے بارے میں
خاموش ہیں۔

(۱۳)

مکتوب غالب بہ نام مرزا یوسف علی خاں عزیز [مشمولہ عود ہندی
طبع ۱۲۸۵ھ ص ۶۵] سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید زین العابدین فوق بھی غالب سے

اصلاح لیتے تھے۔ غالب نے ذوق کو ایک خط میں اشعار ارسال کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اشعار ذوق کے ہوں اور غالب کی اصلاح سے مزین ہوں۔ مگر اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ اگر میرا اندازہ درست ہوا تو زین العابدین ذوق تلامذۂ غالب پر اضافہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

(۱۴)

سخن شعرا طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء (ص ۳۹۶) کا مطالعہ باقر علی خاں کامل کو بھی شاگردِ غالب بتاتا ہے۔ مگر مالک رام اس معاصر شہادت کو قبول نہیں کرتے [تلامذۂ غالب ص ۲۶۷]۔ کامل کے حالات راقم الحروف نے اپنے ایک مضمون میں پیش کیے ہیں۔

(۱۵)

شاہ بشیر دہلوی کی معاصر شہادت کی بنیاد پر حاجی محمد اسحاق منظر بھی شاگردِ غالب قرار پاتے ہیں۔ منظر مولوی ظہور علی ظہور کے خلف اصغر تھے۔ بشیر دہلوی کا بیان ہے کہ منظر اپنے والد ظہور کے علاوہ مرزا غالب سے بھی تلمذ رکھتے تھے۔ منظر کا وطن ہریانہ تھا مگر بعد کو وہ دہلی میں رہنے لگے تھے۔ بشیر دہلوی نے منظر کو صاحبِ دیوان و تذکرہ بتایا ہے۔ منظر ریاست پاٹودی میں اتالیق اور تحصیلدار بھی رہ چکے ہیں۔ بشیر دہلوی نے منظر کو اپنے احباب میں شامل بتایا ہے اور اُن کا حال صیغۂ حال یعنی منظر کی زندگی ہی میں لکھا ہے۔ تلامذہ غالب منظر کے ترجمے سے خالی ہے [اردو کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء ص ۲۴۳]۔

سخن شعرا طبع ۱۸۷۴ء (ص ۳۱۱) میں جن مولوی ظہور علی ظہور "باشندہ ہریانہ مقیم دہلی" کا ذکر کیا گیا ہے بظاہر وہ منظر کے والد ہیں۔ ناسخ نے ظہور کو مولوی فتح علی کا فرزند اور تین استادوں [احسان، شاہ نصیر نیز مومن] کا شاگرد لکھا ہے۔

(۱۶)

حکیم مسیح الزماں مغلوب مراد آبادی نے ایک ملاقات کے دوران قلب علی خاں فائق رام پوری سے بتایا تھا کہ مغلوب بھی غالب سے تلمذ رکھتے تھے[۳۲]۔ تلامذۂ غالب طبع اول [ص ص ۲۶۰ تا ۲۶۱] میں جن سید افتخار الدین مغلوب رام پوری کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر حکیم مسیح الزماں مغلوب مراد آبادی نہیں معلوم ہوتے۔ غالب سے مغلوب مراد آبادی کے تلمذ کا مسئلہ ابھی مزید تحقیق کا طالب ہے۔

(۱۷)

تذکرۂ ہندو شعرا منشی دیبی دیال نامی لکھنوی کو تلمیذ غالب قرار دیتا ہے[۳۳]۔ نامی کی عرفیت منیب جی اور سکونت اکبر پور ضلع فیض آباد ملتی ہے۔ تلامذۂ غالب (طبع اول) منشی دیبی دیال نامی (شاگردِ غالب) کے ذکر سے محروم ہے۔ یادگارِ غالب حصۂ اول (ص ۱۷۶) میں بھی دیبی دیال نامی کو شاگردِ غالب مانا گیا ہے مگر نامی کا نمونۂ کلام نہیں درج کیا گیا ہے۔ منشی دیبی دیال نامی لکھنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کبھی صبا سے معطر نہ ہو گلوں کا دماغ — طواف تیری گلی کا اگر صبا نہ کرے

روتا ہوں ہجر میں تو یہ کہتا ہے آسماں — طوفانِ اشک نے مری مٹی خراب کی
توڑتا ہوں کو گلچیں کبھی گلشن میں — نالۂ بلبل نے دل پر اثر رکھتے ہیں [ہندو شعرا ص ۱۱۶]

دیبی دیال ناؔمی نے تذکرۂ ہندو شعرا کے سنہ اتمام [۱۹۱۳ء] سے تھوڑا زمانہ قبل وفات پائی تھی [ہندو شعرا ص ۸ نیز ص ۱۱۶]۔

(۱۸)

شاہ بشیر دہلوی نے غلام محمد خاں نحیف کو شاگردِ غالب لکھا ہے اور نحیف کا یہ ایک شعر نقل کیا ہے: ؎

۳۴ شوقِ وصلِ یار ہے اور ہم نہیں اغیار کا — گل سے ہم پہلو ہیں ہم کیا خار کا نا خار کا

تلامذۂ غالب میں شاگردِ غالب غلام محمد خاں نحیف کا تو ترجمہ موجود نہیں البتہ مولوی غلام محمد خاں تپش دہلوی کا ذکر ضرور موجود ہے [تلامذۂ غالب ص ۵۹]۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ غلام محمد خاں تپش اور غلام محمد خاں نحیف ایک ہی شخص ہیں یا یہ دو مختلف افراد ہیں۔ اگر یہ دو الگ الگ اشخاص ہیں تو غلام محمد خاں نحیف تلامذۂ غالب (طبع اوّل) پر اضافہ ثابت ہوں گے۔

(۱۹)

انوار الاخبار لکھنؤ مورخہ یکم نومبر ۱۸۷۲ء کے ضمیمے گلدستۂ شعرا (نمبر ۳۰) کا مطالعہ بتاتا ہے کہ نواب محمد حسین علی سلطان تسلیم نبیرۂ ٹیپو سلطان بھی غالب کے شاگرد تھے۔ تسلیم کو مقیم مدراس اور جاگیردار قرار دیا گیا ہے۔ ۳۵ نواب محمد حسین سلطان تسلیم (شاگردِ غالب) تلامذۂ غالب طبع اوّل پر اضافہ ہیں۔ سخنِ شعرا طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء (ص ۵۱۸) میں جن نواب محمد حسین تسلیم جاگیردار کا ترجمہ شامل ہے وہ بظاہر نواب تسلیم نبیرۂ ٹیپو سلطان معلوم ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کو گلدستۂ شعرا لکھنؤ مورخہ پانزدہم جولائی ۱۸۶۰ء میں نواب محمد حسین علی سلطان تسلیم کی تین غزلیں دستیاب ہوئی ہیں ۳۶ مگر یہ رسالہ تسلیم کے غالب سے تلمذ کے بارے میں خاموش ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تسلیم ۱۸۶۰ء کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے ہوں۔ گلدستۂ شعرا لکھنؤ مورخہ پانزدہم جولائی ۱۸۶۰ء کا اندراج نواب محمد حسین علی سلطان تسلیم کو رئیس میسور اور ہمشیرزادۂ ٹیپو سلطان بتاتا ہے۔ نواب محمد حسین علی سلطان تسلیم کے چند اشعار ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

وحشتِ زلفِ بتِ بے پیر ہے — چشمِ آہو حلقۂ زنجیر ہے
آپ کا سیدھا رویہ تیر ہے — چال ٹیڑھی گر چلیں شمشیر ہے
مر رہا ہوں یک بیک خاموش ہوں — مجھ کو عشقِ صورتِ تصویر ہے
خیر ہے کیوں بدمزہ ایسے ہو آپ — رہ گئی پھیکی ہر گلوری تقریر ہے
سرد الفت سے بتوں کی اے تسلیم
اِن دنوں میسور بھی کشمیر ہے ۳۷

آغا حجو شرف کی غیر مطبوعہ مثنوی افسانۂ لکھنؤ [قلمی نسخہ مملوکہ سبطین آباد ٹرسٹ مٹیا برج کلکتہ سن ۱۲۹۲ھ] میں غالب کے ایک شاگرد امیر میرزا کا ذکر بھی ملتا ہے[۳۸] شرف نے امیر میرزا کا تخلص نہیں لکھا ہے۔ شرف کے بموجب امیر میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے اور وہ دہلی سے کلکتے بھی پہنچے تھے جہاں وہ شاید شرف سے بھی ملے ہوں گے۔ شرف کی معاصر شہادت کی بنیاد پر امیر میرزا (تخلص نامعلوم) کو بھی غالب کے ایسے غیر معروف شاگرد ثابت ہوتے ہیں جن کا ذکر تلامذۂ غالب میں تلاش کے باوجود مجھے نہ مل سکا۔ امیر میرزا (شاگرد غالب) کے تخلص، مزید حالات اور کلام کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق - نفیس اکیڈمی؟ کراچی طبع ۱۹۴۹ء (حصہ اوّل) ص ص ۱۳۵ تا ۱۷۹

۲۔ فیضانِ غالب : عرشی ملسیانی - غالب اکیڈمی، نئی دہلی طبع مارچ ۱۹۷۷ء

۳۔ تلامذۂ غالب : مالک رام - مرکز تصنیف و تالیف نکودر طبع اوّل [سنہ اشاعت ندارد]

۴۔ الاکندر چندری آزاد کے حالات مندرجہ ذیل مصادر میں ملاحظہ ہوں :

① قطعۂ منتخب : ناسخ - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع جولائی ۱۸۷۴ء ص ۴

② سخن شعرا : ناسخ - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۲۲

③ خمخانۂ جاوید (جلد اوّل) : لالہ سری رام - مطبع منشی نول کشور لاہور طبع ۱۹۰۸ء ص ص ۲۷/۲۸

④ بزمِ غالب : عبدالرؤف عروج - ادارہ یادگارِ غالب، کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۷

۵۔ بہ حوالۂ تلاشِ غالب : نثار احمد فاروقی - کوہ نور پریس، دہلی - طبع مئی ۱۹۶۹ء ص ۱۵۶

۶۔ عودِ ہندی : مرتبہ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل - مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء ص ۲۷ (حاشیہ ۱)

۷۔ قطعۂ منتخب طبع ۱۸۷۴ء ص ۴

۸۔ سخن شعرا طبع ۱۸۷۴ء ص ۲۲

۹۔ خمخانۂ جاوید جلد اوّل ص ۲۸

۱۰۔ رک : ① گلستانِ بے خزاں : باطن - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع جون ۱۸۷۵ء ص ۱۶۸

② سخن شعرا طبع ۱۸۷۴ء ص ۳۱۴

۱۱۔ اردوئے معلّٰی (حصہ اوّل) : غالب - اکمل المطابع دہلی - طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۷۶ [ممنونِ کاظم علی خان]

۱۲۔ بہ حوالہ نگار، رام پور - جولائی ۱۹۶۳ء ص ۷۴

۱۳۔ مشمولہ عودِ ہندی : غالب - مطبع مجتبائی، میرٹھ طبع رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ص ۶۶ تا ۶۷
نیز ۹۱ تا ۹۲ [ممنونِ کاظم علی خان]

۱۴۔ اردوئے معلّٰی (حصہ اوّل) طبع مارچ ۱۸۶۹ء ص ۲۳۵

۱۵۔ ایضاً ص ۳۴

۱۶۔ بہ حوالہ اردو، کراچی غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ۸۹۴ [بہ شکریہ کلب علی خاں فائق]

۱۷۔ بہ حوالہ اردو، کراچی غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۳۳ [بہ شکریہ مشفق خواجہ]

۱۸۔ رک : ① سخن شعرا طبع ۱۸۷۴ء ص ۴۰

② بزمِ سخن : سید علی حسن خان سلیم - مطبع مفید عام، آگرہ طبع ۱۸۸۱ء ص ص ۱۵ تا ۱۶

③ طورِ کلیم : نور الحسن خان کلیم - مطبع مفید عام آگرہ طبع ۱۲۹۸ھ ص ۱۲

④ خمخانۂ جاوید (جلد اوّل) ص ۳۶۱

⑤ تذکرۂ نادر : مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۵۷ء ص ۳۰

۱۹۔ بہ حوالہ اردو، کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ۹۰۴ [بہ شکریہ فائق رام پوری]

۲۰۔ ایضاً ص ۲۳۵ [بہ حوالہ مشفق خواجہ]

۲۱۔ میر سرفراز حسین کے نام عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ (ص ص ۷۰ تا ۷۱) اور اردوئے معلّٰی حصہ اوّل طبع مارچ ۱۸۶۹ء (ص ص ۱۵۱ تا ۱۵۳) میں مجموعی طور پر غالب کے دو عدد مطبوعہ اردو خطوط موجود ہیں -

۲۲۔ عودِ ہندی طبع ۱۲۸۵ھ ص ۹۸

۲۳۔ ایضاً ص ۸۸

۲۴۔ ایضاً ص ۸۹

۲۵۔ بحوالہ اردو کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۲۳۸ تا ۲۳۹ [بہ شکریۂ مشفق خواجہ]

۲۶۔ ایضاً ص ۲۸۷ [بہ حوالۂ فائق رام پوری]

۲۷۔ غالب سیتاپوری کے حالات اور اشعار نگار، رام پور فروری ۱۹۶۳ء ص ص ۲۲ تا ۳۲ سے ماخوذ ہیں

۲۸۔ پنج آہنگ مشمولۂ کلیات نثر غالب - مطبع منشی نول کشور، کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ص ۲۳۱ تا ۲۳۳ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۲۹۔ پنج آہنگ (آہنگ پنجم): مترجمہ محمد عمر مہاجر - ادارۂ یادگار غالب، کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۱۵۸ [اس کتاب کے لیے جناب قاضی عبدالودود کا ممنون ہوں]

۳۰۔ دیوانِ غالب - مطبع صدر مجیبس، لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ۳۶ [مملوکہ کاظم علی خاں]

۳۱۔ رک: ① سخن شعرا طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء ص ۳۳۶
② سراپا سخن: سید محسن علی محسن - مطبع نول کشور، لکھنؤ طبع ۱۸۶۱ء ص ۳۰۳
③ خم خانۂ جاوید (جلد سوم): لالہ سری رام - دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی طبع ۱۹۱۷ء ص ۲۰۳
④ قاموس المشاہیر (جلد دوم): نظامی بدایونی - نظامی پریس، بدایوں طبع ۱۹۲۶ء ص ۹۶
⑤ تذکرۂ نادر ص ۱۱۴
⑥ بزمِ غالب ص ۲۹۰

۳۲۔ بحوالہ اردو کراچی غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۹۱ تا ۹۲

۳۳۔ ہندو شعرا: مولفہ خواجہ عشرت لکھنوی - نامی پریس، لکھنؤ طبع جنوری ۱۹۳۱ء ص ۱۱۶

۳۴۔ بحوالہ اردو، کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء ص ۲۴۴ [بہ شکریۂ مشفق خواجہ]

۳۵۔ ایضاً ص ۲۹۰ [بہ حوالۂ فائق رام پوری]

۳۶۔ رسالہ گلدستۂ شعرا، لکھنؤ [جلد (۱) شمارہ (۱۵)] مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۶۰ء مطابق ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ ص ص ۱۴ تا ۱۵

۳۷۔ ایضاً ص ۱۵

۳۸۔ آغا محمد شرف کی غیر مطبوعہ مثنوی افسانۂ لکھنؤ کو اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کی فرمائش پر راقم الحروف مرتب کر رہا ہے۔

ساتواں باب

حرفِ آخر - خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت

خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت

اُردو نثر کے ارتقائی سفر میں غالب کے اُردو مکاتیب وہ اہم سنگِ میل ہیں جس نے ہماری نثر نگاری کو نئی
راہوں سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ ایک نئی سمت و رفتار سے بھی ہمکنار کیا ہے۔ خطوطِ غالب سے قبل
اُردو نثر یا تو رومانوی داستانوں کی خیالی و طلسماتی فضاؤں میں افراد کو جیتے جاگتے حقیقی و ارضی دنیا سے پرے
پرستانوں کی سیر میں مصروف رکھتی ہے یا صوفیوں کی خانقاہوں کے تاریک پنہاں خانوں کے مابعد الطبیعاتی دھندلکوں
میں بھٹکتی رہی ہے، یا کبھی کبھی خشک مذہبی و اخلاقی حکایات و موعظات بیان کرتی رہی ہے یا دہلی
کالج کے حدود میں طالب علموں کے محدود حلقوں کے لیے نصابی یا علمی کتابیں تیار کرتی رہی ہے۔ خطوطِ غالب سے
قبل اردو نثر اپنی نوعیت کے لحاظ سے رومانی، خیالی، طلسماتی، اخلاقی، مذہبی اور علمی کچھ راہوں پر بھٹکتی رہی
میں مادہ و سوال کو گئی، وگرد شوروں کے دروازے پر ایسے رہ کر جیتے جاگتے، ہنستے بولتے گوشت پوست
انسان ان کی دنیا و مسرتوں اور محرومیوں سے کوسوں دور ان افراد کی اس حقیقی دنیا سے رو گردانی کرتی رہی
ہے جو اس کے ارتقائی سفر کی اصل منزل مقصود تھی۔ خطوطِ غالب کی وہ فضا ہے جس میں اردو نثر پہلی بار جیتے جاگتے
اور سانس لیتے ہوئے انسانوں کی اس حقیقی دنیا سے روشناس ہوئی جہاں اس نے انسان کے حقیقی دکھ درد کو
بیان کرنا سیکھا، مسائلِ حیات سے آنکھیں چار کرنے کا سلیقہ و حوصلہ حاصل کیا اور جہاں پہنچ کر اردو نثر
پرستانوں کی طلسماتی فضاؤں سے نکل کر انسانی مسائل کے ان گوشوں سے وہ کچھ سوال تک دیو،
جن اور پریوں کے ذکر کے باعث محروم رہی تھی۔ غالب کے مکاتیب وہ مکاتیب ہیں جہاں اردو نثر نے
پہلی بار انسانی لب و لہجہ میں بے تکلفی کے ساتھ بات کرنا سیکھی۔ غالب ایک خط میں مرزا حاتم علی مہر
سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار
کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔"[1]

انیسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر کے دوران $\frac{1868-69}{1285}$ میں پہلی بار غالب کے مکاتیب کیا شائع
ہوئے کہ اردو نثر کے لیے گویا دبستان کھل گیا۔ اردو نثر کی تاریخ شاہد ہے کہ دہلی کی 1285ھ کی کتاب سب رس
سے 1285ھ میں خطوطِ غالب کی اشاعت تک اردو کی ادبی نثر نے دو سو چالیس سال کی تاریخ کے دوران مواد
اور کتابوں کی تعداد کی بنیاد پر جو ترقی کی وہ خطوطِ غالب کی اشاعت $\frac{1285}{1868}$ کے بعد اردو نثر کی زبردست
ترقیوں کے مقابلے میں اگر تولے تو ترازو کے پلڑے میں پاسنگ معلوم ہوگی۔ اردو نثر کی ترقی کی رفتار کو
بڑھانے میں جو محرکات کارفرما رہے ہیں اُن کی فہرست میں خطوطِ غالب بھی شامل ملیں گے۔ خطوطِ غالب کی اہمیت
کے بیان میں شیخ محمد اکرام کا یہ مقولہ غلط نہیں کہ "اردو نثر کا مستقبل فورٹ ولیم سے نہیں بلکہ قلعۂ دہلی
سے وابستہ تھا۔"[2] نادراتِ غالب میں آفاق حسین آفاق نے بھی خطوطِ غالب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اعتراف
ان الفاظ میں کیا ہے:

"اردو نثر کے ارتقا میں غالب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر مرزا نے آج سے سو سال پہلے
سادہ اور بے تکلف اندازِ تحریر اختیار نہ کیا ہوتا تو شاید اس وقت ہماری زبان
میں اسی طرح کی عبارت آرائی کی جاتی اور ہم اسی طرح قوافی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے۔"[3]

خطوطِ غالب سے قبل اردو نثر اپنے ارتقائی سفر میں چل ضرور رہی تھی مگر اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ
اور سست روی پر آتش لکھنوی کا یہ شعر صادق آتا ہے:[4]

جادہ ہے مجھ ناتواں کی سرخ بیڑی کی طرح ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

خطوطِ غالب سے تقویت حاصل کر کے اردو نثر ترقی کی راہ پر جدید طرز سے تیز روی سے آگے بڑھی اس کی دوسری

مثال خطوطِ غالب سے قبل اردو نثر کی تقریباً ڈھائی سو سالہ تاریخ میں تلاش کے باوجود نہیں ملتی۔

خطوطِ غالب کے دامنِ تربیت میں اردو نثر کے اس رواں و فطری اسلوب نے پہلی بار آنکھ کھولی جو ہماری نثر کی حقیقی ترقیوں کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ خطوطِ غالب کے فراہم کردہ اسی بنیادی اسلوب کی بدولت اردو نثر نے اپنی پرانی ڈگر سے ہٹ کر اصناف و اسالیب کے متعدد نئے میدان سر کیے۔ غالب ہمارے ادب میں ایک ایسی مرکزی حیثیت کے مالک ہیں جو قدیم و جدید دونوں کا سنگم نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیں انیسویں صدی عیسوی کی قدامت کے دوش بدوش آنے والے دور کی بشارتوں کا واضح احساس بھی ملتا ہے۔ غالب کے ادبی آثار میں قدیم تصورات اور جدید افکار کی آمیزش و آویزش کی جو دھوپ چھاؤں ملتی ہے اس کی بدولت ہمارے ناقدوں کے نزدیک غالب روم کے اس اساطیری کردار جےنس (JANUS) کی مثال ہیں جس کا ایک رُخ ماضی کی طرف تھا اور دوسرا مستقبل کی جانب۔ غالب کے یہاں قدیم و جدید کی کشمکش کی یہ کیفیت استعاروں کے ذریعے یوں بیان کی گئی ہے: ؎

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر ے کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے [۴]

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا بیان ہے:

"اردو نثر میں مختلف نئی اصناف نے، افسانے اور ڈرامے کی اصناف غالب کے بعد جنم لیتی ہیں، لیکن ان اصنافِ ادب کے لیے اسالیبِ بیان کے نمونے غالب کے خطوط میں ملتے ہیں اور یہ نمونے اتنے حقیقی اور جاندار ہیں کہ ان میں افسانے اور ڈرامے سے زیادہ لطف و کیف کے حامل ہیں۔" [۵]

شیخ محمد اکرام غالب کے بلند و بالا ادبی قد و قامت کی تصویر یوں پیش کرتے ہیں:

"مرزا غالب کو ہمارے ادب میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جدید اردو نثر نے ان کے گھر میں آنکھ کھولی اور قدیم اردو شاعری بھی ان کے دامنِ تربیت میں کھیل کود کر جوان ہوئی۔۔۔۔ غالب کا ادبی مرتبہ بہت بلند ہے، لیکن ان کی اہمیت فقط شخصی اور انفرادی نہیں۔ ان کا مطالعہ فقط اس لیے دلچسپ نہیں کہ انھوں نے شگفتہ، دلفریب نثر اور دل گداز، آب دار شعر لکھے؛ بلکہ وہ ہمارے ادب میں قدیم اور جدید کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔۔ وہ نئی نسل کے محبوب ہیں اور قدیم کی روایات کے بہترین ترجمان۔ اگر ہمارے یہاں قدیم اور جدید کی خلیج کو عبور ہوتا ہے اور قدیم فقط وہ نہیں جو آج سے ڈیڑھ دو سو سال پہلے ولی دکنی سے شروع ہوتا ہے بلکہ جس کا سلسلہ بیدل، عرفی، نظیری، خسرو کے واسطے سے مسعود سعد سلمان تک پہنچتا ہے، تو اس کا ایک بڑا ذریعہ غالب ہوگا۔" [۶]

رقعاتِ غالب کے فیوض و برکات میں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مذہبی و مناظرانہ سوانح عمریوں سے قطعِ نظر جس کتاب نے اردو نثر میں اردو شاعروں کی باقاعدہ ادبی سوانح نگاری کی روایت جاری کی وہ یادگارِ غالب تھی جو غالب کے شاگرد حالی نے خطوطِ غالب کی مدد سے تیار کر کے پہلی بار ۱۸۹۷ء میں شائع کی تھی۔ [۷]

اردو نثر کو ادبی ظرافت اور مزاح نگاری کے اوّلین معیاری نمونے خطوطِ غالب ہی نے فراہم کیے تھے خطوطِ غالب

سے قبل رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب یا ایسی اور دوسری قدیم نثری داستانوں میں ہر انداز ظرافت کے جو نمونے ملتے ہیں اُن میں سے بیشتر معیار و مقدار دونوں ہی اعتبار سے جدید مزاح نگاری اور ادبی ظرافت کے اُن معیاری نمونوں سے مختلف ہیں جن کی بدولت رقعاتِ غالب کے صفحات ہیں آج بھی زعفران زار نظر آتے ہیں۔ اردو نثر میں خطوطِ غالب نے معیاری مزاح نگاری کی جو روایت جاری کی اُس کا اعتراف ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں بھی کیا ہے[11] اِس سلسلے میں مشہور مزاح نگار احمد جمال پاشا کا خیال ہے: "انیسویں صدی ...... کا عظیم نثری کارنامہ خطوطِ غالب ہیں جن سے اردو ادب میں جدید ظرافت کا آغاز ہوتا ہے۔"[11]

اردو مکتوب نگاری کی روایت خطوطِ غالب سے قبل موجود ضرور تھی مگر اِس روایت کو تقویت دے کر زور و شور اور دھوم دھام سے جاری کرنے کا کام خطوطِ غالب کے عودِ ہندی و اردوئے معلّٰی جیسے اُن مجموعوں نے سرانجام دیا جن کی بنیاد پر آج بھی غالب اردو کے کامیاب ترین مکتوب نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

فارسی شروح سے قطع نظر ہمارے محدود مطالعے میں غالب اردو کے وہ پہلے شاعر ہیں جن کے کلام نے اردو نثر کو شرح نگاری کی روایت سے مالا مال کیا۔ عبدالواجد (؟) والہ دکنی کی وثوقِ صراحت سے رسالۂ غالب تا نئی دہلی تک کلامِ غالب کی شرحوں کی طویل فہرست میں ہمیں کم و بیش تین درجن کتابوں کے نام ملتے ہیں جن کی بدولت اردو نثر میں شرح نگاری کی روایت کو زبردست تقویت ملی ہے۔[12] شرحِ کلامِ غالب کی اِس روایت کے بانی خود غالب ثابت ہوتے ہیں کیوں کہ خطوطِ غالب میں خود غالب نے اپنے متعدد اشعار کی شرح کی ہے۔ اِس طرح اردو نثر میں شرح نگاری کی شاندار روایت کا آغاز بھی خطوطِ غالب ہی کے ذریعے ہوا تھا۔[13]

یہ مثالیں اِس بات کا اِثبات کرتی ہیں کہ جدید اردو نثر اپنی گوناگوں ترقیوں کے لیے بڑی حد تک غالب ہی کے دامن سے منسلک رہ کر خطوطِ غالب کے آغوش میں پروان چڑھی ہے۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی جو اپنے پی ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے "مکتوباتِ اردو کا ادبی و تاریخی ارتقا" کی بدولت اردو مکتوب نگاری کے مطالعے کے سلسلے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں کافی غور و فکر کے بعد خطوطِ غالب کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے:

"مرزا غالب نے اردو شاعری ہی کو نیا رنگ و آہنگ نہیں دیا، جدید اردو نثر کی بنیاد بھی اپنے بابرکت ہاتھوں سے قائم کی۔" [ذوق و جستجو: خواجہ احمد فاروقی ص ۱۰۱]

خطوطِ غالب نے اردو نثر کی آبیاری کرنے کے ساتھ ساتھ غالب کے حصار بند "گنجینۂ معنی کے طلسم" کی بلند و بالا فصیلوں میں اردو تحقیق و تنقید کے داخلے کے لیے غالب فہمی اور غالب شناسی کے جو نئے دروازے کھولے وہ غالبیات کے باب میں ایک یادگار اور عہد آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خود غالب اور غالبیات کے سلسلے میں خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت کا احساس و اعتراف کرنے میں غالب پر تحقیق اور تنقید کا کام کرنے والے اہلِ قلم شروع ماضی بلکہ حال میں بھی جس طرح پیش پیش رہے ہیں اُس کی بنیاد پر کہی ہوئی یہ پیشین گوئی کے بغیر اِس امکان کی بھی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ آنے والی نسلوں کو مستقبل میں غالب کے روشن مستقبل کا استقبال کرنے کے لیے خطوطِ غالب کے دروازے ہی پر دستک دینا ہوگی۔ ہمارے نزدیک خطوطِ غالب غالبیات کے تاریک ماضی کے لیے نئی روشنی اور روشن حال کے لیے درخشاں مستقبل کی تابندہ بشارتوں کے امین ہیں۔ مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں غالب کے اردو مکاتیب کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"جہاں تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر اُن کی اردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے، ویسی نہ نظم اردو اور نظم فارسی اور نثر فارسی سے نہیں ہوئی۔ ...... مرزا کا اردو نثر

پروفیسر رشید احمد صدیقی کا بیان ہے: "غالب ...... نے اپنے اشعار سے زیادہ اپنے خطوط [illegible] سے ہم کو قریب معلوم ہوتے ہیں۔ اشعار میں وہ ہم سے دور بہت دور نظر آتے ہیں۔ خطوط میں [illegible]" [غالب کی شخصیت اور شاعری، رشید احمد صدیقی، دہلی، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷ تا ۲۸]

کے قدرداں بہ نسبت ناقدرداناں کے ملک میں زیادہ نکلیں گے ...“

غالب کے حالات و کمالات کے متعلق رقعاتِ غالب میں جو انبار در انبار اطلاعات ملتی ہیں اُن کی مدد سے اب تک غالب کی متعدد کامیاب سوانح عمریاں لکھی جا چکی ہیں جن میں یادگارِ غالب: مولانا حالی ' غالب: غلام رسول مہر ' غالب نامہ: شیخ محمد اکرام نیز ذکرِ غالب: مالک رام کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ غالب کی چند ایسی سوانح عمریاں بھی ملتی ہیں جن میں فقط رقعاتِ غالب کی مدد سے خود غالب کے بیانات کی بنیاد پر اُن کے حالات و کمالات پیش کیے گئے ہیں۔ اِن میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں: (۱) نکاتِ غالب مرتبہ نظامی بدایونی نظامی پریس بدایوں (۲) غالب کی آپ بیتی: مرتبہ نثار احمد فاروقی علمی مجلس دہلی طبع فروری ۱۹۶۹ء۔ مولانا غلام رسول مہر کی تحریر کردہ غالب کی سوانح عمری کے تعارف میں عبدالمجید سالک مرحوم نے لکھا ہے:

”مہر صاحب نے [غالب کی] سوانح عمری کی ... [نئی] قسم ایجاد کی ہے کہ صاحبِ سوانح کے کلام نظم و نثر اور اُس کی نجی تحریروں سے اُس کے حالاتِ زندگی فراہم کیے ہیں جن کی صداقت سے کوئی دوسرا شخص تو درکنار خود صاحبِ سوانح بھی انکار نہیں کر سکتا۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر مرزا غالب ایسے اچھے اور جامع رقعات نہ لکھ جاتے تو مہر صاحب سوانح نگاری میں اتنے زیادہ کامیاب نہ ہوتے ...“

رقعاتِ غالب نے اب تک غالب کی حیات کے مختلف ابواب کے لیے جو مواد فراہم کیا ہے اُس کے دائرۂ کار میں ولادت سے وفات تک غالب کی زندگی کے تقریباً تمام اہم واقعات کے ساتھ ساتھ بعض ایسے حالات بھی شامل ہیں جو خطوطِ غالب کے علاوہ اور کسی دوسرے ماخذ میں نہیں دستیاب ہوتے۔ اِس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ دستیاب مصادر اِس باب میں خاموش ہیں کہ غالب کے دادا کے یہاں پیدا ہونے والی اولاد میں بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد کیا تھی؟ منشی نبی بخش حقیر کے نام پنجشنبہ ۲۲ دسمبر ۱۸۵۳ء مطابق ۲۰ ربیع الاوّل ۱۲۷۰ھ کے ایک خط میں غالب کا بیان ہے:

”بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہم درد ہو گیا، یعنی منگل کے دن ۱۸ ربیع الاوّل کو شام کے وقت وہ پھوپھی کہ میں نے بچپن سے آج تک اُس کو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھ کو بیٹا سمجھتی تھی، مر گئی۔ آپ کو معلوم ہو کہ پرسوں میرے گویا نو آدمی مرے۔ تین پھوپھیاں اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا یعنی اُس مرحومہ کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اُس کے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج یک بار مر گئے ...“ (نادراتِ غالب حصہ دوم ص ۹۰)

اِس خط سے انکشاف ہوتا ہے کہ غالب کے حقیقی دادا کے یہاں پیدا ہونے والی اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں شامل تھیں۔ یہ خط غالبیات میں وہ واحد ماخذ ہے جس سے ہمیں پہلی بار پتا چلتا ہے کہ غالب کی اِن چہیتی اور چاہنے والی پھوپھی نے ۱۸ ربیع الاوّل ۱۲۷۰ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۵۳ء کو بروز سہ شنبہ بوقتِ شام وفات پائی تھی۔ علاوہ کے نام غالب کے ایک اور اردو خط سے ہمیں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ غالب کی روٹی کے مصارف کا بار اُن کی انہیں چاہنے والی پھوپھی کے سر رہتا تھا اور اِس اطلاع کے لیے بھی غالب کے محولہ بالا مکتوب کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا ماخذ موجود نہیں۔

غالب کے ددھیالی عزیزوں میں ہمیں اُن کے دادا، والد اور چچا کے متعلق جو معلومات دست یاب ہیں وہ بھی بیشتر غالب کے ایک اردو خط (بہ نام حبیب اللہ خاں ذُکا) پر مبنی ہیں جس کے ضروری حصے درج ذیل ہیں:

"میں قوم کا تُرک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے، نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اُس کے جو طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا، وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خاں بہادر میرا حقیقی چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا۔ اُس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۶ء [کذا؟ ۱۸۰۳ء] میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا، صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار جمع کیے، چار سو سوار کا بریگیڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپیہ درماہہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات، علاوہ سال بھر مرزبانی کی تھی کہ بہ مرگِ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔ وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا، جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا، جو چچا مر گیا۔...."[۱۱]

اکبرآباد میں غالب کی ننھیال جو اُن کے سفرِ حیات کی پہلی منزل تھی، اور جہاں اُن کا بچپن گزرا، اُن کے صحیفۂ حیات کا وہ باب ہے جس کے متعلق ہمارے پاس معلومات کا فقدان ہے۔ حیاتِ غالب کے لیے مواد فراہم کرنے والے تمام دست یاب مآخذ غالب کی زندگی کے ابتدائی دور کے بارے میں خاموش ملتے ہیں۔ لے دے کے منشی شیو نرائن آرام کے نام غالب کا ایک خط وہ واحد مآخذ ہے جو غالب کی ننھیال کے متعلق ملنے والے مواد کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خط میں غالب منشی شیو نرائن آرام سے یوں مخاطب ہوئے ہیں:

"برخوردار نورچشم منشی شیو نرائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو؟ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزندِ دل بند ہو.... تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے؟ مجھ سے سنو، تمہارے دادا کے والد عہد نجف خاں..... میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے، تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھول دی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر، خان صاحب کے ساتھ ہیں اور اُنھوں نے جو کیٹھم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعوا کیا ہے تو بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں، اور وکالت اور

مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت، آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔ چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا، اِس واسطے جب چاہتے چلے جاتے تھے۔ بس، ہمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹڑے درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اُسکے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اُس کے 'کھٹیا والی حویلی' اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اُس سے آگے بڑھ کر ایک کٹڑا کہ وہ 'گڈریوں والا' مشہور تھا اور ایک اور کٹڑا کہ وہ 'کشمیرن والا' کہلاتا تھا۔ اُس کٹڑے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔ واصل خاں نامی ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا اور وہ کٹڑوں کا کرایہ اوگاہ کر اُن کے پاس جمع کرواتا تھا۔ بھائی تم سنو تو سہی تمہارے [کذا؛ تمہارا] دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ہے۔ علاقے مول لیے تھے اور زمین داری اپنا کر لیا تھا، دس بارہ ہزار کی سرکار کی مال گزاری کرتا تھا۔۔۔"۳۵

یہ خط غالب کی ننھیال کے اُس تموّل کی داستان بیان کرتا ہے جس کے سہارے غالب کی ابتدائی زندگی بے فکری کے ساتھ رئیسانہ مشاغل میں گزری۔ اِس خط سے ہمیں نہ صرف غالب کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کا نام معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ عہدِ نجف خاں کے دوران اکبر آباد میں اچھی حیثیت کے مالک تھے۔ خط سے انکشاف ہوتا ہے کہ غالب کے نانا اکبر آباد میں نہ صرف ایک بہت بڑی جائیداد رکھتے تھے بلکہ وہ جاگیردار بھی تھے۔ غالب کے مزاج میں شروع ہی سے جاگیرداری اور ریاست کی بو باس ایسی بسی کہ وہ ابد تک مالی پریشانی کے دور میں بھی اُن کی شخصیت کا حصّہ بنی رہی اور وہ قرض دار ہونے کے باوجود بھی اُس جاگیردارانہ خو بُو سے چھٹکارا نہ پا سکے جو انھیں اپنے جاگیردار نانا خواجہ غلام حسین خاں اور جاگیردار چچا نصر اللہ بیگ خاں بہادر سے ورثے میں ملی تھی۔ اِس خط سے آگرہ میں واقع غالب کی اُس شان دار ننھیالی حویلی کے محلِ وقوع کا بھی انکشاف ہوتا ہے جس میں اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں غالب رہتے تھے اور غالباً اکبر آباد کی یہی بڑی حویلی غالب کا مولد بھی تھی۔ اِن حالات میں یہ خط غالب کی ننھیال کے متعلق ملنے والے مواد کا وہ واحد واہم ماخذ ہے جس کے بغیر ہمیں غالب کی ننھیال کا کوئی حال ہی نہ معلوم ہوتا۔

غالب کی ننھیال اُن کے صحیفۂ حیات کا وہ سادہ باب ہے جو مواد سے خالی ملتا ہے اور اِس باب کے مواد کے لیے خطوطِ غالب کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا ماخذ موجود ہی نہیں۔ غالب کے ننھیالی عزیزوں کے سلسلے میں بھی ہمیں غالب کے ایک اردو خط سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ غالب نے بچپن میں اپنی والدہ کے علاوہ اپنی حقیقی ممانی کا بھی دودھ پیا تھا اور اِن ممانی کے فرزند مرزا اورنگ خاں یعنی غالب کے ماموں زاد بھائی نے غالب کی والدہ کا دودھ پیا تھا نیز غالب کے یہ دودھ شریک ماموں زاد بھائی باندہ کے نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کے فرزند تھے گویا غالب کی ممانی باندہ

کہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ ہوتی تھیں۔[1] غالب کا ایک اور اردو مکتوب یہ بھی بتاتا ہے کہ غالب کے

اخراجات کے لیے کبھی کبھی اُن کی والدہ آگرہ سے کچھ رقم بھیج دیا کرتی تھیں۔[2] غالب کے احوال میں اُن کے ددھیالی اور ننھیالی عزیزوں کے متعلق بیشتر معلومات ہمیں غالب کے اردو خطوط سے ہی فراہم ہوتی ہیں گویا غالب کے خاندانی حالات کے لیے خطوطِ غالب اہم ترین ماخذ ہیں۔

غالب کے سفرِ حیات کی پہلی منزل ۸ رجب ۱۲۱۲ھ کو اُن کی ولادت ہے۔ غالب کی تاریخِ ولادت کے لیے عودِ ہندی طبع اول (ص ۷۹) میں شامل مکتوب غالب بہ نام علائی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ غالب اردو و فارسی کے بلند پایہ شاعر و نثر نگار تھے۔ اُن کے ادبی آثار مختلف علوم و فنون میں اُن کی اچھی دست گاہ کا پتا دیتے ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اعلا تعلیم حاصل کی ہوگی، لیکن خطوطِ غالب اس سلسلے میں دوسری ہی داستان بیان کرتے ہیں۔ غالب کے مختلف خطوط اس بات کے شاہد ہیں کہ کم سنی میں اپنے والد اور چچا کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو جانے کے باعث اعلا تعلیم تو کیا غالب باقاعدہ تعلیم کی تکمیل سے بھی قاصر رہے تھے جو عہدِ غالب میں عام تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے ضروری ہوتی تھی۔ اس باب میں خطوطِ غالب کے چند تراشے حاضر ہیں:

(۱) "علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ہوں" (اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۲۱۷)

(۲) "کیا آپ مجھ کو بے ہنر اور ہیچ میرزا میں صاحبِ کمال نہیں جانتے اور اس عبارتِ فارسی کو میرا مصداقِ حال نہیں جانتے: 'ہیشترو مثلاً طبیب و ہیشترو طبیب مثلاً، ہیشترو ہیچ ہر دو ہیشتر ہر دو ہیچ'۔ آرایش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے موزونی طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے" (عودِ ہندی طبع اول ص ۵۷)

(۳) "میں نے ایامِ دبستان نشینی میں شرحِ مأۃ عامل تک پڑھا بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و طرب میں منہمک ہو گیا" (غالب کے خطوط (جلد دوم)، مرتبہ خلیق انجم نئی دہلی طبع ۱۹۸۵ء ص ۲۲۷)

(۴) "۔۔۔ میں فنِ تاریخ و مساحت و سیاق سے آشنا بیگانہ ہوں اگر ان فنوں کو سمجھ بھی نہیں سکتا ۔۔۔ میں اسی قدر ہوں کہ نظم و نثر بقدرِ اپنی استعداد کے لکھ سکتا ہوں۔ مورخ نہیں ہوں:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس" (نادراتِ غالب ص ۲۱)

(۵) "[آپ نے اپنے خط میں] مجھ عقل کی رسائی اور ذہن کی تیزی میں تفضل حسین خاں (خانِ علامہ) کے ہم پایہ قرار دیا ہے؟]اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ تفضل حسین خاں (خانِ علامہ) ایک شخص تھے جو انواعِ علوم کے عالم تھے۔ طب، نجوم، ہیئت اور ہندسہ خوب جانتے تھے اور ہر قسم کے علم میں مباحث کر سکتے تھے۔ میں نے تو صرف و نحو بھی نہیں پڑھی اور منطق و معانی بھی نہیں جانتا۔ ایک ناتمام فارسی کی واقفیت سے میں اُن کے مرتبے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔۔۔" (غالب کے ایک فارسی خط کا اُردو مفہوم)

غالب کے سفرِ حیات میں نواب الٰہی بخش خاں معروف دہلوی کی بیٹی امراؤ بیگم سے اُن کا عقد اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس شادی کے کچھ عرصے بعد ہی غالب آگرہ سے دہلی منتقل ہو گئے تھے اور دہلی میں غالب کا مستقل قیام غالب کے سوانح نگاروں کے نزدیک وہ اہم واقعہ ہے جس نے غالب کی ادبی زندگی کو متاثر کیا۔ ان امور کے پیشِ نظر عقدِ غالب کی صحیح تاریخ کا تعین ضروری ہے۔ میں نے اپنے مارچ ۱۹۸۰ء کے ایک مضمون میں عقدِ غالب کی صحیح تاریخ غالب کے ایک مکتوب کی بنیاد پر متعین کی تھی۔[3] یہاں اس مضمون کے مباحث کی تلخیص پیش ہے۔

عقدِ غالب کی تاریخ کے متعلق مولانا حالی سے حال تک غالب شناسوں کی تحریروں کا جائزہ بتاتا ہے

کہ مولانا حالی (۲) غلام رسول مہر (۳) حامد حسن قادری (۴) مالک رام اور (۵) عبدالرؤف عروج نے عقدِ غالب
کی تاریخ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ (ہفتم رجب ۱۲۲۵ھ) لکھی ہے[31]۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا ارشاد ہے کہ غالب
کی شادی ۸ رجب ۱۲۲۵ھ کو ہوئی تھی[32]۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے عقدِ غالب کی تاریخ ۷ اکتوبر ۱۸۱۰ء
اور حمید اللہ خاں نے ۸ اگست ۱۸۱۰ء لکھی ہے[33] لیکن میرے نزدیک عقدِ غالب کے سلسلے میں پیش ہونے
والی مندرجہ بالا تمام تاریخیں ناقابلِ قبول ہیں۔ غالب کے مجموعۂ مکاتیب اردوئے معلیٰ حصہ اول
کے پہلے اڈیشن (ص ۳۹۹) میں شامل مکتوبِ غالب بہ نام علائی میں عقدِ غالب کی تاریخ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ
درج ملتی ہے لیکن لاہور میوزیم میں موجود غالب کے اس خط کی اصل میں عقدِ غالب کی تاریخ ۷ رجب
کے بجائے ۱۷ رجب ۱۲۲۵ھ درج ملتی ہے[34]۔ اردوئے معلیٰ طبع اول کے کاتب نے بہ ظاہر یہاں
عقدِ غالب کی تاریخ ۱۷ رجب کی جگہ غلطی سے ۷ رجب لکھ دی ہے اور یہ تاریخی غلطی سو برس سے زیادہ
کے عرصے سے تاریخ کی طرح اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے۔ عودِ ہندی طبع اول (ص ۶۹) میں بھی علائی کے نام
غالب کا مذکورہ بالا خط شامل ہے اور عودِ ہندی کا اندراج بھی عقدِ غالب کی تاریخ ۱۷ رجب ۱۲۲۵ھ
کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ ان شواہد و حقائق کی بنیاد پر میرے نزدیک عقدِ غالب کی صحیح تاریخ
ساتویں رجب کے بجائے سترہویں، ۱۷ رجب ۱۲۲۵ھ ثابت ہوتی ہے جو تقویم میں شنبہ ۱۸ اگست
۱۸۱۰ء کے مطابق ہے۔

غالب کی داستانِ حیات کے واقعات میں ان کی آگرے سے دہلی منتقلی کے متعلق متواتر روایات
اس بات کا اثبات کرتی ہیں کہ غالب نے اپنی شادی (۱۷ رجب ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۱۰ء) کے
کچھ عرصے بعد ہی دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی تھی مگر سوال یہ ہے کہ وہ دہلی کس سال منتقل ہوئے؟
اس مسئلے کے حل کے لیے بھی خطوطِ غالب ہی کارآمد ماخذ ثابت ہوئے ہیں۔ غالب نے علائی کے نام اپنے
یک شنبہ ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء مطابق ۱۶ شعبان ۱۲۷۸ھ کے ایک اردو خط میں اپنے قیامِ دہلی کی مدت ۵۱
سال بتائی ہے[35]۔ شعبان ۱۲۷۸ھ میں سے ۵۱ سال گھٹانے پر شعبان ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ گویا غالب
نے شعبان ۱۲۲۷ھ کے آس پاس دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی ہوگی۔ ۱۲۲۷ھ سے دہلی میں غالب
۱۸۱۲ء
کا قیام قاطعِ برہان میں غالب کے اس بیان کی روشنی میں بھی قرینِ قیاس ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۲۲۶ھ
کے دوران آگرہ ہی میں مقیم تھے[36]۔ گویا غالب ۱۲۲۶ھ کے بعد ہی، شاید ۱۲۲۷ھ میں دہلی منتقل ہوئے ہوں گے۔

غالب کی غزلیہ شاعری میں عاشق، محبوب اور رقیب کے کرداروں کے مثلث کے ماتحت رومان کی
جس داستان کا بیان ملتا ہے وہ اردو غزل کی روایتی اور فرضی عشقیہ شاعری کا نمونہ ہے یا اس رومانی داستان
میں غالب کے کسی معاشقے کی بھی کارفرمائی شامل رہی ہے؟ اس سوال کا واضح جواب ہمیں خطوطِ غالب کے علاوہ
کسی دوسرے ماخذ میں نہیں ملتا جیسا کہ سطورِ گذشتہ میں لکھا جا چکا ہے، غالب نے اپنے ایک اردو خط میں
خود اعتراف کیا ہے کہ وہ طالبِ علمی کے دور ہی سے "لہو و لعب ... فسق و فجور و عیش و طرب میں منہمک"
ہوگئے تھے۔ رنگینیوں اور رنگ رلیوں، جوانی کی رنگینیوں سے ہم کنار ہونے پر کیا رنگ لائی ہوں گی اس کا
اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ غالب جس عہد میں سانس لے رہے تھے اور جاگیردارانہ ماحول
کے زیرِ اثر رئیسوں اور شریفوں کے دورِ شباب کے مشاغل میں کوچہ گردی اور اربابِ نشاط سے
روابط عام سماجی زندگی کے معمولات میں تھے۔ غالب کے دائرۂ تعارف و تاثر میں شامل افراد و اشخاص
میں مومن، شیفتہ، حاتم علی مہر یا نواب مرزا خاں داغ کوچہ گردی کی خاک چھانتے ہوئے تھے اور یہ سب کے سب

کبھی صاحب جی، کبھی رجو، کبھی درگا جان صنم، کبھی چنا جان یا کبھی حجاب بائی کی زلف گرہ گیر کے اسیر رہ چکے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر غالب کے صحیفۂ حیات میں ہمیں "پاکیٔ داماں کی حکایت" تو ملنے سے رہی — اس سلسلے میں مرزا حاتم علی مہر کے نام غالب کے بعض خطوط ہی غالب کی زندگی کے اس تاریک پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حاتم علی مہر کے نام ایک خط میں غالب رقم طراز ہیں:

"... بھائی تمہاری طرح داری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا۔ جس زمانے میں کہ وہ نواب حامد علی خاں کی نوکر تھی اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اور تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے ...." [29]

اس بیان میں مغل جان طوائف سے غالب خود اپنے روابط کے معترف ہیں۔ اسی ضمن میں ایک اور خط میں بھی غالب نے مہر کو لکھا ہے:

"اللہ اللہ! ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے ...." [30]

عہد شیب میں غالب کا یہ شعر شاید ان کے دور شباب کی انہی رنگا رنگ بزم آرائیوں کی یادوں کی دین ہوگا:

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں [31]

مرزا حاتم علی مہر کے نام ایک اور خط میں غالب نے ایک ڈومنی سے اپنے عشق کی داستان یوں بیان کی ہے:

"جناب مرزا صاحب! آپ کا غم فزا نامہ پہنچا، میں نے پڑھا، یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا، انھوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا، یعنی اس کی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت، سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب! شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں، یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے، فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے، عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی، تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری، بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں، عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں، مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے، با آنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا، اس فن میں بیگانۂ محض ہو گیا ہوں لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامہ عشق مجازی چھوڑو۔" [32]

غالب کا یہ خط اردوئے معلیٰ حصہ اول نیز عود ہندی میں بے تاریخ ملتا ہے لیکن خط میں مہر کی جس محبوبہ چنا جان کی وفات پر تعزیت ادا کی گئی ہے وہ پنجشنبہ ۶ ذی قعدہ ۱۲۷۶ھ (مطابق ۳۱ مئی ۱۸۶۰ء) کو فوت ہوئی تھیں۔ [33] ظاہر ہے کہ غالب کا یہ خط تاریخ مذکورہ کے فوری بعد ذی قعدہ ۱۲۷۶ھ میں لکھا گیا ہوگا۔ خط میں غالب کا بیان ہے کہ ان کی محبوبہ یعنی "ستم پیشہ ڈومنی" نے چالیس بیالیس برس قبل وفات پائی تھی۔ ۱۲۷۶ھ میں سے ۴۰ یا ۴۲ برس نکالنے پر ۱۲۳۶ھ یا ۱۲۳۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ گویا غالب کی محبوبہ ۱۲۳۴ھ سے

۱۲۳۶ھ تک کے درمیانی زمانے میں فوت ہوئی ہوں گی اور اس زمانے میں غالب (متولد ۱۲۱۲ھ) کی عمر ۲۲ یا ۲۴ برس رہی ہوگی۔ دیوانِ غالب نسخۂ حمیدیہ میں "ہائے ہائے" ردیف کی جو غزل ملتی ہے وہ شاید غالب کی ان ہی محبوبہ کی وفات پر مرثیہ ہے۔ یہ غزل نسخۂ حمیدیہ کی کتابت کی تکمیل (۵ صفر ۱۲۳۷ھ) سے قبل لکھی گئی ہوگی۔

مرزا حاتم علی مہر کے نام ایک اور خط میں غالب نے کاروبارِ عشق میں اپنے طریقۂ کار پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"مرزا صاحب! ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ ۶۵ برس کی عمر ہے، پچاس برس عالمِ رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشدِ کامل نے یہ نصیحت کی ہے کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں، ہم مانعِ فسق و فجور نہیں۔ پیو کھاؤ، مزے اڑاؤ، مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک فشانی، کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ، غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی، اقامتِ جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے! وہ حور اجیرن ہو جائے گی، طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ، چشمِ بد دور، وہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ، کہیں اور دل لگاؤ:

زنِ نو کن اے دوست در نوبہار — کہ تقویمِ پارینہ ناید بکار" [اردوئے معلیٰ ص ۲۵]

غالب کا یہ مشہور شعر ان کے ان ہی تصورات کی عکاسی کرتا ہے:

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا [۲۵]

غالب کے حالاتِ زندگی فراہم کرنے والے دور کے تمام معاصر مآخذ ان کی اولاد کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ خطوطِ غالب وہ واحد ماخذ ہیں جو غالب کے صحیفۂ حیات میں ان کی اولاد کے ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ غالب کی زندگی کی کتاب کا اولاد سے متعلق باب سادہ رہ جاتا اگر غالب اپنے ایک اردو خط میں میاں داد خاں سیاح کو یہ اطلاع نہ دیتے:

"... تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مر جانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی، اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہیں ہوئی۔" [اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۲۶]

غالب نے ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء [مطابق یکشنبہ ۲۴ ربیع الآخر ۱۲۸۴ھ] کے اس خط میں اپنی عمر ۷۴ سال بتائی ہے جو بظاہر شمسی میں ان کے حافظے کے فرق کا نتیجہ ہے۔ ربیع الآخر ۱۲۸۴ھ میں غالب (متولد رجب ۱۲۱۲ھ) کا سن ۷۴ کے بجائے تقریباً ۷۲ برس بنتا ہے۔

غالب (متولد ۸ رجب ۱۲۱۲ھ و متوفی ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ) کی کم و بیش ۷۳ سالہ داستانِ حیات میں ایک دلچسپ عنوان وہ مکان بھی ہیں جہاں ان کی زندگی گزری تھی۔ غالب آگرہ و دہلی دارالخلافہ کے مختلف محلوں میں کہاں کہاں اور کن کن مکانوں کے مکین رہے تھے؟ خطوطِ غالب کے صفحات میں اس سوال کا بھی جواب تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم کا ایک مقالہ "غالب کی قیام گاہیں" اسی کی ایک دلچسپ

شامل ہے جس میں بیشتر خطوطِ غالب ہی کی مدد سے غالب کی قیام گاہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔[36] غالب نے

اپنی زندگی میں مختلف مقامات کے جو سفر کیے تھے اُن کے متعلق بھی غالب کے اردو و فارسی خطوط میں اچھا خاصا مواد موجود ہے جس کی بنیاد پر مولانا غلام رسول مہر غالب کی مسافرتوں پر مفصل روشنی ڈال چکے ہیں۔[37]

خطوطِ غالب کی مدد سے ہم غالب کے ادبی سفر کی متعدد اہم منزلوں سے روشناس ہوتے ہیں۔ اِن خطوط سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے شعر گوئی کا آغاز فارسی کے بجائے اردو شاعری سے کیا تھا اور شاعری شروع کرنے کے وقت اُن کی کیا عمر تھی۔ اِس سلسلے میں خطوطِ غالب کے اقتباسات حاضر ہیں:

(۱) "۔۔۔ ابتدائے فکرِ سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔۔۔" (عودِ ہندی طبع اول ص ۱۵۹ - خط بنام شفق)

(۲) "خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔" (عودِ ہندی ص ۱۲۶ - مکتوب بنام سیاح)

(۳) "بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔"[38] (مکتوب بنام قدر بلگرامی)

(۴) "علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ہوں۔"[39] (خط بنام منشی سید محمد عباس)

آخری اقتباس منشی سید محمد عباس کے نام غالب کے جس خط[40] سے ماخوذ ہے وہ اردوئے معلّیٰ حصہ اول طبع اول (ص ۲۱۷ تا ۲۱۸) میں بے تاریخ درج ہوا ہے۔ توقیات میں اِس خط کی تاریخِ تحریر شنبہ ۱۹ صفر ۱۲۸۹ھ ملتی ہے جس میں سنہ غلط درج ہوا ہے۔ اِس خط کی صحیح تاریخِ تحریر شنبہ ۱۹ صفر ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء متعین ہوتی ہے۔[41] غالب نے صفر ۱۲۷۹ھ کے اِس خط میں اپنی شاعری کی مدت ۵۵ برس قرار دی ہے گویا وہ ۱۲۲۴ھ سے شاعری کر رہے تھے۔ غالب (متولد ۱۲۱۲ھ) کی عمر ۱۲۲۴ھ میں بارہ برس تھی۔ منقولہ بالا اقتباس نمبر ۳ میں بھی غالب نے آغازِ شاعری کے وقت اپنی عمر بارہ سال لکھی ہے۔[42]

غالب کی ادبی زندگی کے ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء سے شروع ہونے والے اردو شاعری کے ابتدائی دور کے دائرۂ کار میں اُن کے اردو کلام کے وہ تمام قلمی نسخے آتے ہیں جو (۱) نسخۂ عرشی زادہ (۲) نسخۂ امروہہ/بھوپال (۳) نسخۂ شیرانی کے نام سے موسوم ہیں اور جو بالترتیب (۱) رجب ۱۲۳۱ھ/جون ۱۸۱۶ء (۲) صفر ۱۲۳۷ھ/نومبر ۱۸۲۱ء (۳) ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء تک تمام ہو گئے تھے۔ چنانچہ غالب نے جب ربیع الاول ۱۲۴۴ھ/ستمبر ۱۸۲۸ء میں اپنے کلام کا انتخاب گلِ رعنا کے نام سے کیا تو اُس وقت تک غالب کے اردو دیوان کے تو تین نسخے تیار ہو چکے تھے مگر فارسی کلام مرتب بھی نہ ہوا تھا اور گلِ رعنا (۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) ہی غالب کے قلیل المقدار فارسی کلام کا پہلا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اِن حقائق سے پتا چلتا ہے کہ غالب ۱۸۲۶ء (۱۲۴۲ھ) تک زیادہ توجہ اردو شاعری ہی کو دیتے رہے لیکن ۱۸۲۷ء سے اُنھوں نے اردو کے مقابلے میں فارسی شاعری پر زیادہ توجہ دی تھی جو ۱۸۴۷ء تک جاری رہی تھی۔ ۱۸۴۷ء کے قریب وہ اردو شاعری کی جانب دوبارہ متوجہ ہوئے اور فارسی شاعری انھوں نے کم کی۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کی اردو شاعری بیشتر دہلی کے شاہی قلعہ میں غالب کی رسائی یا رسائی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد غالب اپنی ضعیفی اور زمانے کی ناسازگاری کی بدولت اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری سے اجتناب برتنے لگے۔ اِسی دور میں غالب نے اردو و فارسی نثر ہی پر قناعت کی۔ غالب کی ادبی زندگی کے نشیب و فراز کا یہ جائزہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی ادبی صلاحیتوں کو اپنی زندگی کے آخری دور تک اردو و فارسی نظم اور فارسی نثر پر جب پوری طرح صرف کر چکے تو اُن کے پاس اپنی ادبی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے صرف اردو خطوط کا ایک وسیلہ ہی باقی تھا۔ لہٰذا اگر ہمیں غالب کی ادبی زندگی کے آخری دور کی سیر کرنا ہے تو ہمیں اُن کے خطوط کی ورق گردانی کرنا ہوگی جو اُن کی ادبی زندگی کے تکملے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب کی اردو مکتوب نگاری اِس طرح گویا غالب کے ادبی سفر کی وہ منزلِ مقصود ہے جس کے بغیر غالب کا مطالعہ ادھورا، نامکمل اور تشنہ رہے گا۔

خطوطِ غالب کے دامن میں غالب کے ادبی آثار کے متعلق قابلِ لحاظ مقدار میں ایسا کارآمد مواد موجود ہے

جو اُن کی متعدد ادبی تخلیقات کی اشاعت پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اُن کے زمانۂ تخلیق کو متعین کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ غالب کے فارسی و اردو کے مشہور ادبی آثار میں مہرِ نیم روز (فارسی)، دستنبو (فارسی) قاطعِ برہان (فارسی) نیز تیغِ تیز (اردو) وہ کتابیں ہیں جن کی تحریر و اشاعت ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۷ء تک کے درمیانی زمانے میں ہوئی تھی اور غالب کی ادبی زندگی کا یہی دور اُن کی اردو مکتوب نگاری کا زمانہ ہے۔ چنانچہ اُن کے اردو خطوط میں اِن تمام کتابوں کے متعلق بہت کچھ ایسا مفید مواد ملتا ہے جو اِن کتابوں کی تالیف و طباعت کے زمانے کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے یا اُن بنیادی محرکات پر روشنی ڈالتا ہے جو اِن کی تحریر میں کارفرما رہے تھے۔ میں نے اپنے تین عدد مقالوں میں مہرِ نیم روز، دستنبو اور تیغِ تیز کا مفصل تحقیقی جائزہ پیش کرنے میں خطوطِ غالب سے جتنا استفادہ کیا ہے اُس کی تفصیلات اِن مقالوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔[۱۲]

خطوطِ غالب کی مدد سے ہمیں اُن کی متعدد منظوم ادبی تخلیقات کے متعلق بھی اہم اطلاعات ملتی ہیں۔ نبی بخش حقیر کے نام اوائلِ مئی ۱۸۵۱ء کے ایک مکتوب میں غالب رقم طراز ہیں:

"ایک بات تم کو یہ معلوم رہے کہ جب حضور میں حاضر ہوتا ہوں تو اکثر بادشاہ مجھ سے ریختہ طلب کرتے ہیں۔ سو وہ کبھی پرانی غزلیں تو کیا پڑھوں۔ نئی غزل کہہ کر لے جاتا ہوں۔ آج میں نے دوپہر کو ایک غزل لکھی ہے، کل یا پرسوں جا کر پڑھوں گا۔ تم کو بھی لکھتا ہوں۔ داد دینا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے تو اُس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل: ؎

کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مو آئے — اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے"[۱۳]

کلیاتِ غالب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء (ص ۲۲۲ تا ۲۲۶) میں تہتر اشعار پر مشتمل بہادر شاہ ظفر کی مدح میں غالب کا جو فارسی قصیدہ (نمبر ۱۷) شامل ملتا ہے اُس کا مطلع یہ ہے: ؎

گفتم حدیثِ دوست بقرآں برابر است — نازم بہ کفرِ خود کہ بایماں برابر است

غالب کے اِس فارسی قصیدے کے متعلق نادراتِ غالب کے خطوط نمبر ۱۴ اور ۱۵ سے پتا چلتا ہے کہ اُن کا یہ قصیدہ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں عید الفطر یعنی یکم شوال ۱۲۶۷ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۸۵۱ء کو تازہ کلام کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

نبی بخش حقیر کو ۱۸۵۲ء کے ایک خط میں غالب نے لکھا ہے:

"بھائی خدا کے واسطے غزل کی داد دینا۔ اگر یہ ریختہ ہے تو میر و مرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا تو پھر یہ کیا ہے؟ صورت اِس کی یہ ہے کہ ایک صاحب شاہزادگانِ تیموریہ میں سے لکھنؤ سے یہ زمین لائے۔ حضور [یعنی بہادر شاہ ظفر] نے خود بھی غزل کہی اور مجھ کو بھی حکم دیا۔ سو میں حکم بجا لایا اور غزل لکھی۔۔۔۔ لو اب غزل پڑھو:

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں"[۱۴]

یہ بیان بتاتا ہے کہ غالب کی یہ مشہور اردو غزل کن حالات میں معرضِ وجود میں آئی تھی۔ یہ غزل دیوانِ غالب مطبع صدر محبس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء (ص ۳۹) میں موجود ہے۔

نادراتِ غالب کے خط نمبر ۲۵ سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء سے کچھ عرصہ قبل ملکۂ انگلستان کوئین وکٹوریا کی مدح میں ساٹھ اشعار کا ایک فارسی قصیدہ لکھا تھا جو دستنبو میں شامل کیا گیا تھا اور بعد کو یہ کلیاتِ غالب مطبع نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء (ص ۲۶۰ تا ۲۶۳) میں بھی قصیدہ نمبر ۳۰ کی شکل میں شائع ہوا تھا۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے: بہ در روزگار با نسق اندر شمار یافت — خود روزگار از دمیں روزگار یافت

حقیر کو ۸ مارچ ۱۸۵۵ء کے خط میں غالب نے اطلاع دی ہے: "..... اِن دنوں میں دو رباعیاں اردو میں لکھی ہیں۔ ان کو بہ نظرِ اصلاح دیکھو....." [نادراتِ غالب حصہ دوم صفحہ ۱۵]۔ ان دونوں اردو رباعیوں کے پہلے مصرعے یہ ہیں: ع (۱) کہتے ہیں کہ وہ مردم آزار نہیں — الخ (۲) ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے — الخ

یہ دونوں رباعیاں دیوانِ غالب مکتبۂ اردو علی گڑھ طبع ۱۹۸۰ء (ص ۲۵۵) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

دیوانِ غالب مطبع صدر بھیس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء (ص ۹۴ تا ۹۵) میں چکنی ڈلی کی تعریف میں تیرہ اشعار پر مشتمل غالب کا ایک اردو قطعہ ملتا ہے۔ اس قطعے کے متعلق حاتم علی مہر کے نام اپنے ایک خط میں غالب نے یہ اطلاع دی ہے:

"..... ایک میرا قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا، تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے۔ انھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر اُن کو دیا اور صلے میں وہ ڈلی اُن سے لی..... بہ
ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے" الخ

نبی بخش حقیر کے نام اپریل ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں غالب کا بیان ہے:

"بہادر بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔ ہر مہینے میں دو بار مشاعرہ ہوتا ہے۔ پندرھویں کو اور انتیسویں کو۔ حضور فارسی کا ایک مصرع اور ریختے کا ایک مصرع طرح کرتے ہیں۔ اب کے جمادی الثانی کی تیسویں کو جو مشاعرہ ہوا اُس میں مصرعِ فارسی یہ تھا: ع زیں تماشا نگاہ گریاں می رود۔ ریختے کا مصرع یہ تھا: ع خمارِ عشق میں ہستی کی تو دید کیا کہیے۔ انکار ہے کیا کہیے، خبر ہے کیا کہیے۔ میں نے ایک غزل فارسی اور ایک ریختہ موافق طرح کے اور دوسرا ریختہ اسی طرح میں ایک اور صورت نکال کر لکھا۔ وہ تینوں غزلیں تم کو لکھتا ہوں..... ع:

(۱) چاکر از جیبم بہ داماں می رود — الخ [نادراتِ غالب میں یہ مصرع غلط چھپا ہے]

(۲) دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے کیا کہیے — الخ

(۳) کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — الخ" (نادراتِ غالب ع۲ ص ۳۵ تا ۳۸)

اس خط میں غالب کے بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ اُن کی مذکورہ تینوں غزلیں ۳۰ جمادی الثانی [۱۲۶۹ھ] مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء کو منعقد ہونے والے قلعۂ دہلی کے شاہی طرحی مشاعرے میں پیش ہوئی تھیں گویا یہ تینوں غزلیں ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء سے چند روز قبل کا تازہ کلام تھیں۔ ان میں سے فارسی غزل کلیاتِ غالب لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء (ص ۲۳۸ تا ۲۳۹) میں شامل ہے اور اردو کی دونوں غزلیں دیوانِ غالب مطبع صدر بھیس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء (ص ۷۰ نیز ص ۷۲) میں شائع ہوئی تھیں۔

نادراتِ غالب کے خط نمبر ۴۹ مورخہ ۳؍ اکتوبر ۱۸۵۵ء میں غالب نے حقیر کو بتایا ہے: "رات کو ایک
غزل کئی برس کے بعد لکھی ہے۔ اب جو دم تم کو لکھتا ہوں۔ خدا کے واسطے غور کرنا کہ غزل اس کو کہتے ہیں"
اس کے آگے خط میں غالب نے اپنی یہ فارسی غزل نقل کی ہے: ع اے ذوق نوا سنجی بازم بخروش آور سانحہ
غالب کی یہ فارسی غزل ۳؍ اکتوبر ۱۸۵۵ء کی شب میں کہی گئی تھی۔ غالب نے اپنی ادبی زندگی کے اس دور میں
کئی سال سے فارسی غزلیں نہیں کہی تھیں۔ یہ فارسی غزل کلیات غالب طبع ۱۸۶۳ء (ص ۲۶۰) میں
شامل ہے۔ غالب نے اس فارسی غزل کا ذکر اپنے خط بنام شفق میں بھی کیا ہے (عودِ ہندی طبع اول ص ۵۳)

نادراتِ غالب کے خط نمبر ۴۲ بنام حقیر سے انکشاف ہوتا ہے کہ غالب نے شوال ۱۲۷۰ھ جولائی
۱۸۵۴ء کے آس پاس درج ذیل دو اردو غزلیں کہی تھیں: ع
(۱) در خورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا (۲) کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
یہ دونوں اردو غزلیں دیوانِ غالب لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۶۲ء ([illegible] نیز ص ۴۶) میں شامل ہیں۔

خطوطِ غالب میں قابلِ لحاظ مقدار میں غالب کا ایسا غیر متداول اردو کلام بھی فراہم کرتے ہیں جو دیوانِ غالب
(اردو کلام میں چند شامل ہیں، حاضر ہیں)
کے بعد اضافہ ثابت ہوتا ہے کہ نواب امین الدین احمد خاں، جو غالب کے عزیز شاگرد نواب علاء الدین احمد خان
علائی کے والد اور غالب کی زوجہ امراؤ بیگم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے، غالب کے تازہ کلام کے مشتاق رہا کرتے
تھے۔ چنانچہ علائی اپنے پھوپھا مرزا غالب سے فرمائش کر کے اپنے والد امین الدین احمد خاں کے لیے غزلیں
لکھوایا کرتے تھے۔ امین الدین احمد خاں کے نام غالب کے ایک مکتوب کا تراشہ حاضر ہے:

"وکیل حاضر باش دربار اسد اللہی یعنی علائی مولائی نے اپنے موکل کی خوشنودی کے واسطے
فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ اگر پسند آئے تو مطرب کو سکھائی
جائے ۔۔۔ غزل یہ ہے

مطلع: یہ میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی — تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی
مقطع: مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی — ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

نو اشعار کی یہ اردو غزل جس کا مطلع و مقطع پیش کرنے پر اکتفا کی گئی ہے غالب کے جس خط میں درج ہوئی ہے اس
کی تاریخ تحریر چہار شنبہ ۲؍ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ (مطابق ۲۶؍ جولائی ۱۸۶۵ء) ہے۔ خط میں غالب کے
بیان اور خود غزل کے مقطع سے واضح ہوتا ہے کہ یہ غزل غالب نے نواب امین الدین احمد خاں کے لیے
ان کے فرزند علائی کی فرمائش پر ۲۶؍ جولائی ۱۸۶۵ء کے آس پاس کہی تھی اور تازہ کلام کے طور پر
امین الدین احمد خاں کو روانہ کی تھی۔ یہ غزل غالب کے متداول دیوان پر اضافہ ہے۔ غالب کا متداول
اردو دیوان ان کی زندگی میں ۱۸۴۱ء سے ۱۸۶۳ء تک پانچ بار شائع ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ جولائی
۱۸۶۵ء کے آس پاس کہی جانے والی یہ غزل دیوانِ غالب کی ان پانچوں اشاعتوں کے بعد معرضِ وجود
میں آنے کے باعث شاملِ دیوان نہ ہو سکی اور اب یہ غالب کے غیر متداول کلام کے طور پر غالب کے مذکورہ
خط ہی کے حوالے سے کلامِ غالب میں شامل کی گئی ہے۔

خطوطِ غالب کے مسودے میں غالب کا جو غیر متداول اردو کلام ملا ہے اُن میں غالب کے درج ذیل اردو اشعار شامل ہیں:
(۲) غیر متداول قطعہ: بس کہ فعّالِ ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستان کا
[تعداد اشعار نو — ماخوذ از مکتوب غالب بنام علائی مشمولہ اردوئے معلی حصہ اول طبع اول مطبوعہ مارچ
۱۸۶۹ء ص ۱۰۱]

(۳) غیر متداول قطعہ: سہ جب کہ سید غلام بابا نے — مسند عیش پہ جگہ پائی

[تعداد اشعار دو — ماخوذ از مکتوب غالب بنام میاں داد خاں سیاح مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم — مطبع مجتبائی دہلی طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۵۵]

(۴) غیر متداول قطعہ: سہ ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے — فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی

[تعداد اشعار دو — ماخوذ از مکتوب غالب بنام سیاح مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم طبع اپریل ۱۸۹۹ء ص ۱۵۵]

(۵) غیر متداول قطعہ: سہ بہ مقام شکر ہے اے ساکنان خطۂ خاک — رہا ہے زور سے ابر ستارہ بار برس

[تعداد اشعار سات — ماخوذ از مکتوب غالب بنام نواب کلب علی خاں والیِ رام پور مشمولہ مکاتیب غالب مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی — ناظم پریس رام پور طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۴۶ء متن ص ۵۹ تا ۶۱]

(۶) غیر متداول قطعہ: سہ بندہ پرور اہلِ دانش کو بہر دو سو دینے — عید رنگ بادہ گلزار و رنگ گلستان ارم

[تعداد اشعار پندرہ — ماخوذ از مکتوب غالب بنام نواب کلب علی خاں مشمولہ مکاتیب غالب طبع چہارم متن ص ۷۵ تا ۷۷]

(۷) غیر متداول قصیدہ: ع ملاذ کشور و لشکر پناہ شہر و سپاہ

[تعداد اشعار ۲۱ — ماخوذ از مکتوب غالب بنام شیو نرائن آرام مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۳۴۹ تا ۳۵۱ — یہ قصیدہ غالب نے لکھ کر اپنے عزیز شاگرد شیو نرائن آرام کو بخش دیا تھا]

(۸) غیر متداول فرد: سہ تو دیکھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا — آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

[ماخوذ از مکتوب غالب بنام میر مہدی حسین مجروح مشمولہ عود ہندی طبع اول ص ۹۳ — غالب کا یہ شعر پہلی بار عود ہندی میں اکتوبر ۱۸۶۸ء میں چھپا تھا۔ یہ شعر جس غزل سے متعلق ہے وہ غالب کے غیر متداول دیوان کے قلمی نسخے موسوم بہ نسخۂ حمیدیہ میں اردو کو ملی تھی۔ نسخۂ حمیدیہ ستمبر ۱۹۱۸ء کو میں تلاش کیا گیا تھا اور یہ ۱۹۲۱ء میں چھپا تھا]

(۹) فرد: سہ طرز بیدل میں ریختہ کہنا — اسد اللہ خاں قیامت ہے

[ماخوذ از مکتوب غالب بنام عبدالرزاق شاکر مشمولہ عود ہندی طبع اول ص ۱۶۹]

(۱۰) فرد: سہ روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے — کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

[ماخوذ از مکتوب غالب بنام میر مہدی حسین مجروح مشمولہ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۱۹۳]

(۱۱) فرد: سہ دم واپسیں بر سر راہ ہے — عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

[ماخوذ از مکتوب غالب بنام احمد حسین تمنا مرزاپوری مشمولہ مرقع ادب حصہ دوم مرتبہ منقد مرزاپوری سال اشاعت ندارد ص ۲۱ — مجتبائی پریس لکھنؤ]

(۱۲) علائی کے نام غالب کے ایک خط کا تراشہ ملاحظہ ہو:

"تم نے اشعار جدید مانگے۔ خاطر تمہاری عزیز، ایک مطلع صرف دو مصرعے آگے کے کہے ہوئے یاد آ گئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں۔ آج میں فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر لکھ کر سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں: سہ

(۱) بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے — غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے

(۲) رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے — تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

(۳) کٹے تو شب کہیں، کاٹے تو سانپ کہلاوے — کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

(۴) لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود — کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

(۵) نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا — خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

(۶) وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے، ہمدم — وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

(۷) سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقین ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے

... صاحب، تمھارا فرمانا تھا تو اس نے بجا لایا، مگر اس غزل کا مسودہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر باحتیاط رکھو گے اور اردو کے دیوان کے حاشیے پر چڑھا دو گے تو اچھا کرو گے۔ [۶۰]

اس خط میں غالب کے بیان سے انکشاف ہوتا ہے کہ مطلعِ اول کو چھوڑ کر غالب کی یہ غزل مطلعِ ثانی سے مقطع (یعنی شعر ۲ سے شعر نمبر ۷) تک علائی کی فرمائش پر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اس غزل کے چار اشعار (اشعار نمبر ۳، ۴، ۵ نیز ۶) غالب کا غیر متداول کلام ہیں کیونکہ یہ چاروں اشعار غالب کی زندگی میں شائع ہونے والی اُن کے متداول دیوان کی اِن پانچوں اشاعتوں پر اضافہ ہیں جو بالترتیب (۱) ۱۸۴۱ء (۲) ۱۸۴۷ء (۳) ۱۸۶۱ء (۴) ۱۸۶۲ء نیز (۵) ۱۸۶۳ء میں منظرِ عام پر آئی تھیں۔ اس غزل کے اشعار نمبر ۱، ۲ نیز ۷ دیوانِ غالب (متداول) کی چوتھی (۱۸۶۲ء) اور پانچویں (۱۸۶۳ء) کی اشاعتوں میں شامل ہیں۔ غالب کی اس غزل کے آخری چھ عدد اشعار اس خط کے زمانۂ تحریر کے آس پاس کہے گئے ہوں گے۔ ان چار اشعار کے زمانۂ تخلیق کے تعین کے لیے اس خط کی تاریخِ تحریر کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اردوئے معلیٰ حصۂ اول طبع ۱۸۶۹ء میں اس خط کے خاتمے پر جمعہ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کی تاریخ مرقوم ملتی ہے لیکن مہیش پرشاد کا یہ خیال درست ہے کہ یہ تاریخ اس خط کے بعد آنے والے خط سے متعلق ہے۔ مہیش پرشاد نے اس خط کو ۲۲ دسمبر اور ۲۶ دسمبر ۱۸۶۵ء کے خطوط کے درمیان کا مکتوب مانا ہے اور مولانا امتیاز علی عرشی نیز ڈاکٹر خلیق انجم نے بھی مہیش پرشاد کی تقلید میں اسے ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کے بعد مگر ۲۶ دسمبر ۱۸۶۵ء سے قبل کا خط تسلیم کیا ہے۔[۶۰] مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے نزدیک اس خط کا زمانۂ تحریر جنوری ۱۸۶۶ء ہے۔[۶۱] مولانا غلام رسول مہر زیرِ بحث خط کو ۱۳ جنوری ۱۸۶۶ء کے بعد کا مکتوب قیاس فرماتے ہیں (خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۸۹)، مگر میرے نزدیک مہیش پرشاد، مولانا عرشی، ڈاکٹر خلیق انجم، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نیز مولانا غلام رسول مہر کے ارشاد کے برخلاف غالب کا یہ خط جون ۱۸۵۸ء کے آس پاس لکھا گیا تھا کیونکہ اس خط میں غالب کی جو غزل درج ملتی ہے اُس کے اشعار نمبر ۱ نیز ۷ حاتم علی مہر کے نام غالب کے اُس خط میں بھی مرقوم ملتے ہیں جس کا زمانۂ تحریر جون یا اوائل جولائی ۱۸۵۸ء متعین ہو چکا ہے۔[۶۲] حاتم علی مہر کے نام غالب کے اِس جون۔ جولائی ۱۸۵۸ء کے خط میں زیرِ بحث غزل کے مقطع کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہ غزل جون یا جولائی ۱۸۵۸ء تک کہی جا چکی تھی لہٰذا مکتوبِ غالب بنام علائی کو ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کا خط اس لیے نہیں مانا جا سکتا کہ اگر یہ غزل مع مقطع ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء میں کہی گئی تھی تو اس کا مقطع ۱۸۵۸ء کے مکتوب بنام حاتم علی مہر میں کیسے آ گیا۔ علائی کے نام غالب کے زیرِ بحث خط کو ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کا ماننے سے یہ نتیجہ

نکلا کہ حاتم علی مہر کے نام کے ۱۸۵۸ء کے خط میں غزل کا مقطع اپنے زمانۂ تخلیق سے قبل ہی مرقوم ہوا تھا جو ظاہر ہے کہ ناممکن بات ہے۔ اس غزل کے اشعار نمبر ۱ ، ۲ نیز ۴ دیوانِ غالب کے اُس دوسرے ایڈیشن میں شامل ہیں جو ۱۸۶۲ء میں چھپا تھا۔ گویا یہ غزل ۱۸۶۲ء سے قبل ہی جا چکی ہوگی اور مکتوبِ غالب بنام علائی بھی ۱۸۶۲ء کے بعد کا نہیں ثابت ہوتا۔ لہٰذا اس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کسی طرح درست نہ ہوگا۔

خطوطِ غالب کی مدد سے فراہم ہونے والے غالب کے غیر متداول اردو کلام سے یہاں بطور نمونہ محض ایک درجن مثالیں پیش کی گئی ہیں، اور متعدد دوسری مثالیں بخوفِ طوالت چھوڑ دی گئی ہیں۔ خطوطِ غالب کے دامن میں اسی طرح غالب کا غیر متداول فارسی کلام بھی ملتا ہے جس کی تفصیل میری کتاب خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ (طبع ۱۹۸۱ء ص ۱۱۲ تا ۱۲۵) میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔ یہ مثالیں خود غالب و غالبیات کے بارے میں خطوطِ غالب کی اہمیت و افادیت پر دال ہیں۔

حواشی

۱ عودِ ہندی : غالب۔ مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ [اکتوبر ۱۸۶۸ء] ص ۱۰۷

۲ غالب نامہ : شیخ محمد اکرام۔ اشاعت بک ڈپو لکھنؤ ص ۲۲۹

۳ نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق۔ ادارۂ نادراتِ غالب کراچی طبع ۱۹۴۹ء حصۂ اوّل ص ۴۵

۴ کلیاتِ نثرِ غالب (دیوانِ اوّل) مطبع نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۱۳

۵ ذوق و جستجو : پروفیسر خواجہ احمد فاروقی۔ ادارۂ فروغِ اردو لکھنؤ طبع فروری ۱۹۶۶ء ص ۱۰۰

۶ دیوانِ غالب۔ مطبع سرور بخش لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ۲۳

۷ محاسنِ خطوطِ غالب : ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ خیابانِ ادب لاہور طبع فروری ۱۹۶۹ء ص ۳۱

۸ غالب نامہ : شیخ محمد اکرام ص ۲

۹ حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم۔ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور طبع دسمبر ۱۹۶۴ء ص ۱۰۵

۱۰ اردو ادب میں طنز و مزاح : ڈاکٹر وزیر آغا۔ نازیہ پبلشنگ ہاؤس دہلی ص ۱۷۲ تا ۱۸۲

۱۱ رشید کالج میگزین الٰہ آباد (۱۹۸۵۔۱۹۸۶ء) : مرتبہ کاظم علی خاں ص ۶۰ (مقالۂ احمد جمال پاشا "اودھ پنچ لکھنؤ کی طنز و ظرافت انیسویں صدی عیسوی کے دور اول")

۱۲ ان میں سے ڈھائی درجن سے زائد کی بابت نشان دہی ڈاکٹر محمد انصار اللہ غالب ببلیوگرافی (حصۂ اوّل ص ص ۲ تا ۱۷) میں کر چکے ہیں۔ اُن کے علاوہ جن معاصر مصادر میں کلامِ غالب کی شرح ملتی ہے اُن کے نام یہ ہیں : (۱) مطالعۂ غالب : اثر لکھنوی (۲) تعبیرِ غالب : ڈاکٹر نیر مسعود (۳) باقیاتِ غالب : وجاہت علی سندیلوی (۴) تفسیرِ غالب : ڈاکٹر گیان چند جین (۵) یادگارِ غالب : مولانا حالی (۶) چار رسائل غالب نامہ نئی دہلی کے مختلف شمارے (۷) رسالہ شب خون الٰہ آباد کے متعدد شمارے جن میں شمس الرحمن فاروقی نے غالب کے اشعار کی شرح کی ہے۔ (۸) گنجینۂ معنی : ڈاکٹر جعفر رضا

۱۳ غالب نے اپنے متعدد مکاتیب میں اپنے بہت سے اشعار کی شرحیں لکھی ہیں جن کی تفصیلات مرقعِ غالب، مرتبہ [illegible] انتخابِ غالب، مرتبہ امتیاز علی عرشی [illegible] مطبع قیمتی بمبئی طبع ۱۹۴۲ء [illegible] جا سکتی [illegible]

۱۴ یادگارِ غالب : مولانا حالی۔ الٰہ آباد طبع ۱۹۵۸ء ص ۱۶۶ تا ۱۶۷

۱۵ غالب : غلام رسول مہر۔ لاہور پبلی کیشنز دہلی ص ۲

۱۶ اردوئے معلیٰ (حصہ اول) : مرزا غالب - اکمل المطابع دہلی طبع اول مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۴۳

۱۷ ایضاً ص ۳۵ تا ۳۶

۱۸ ایضاً ص ۳۵۵ تا ۳۵۶

۱۹ ایضاً ص ۲۹۹ - [عود ہندی طبع اول (ص ۹۹) میں غالب نے اپنے ماموں زاد بھائی کا نام مرزا اورنگ خاں بتایا ہے]

۲۰ ایضاً ص ۴۳

۲۱ آئینۂ غالب - [illegible] دہلی ستمبر ۱۹۶۴ء ص ۲۴۶

۲۲ میرا مضمون قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء ص ۲ نیز ہماری زبان نئی دہلی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۳ دیکھیے : (۱) یادگار غالب : حالی ص ۱۵ (۲) غالب : غلام رسول مہر ص ۵۲ (۳) داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری - آگرہ طبع ۱۹۶۶ء ص ۱۹۶ (۴) ذکر غالب : مالک رام - نئی دہلی طبع ۱۹۷۶ء ص ۴۳ نیز تلامذۂ غالب : مالک رام - نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء ص ۱۳ (۵) بزم غالب : عبدالرؤف عروج - کراچی طبع ۱۹۶۹ء ص ۵۶

۲۴ مکاتیب غالب : مرتبہ امتیاز علی عرشی - ناظم پریس رام پور طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۴۹ء دیباچہ ص ۳

۲۵ دیکھیے : (۱) عود ہندی : غالب - مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۸۵
(۲) احوال غالب : مرتبہ مختار الدین احمد - علی گڑھ طبع جون ۱۹۵۳ء ص ۲۷۲

۲۶ اس اطلاع کے لیے میں استاد محترم مولانا مرتضیٰ حسین فاضل (لاہور) کا ممنون ہوں - کاظم علی خاں

۲۷ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۳۰ تا ۳۱

۲۸ قاطع برہان : مرزا اسد اللہ خاں غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع اول مطبوعہ بستم رمضان ۱۲۷۸ھ [مطابق ۲۲ مارچ ۱۸۶۲ء] ص ۷

۲۹ اردوئے معلیٰ طبع اول ص ۲۵۲

۳۰ ایضاً ص ۲۶۵

۳۱ دیوان غالب لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۱ء ص ۳۹

۳۲ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۱۵۱ تا ۱۵۲

۳۳ بحوالہ نگارشات ادیب : پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۴۹ء ص ۲۹

۳۴ دیوان غالب اردو (نسخۂ عرشی) - انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی طبع ۱۹۸۲ء مقدمہ ص ۸۸ نیز متن ص ۲۵۸ تا ۲۵۹

۳۵ ایضاً متن ص ۱۷۲

۳۶ [illegible]

۳۷ غالب : غلام رسول مہر ص ۱۰۳ تا ۱۰۵

۳۸ رسالہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ ماہ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱۷ (مدیر مولانا حسرت موہانی)

۳۹ تجلیات : مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی - نظامی پریس لکھنؤ طبع اول باب السیرۃ ص ۱۹۵

۴۰ خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں - کتاب نگر لکھنؤ طبع ۱۹۸۱ء ص ۶۷

۴۱ غالب کے بعض بیانات سے آغازِ شاعری کے وقت اُن کی عمر دس نیز پندرہ برس بھی ملتی ہے۔

---

۴۲ میرے یہ تینوں مقالے درج ذیل رسائل میں شائع ہو چکے ہیں:

(۱) مقالہ "مہرِ نیم روز تحقیق کی روشنی میں" در رسالہ اکادمی لکھنؤ ماہ مارچ ۱۹۸۲ء ص ۹۱ تا ۹۲

(۲) "دستنبو کا تحقیقی مطالعہ" در رسالہ اکادمی لکھنؤ ماہ مارچ/اپریل ۱۹۸۳ء ص ۹۲ تا ۹۰

(۳) "پنج آہنگ پر ایک نظر" در رسالہ غالب نامہ نئی دہلی - جنوری ۱۹۸۲ء ص ۹۲ تا ۱۰۳

۴۳ نادراتِ غالب (ح ۲) ص ۱۲

۴۴ ایضاً (حصہ دوم) ص ۲۶ تا ۲۸

۴۵ دستنبو مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب مطبع نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۱۱ تا ۱۳

۴۶ عودِ ہندی طبع اول ص ۱۱۱

۴۷ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۲۸۹

۴۸ دیکھیے: (۱) دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) ص ۳۲

(۲) غالب کا منسوخ دیوان: مرتبہ مسلم ضیائی - کراچی طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۲۳ تا ۲۲۷

۴۹ مشمولہ دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) متن ص ۳۵۵

۵۰ ایضاً متن ص ۳۵۳ تا ۳۵۵ ۵۱ ایضاً متن ص ۳۵۵ ۵۲ ایضاً متن ص ۳۵۸ ۵۳ ایضاً متن ص ۳۶

۵۴ ایضاً متن ص ۳۲۶ تا ۳۲۸ ۵۵ ایضاً متن ص ۱۰۹ ۵۶ غالب کا منسوخ دیوان ص ۳۱۵ ۵۷ دیوانِ غالب اردو

(نسخۂ عرشی) متن ص ۳۲۹ ۵۸ ایضاً متن ص ۳۴ ۵۹ اردوئے معلیٰ حصہ اول طبع اول ص ۳۹۳ تا ۳۹۴

۶۰ دیکھیے: (۱) دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) ص ۳۲ حاشیہ

(۲) غالب کے خطوط (جلد اول): مرتبہ خلیق انجم، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی طبع ۱۹۸۴ء ص ۲۳۲

۶۱ اردوئے معلیٰ حصہ اول جلد دوم (مرزا ...) : مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۶۹ء ص ۴۲۹

۶۲ خطوطِ غالب مجموعہ (حصہ اول): مرتبہ مالک رام طبع ۱۹۶۲ء ص ۳۲۵ تا ۳۲۶

کتابیات

۱- عودِ ہندی : غالب - طبع اوّل نیز دیگر اشاعتیں

۲- اردوئے معلّی : غالب - حصہ ۱ - طبع اوّل نیز دیگر اشاعتیں

۳- مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا عرشی - مختلف اشاعتیں

۴- نادراتِ غالب : مرتبہ آفاق حسین آفاق

۵- ادبی خطوطِ غالب : مرتبہ مرزا محمد عسکری

۶- اردوئے معلّی : غالب - حصہ ۲ طبع اوّل

۷- خطوطِ غالب جلد ۱ : مرتبہ مہیش پرشاد

۸- خطوطِ غالب جلد ۱ : مرتبہ مالک رام

۹- خطوطِ غالب : مرتبہ مولانا غلام رسول مہر

۱۰- غالب کی نادر تحریریں : مرتبہ خلیق انجم

۱۱- نادر خطوطِ غالب : مرتبہ سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی

۱۲- غالب کے خطوط : مرتبہ خلیق انجم متعدد جلدیں

۱۳- داستانِ تاریخ اردو : حامد حسن قادری

۱۴- غالب : ڈاکٹر سید عبداللطیف

۱۵- تلاشِ غالب : نثار احمد فاروقی

۱۶- صحیفہ لاہور غالب نمبر جنوری ۱۹۶۹ء

۱۷- تذکرۂ مخزنِ شعرا : مولفہ قاضی نورالدین حسین خاں فائق - مرتبہ مولوی عبدالحق

۱۸- خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ : کاظم علی خاں (راقم الحروف) ۱۹۸۱ء - کتاب نگر لکھنؤ -

۱۹- مہر نیم روز مشمولہ کلیاتِ نثرِ غالب

۲۰- غالب اور شاہانِ تیموریہ : خلیق انجم

۲۱- مجموعۂ نثرِ غالب اردو : مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی

۲۲ - یادگارِ غالب : مولانا حالی

۲۳ - بہادر شاہ ظفر : امیر احمد علوی

۲۴ - متفرقاتِ غالب : مرتبہ مسعود حسن ادیب

۲۵ - نگارشاتِ ادیب : مسعود حسن رضوی ادیب

۲۶ - ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا : مولانا امداد صابری

۲۷ - پنج آہنگ : غالب

۲۸ - پنج آہنگ (آہنگ پنجم) : مترجمہ محمد عمر مہاجر

۲۹ - دیوانِ غالب - مطبع صدر مجیس، لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء

۳۰ - دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی)

۳۱ - شعاعِ مہر : مرزا حاتم علی مہر - آگرہ طبع ۱۸۶۰ء

۳۲ - دستنبو : غالب

۳۳ - لکھنؤ کا دبستانِ شاعری : ابواللیث صدیقی

۳۴ - اردو مثنوی شمالی ہند میں : ڈاکٹر گیان چند جین

۳۵ - کلیاتِ غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۳ء/۱۲۷۹ھ

۳۶ - غالب اور ذکا : ضیاء الدین احمد شکیب

۳۷ - غالب اور حیدر آباد : ضیاء الدین احمد شکیب

۳۸ - تلامذۂ غالب : مالک رام طبع اول و طبع دوم

۳۹ - متعلقاتِ غالب : کالی داس گپتا رضا

۴۰ - بزمِ غالب : عبد الرؤف عروج

۴۱ - فیضانِ غالب : عرش ملسیانی

۴۲ - گنجینۂ معنی : ڈاکٹر جعفر رضا

۴۳ - خم خانۂ جاوید : لالہ سری رام (متعدد جلدیں)

۴۴ - تذکرۂ ریاض الفردوس : تالیف محمد حسین خاں - ترتیب و حواشی مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

۴۵ - تاریخِ ادب اردو : مترجمہ مرزا محمد عسکری

۴۶ - تاریخِ لطیف تلخیص از اکبر علی خاں عرشی زادہ مشمولہ نگار رام پور جولائی ۱۹۶۳ء

۴۷ - رجب علی بیگ سرور - حیات اور کارنامے : ڈاکٹر نیر مسعود

۴۸ - سخنِ شعرا : ناسخ - لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء

۴۹ - طورِ کلیم : نور الحسن خاں کلیم - آگرہ طبع ۱۲۹۸ھ [۱۸۸۱ء]

۵۰ - گلشنِ بے خار : شیفتہ - لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء

۵۱ - تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا : سعادت خاں ناصر

۵۲ - سراپا سخن : محسن علی محسن - لکھنؤ طبع ۱۸۶۱ء نیز ۱۸۷۵ء

۵۳ - گلستانِ بے خزاں : باطن - لکھنؤ طبع جون ۱۸۷۵ء

۵۴ - بزمِ سخن : سید علی حسن خاں سلیم - آگرہ طبع ۱۸۸۱ء

۵۵ - تذکرۂ نادر : مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

۵۶ - انشائے سرور : تصنیف مرزا رجب علی بیگ سرور - ترتیب مرزا احمد علی لکھنؤ طبع جون ۱۹۱۶ء

۵۷ - گلزارِ سرور : رجب علی بیگ سرور - مطبع افضل المطابع فرنگی محل لکھنؤ [طبع اوّل]

۵۸ - سرورِ سلطانی : رجب علی بیگ سرور - مرتبہ پروفیسر آغا سہیل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع ۱۹۷۵ء

۵۹ - دکن میں اردو : نصیر الدین ہاشمی لکھنؤ طبع ۱۹۶۳ء

۶۰ - انتخابِ غالب : مرتبہ عبد الرزاق راشد - حیدر آباد دکن طبع ۱۹۲۶ء

۶۱ - عیارِ غالب : مرتبہ مالک رام - دلی طبع ۱۹۶۹ء

۶۲ - ذکرِ غالب : مالک رام - نئی دہلی طبع فروری ۱۹۷۶ء

۶۳ - میراممن سے عبد الحق تک : ڈاکٹر سید عبد اللہ

۶۴ - محاسنِ خطوطِ غالب : ڈاکٹر غلام حسین ذو الفقار - لاہور طبع ۱۹۶۹ء

۶۵ - قاطعِ برہان : غالب - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ - طبع اوّل مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۲۷۸ھ [مارچ ۱۸۶۲ء]

۶۶ - باغِ دو در : غالب - مرتبہ وزیر الحسن عابدی - لاہور طبع ۱۹۷۰ء

۶۷ - نقدِ غالب : مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

۶۸ - مقالہ "غالب بہ حیثیت محقق" از قاضی عبد الودود مشمولہ نقدِ غالب

۶۹ - آبِ حیات : محمد حسین آزاد - الہ آباد طبع ۱۹۶۳ء

۷۰ - ناسخ : ڈاکٹر شبیہ الحسن نونہروی - لکھنؤ طبع ۱۹۷۵ء

۷۱ - تحقیقی مطالعے (حصہ اول) : عطا کاکوی - پٹنہ طبع ستمبر ۱۹۶۵ء

۷۲ - بزمِ خیال : صفدر مرزاپوری

۷۳ - غالب نامہ نئی دہلی مختلف شمارے

۷۴ - تذکرۂ جلوۂ خضر : صفیر بلگرامی - تلخیص و تنقید : ڈاکٹر ظفر اوگانوی - کلکتہ دسمبر ۱۹۷۳ء

۷۵ - آئینۂ غالب طبع ستمبر ۱۹۶۷ء

۷۶ - احوالِ غالب : مرتبہ مختار الدین احمد

۷۷ - معاصر پٹنہ حصہ ۲ - ماہ جنوری ۱۹۵۲ء

۷۸ - اردو کی نثری داستانیں : گیان چند جین (متعدد اشاعتیں)

۷۹ - شمعِ انجمن : صدیق حسن خاں - بھوپال طبع ۱۲۹۳ھ

۸۰ - حدائق الانظار : مترجمہ بدر الدین خاں - مطبع بدر الدجی دہلی بار دوم مطبوعہ ۱۲۹۲ھ

۸۱ - غیاث اللغات : مولوی غیاث الدین رام پوری - مطبع نول کشور کان پور طبع نومبر ۱۸۷۴ء

۸۲ - مُعلّم تاریخ : مترجمہ اقتدار احمد ساحر سہسوانی مراد آباد طبع دسمبر ۱۹۱۲ء

۸۳ - کلیاتِ قدر : سید غلام حسنین قدر بلگرامی [مع تلمیذِ غالب] مطبع مفید عام آگرہ مطبوعہ ۱۸ جولائی ۱۸۹۱ء

۸۴ - سروشِ سخن : سخن دہلوی - مطبع نول کشور کان پور طبع اکتوبر ۱۸۹۵ء

۸۵ - ہنگامۂ دل آشوب : مرتبہ قدرت نقوی - کراچی طبع ۱۹۶۹ء
۸۶ - علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء)
۸۷ - قادر نامہ : غالب - مرتبہ عبدالقوی دسنوی بھوپال طبع ۱۹۷۱ء
۸۸ - غالب نامہ : شیخ محمد اکرام
۸۹ - لطائف غیبی - اکمل المطابع دہلی طبع اول مطبوعہ ۱۲۸۱ھ [۱۸۶۴ء]
۹۰ - تقویم یک صد و دو سالہ - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۵ء
۹۱ - قاطع برہان و رسائل متعلقہ (حصہ اول) : مرتبہ قاضی عبدالودود - دہلی طبع ۱۹۶۷ء
۹۲ - میاں داد خاں سیاح اور ان کا کلام : مرتبہ سید ظہیر الدین مدنی حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء
۹۳ - تیغ تیز : غالب - مطبع اکمل المطابع دہلی [طبع اول مطبوعہ ۱۸۶۷ء]
۹۴ - غالب ببلیوگرافی : مرتبہ ڈاکٹر انصار اللہ - علی گڑھ طبع ۱۹۷۲ء
۹۵ - بین الاقوامی غالب سمینار : مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں دہلی طبع ۱۹۶۹ء
۹۶ - غالب اور ان کے معترضین : سید لطیف الرحمٰن - اسرار کریمی پریس الٰہ آباد طبع جنوری ۱۹۷۳ء
۹۷ - انتخاب یادگار : امیر مینائی - تاج المطابع [رام پور] مطبوعہ چہارم ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ
۹۸ - دافع ہذیان : مولوی نجف علی خاں - اکمل المطابع دہلی طبع ۱۲۸۱ھ
۹۹ - آج کل نئی دہلی غالب نمبر فروری ۱۹۶۹ء (مقالہ منظور الحسن برکاتی)
۱۰۰ - تقویم ہجری و عیسوی : مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی - دہلی طبع مارچ ۱۹۷۷ء
۱۰۱ - مفتاح التقویم : حبیب الرحمٰن خاں صابری - نئی دہلی ۱۹۷۷ء
۱۰۲ - روح غالب : مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور - حیدرآباد دکن طبع ۱۹۵۵ء
۱۰۳ - غالب اور سرور : ایم حبیب خاں دہلی دسمبر ۱۹۷۵ء
۱۰۴ - زبان و ادب پٹنہ (رسالہ) اکتوبر ۱۹۷۶ء (مقالہ سید معین الرحمٰن)
۱۰۵ - فغان بے خبر : خواجہ غلام غوث بے خبر - نام ور پریس الٰہ آباد طبع اول مطبوعہ ۱۸۹۱ء
۱۰۶ - انشائے بے خبر : تالیف بے خبر - مرتبہ انتظام اللہ شہابی - مرتضائی پریس آگرہ طبع اول
۱۰۷ - اردو کے اسالیب نثر : ڈاکٹر امیر اللہ شاہین - دہلی اپریل ۱۹۷۷ء
۱۰۸ - تنقیدیں : اویس احمد ادیب - الٰہ آباد طبع ۱۹۴۴ء
۱۰۹ - مطالعۂ خطوط غالب : عبدالقوی دسنوی - بھوپال طبع فروری ۱۹۷۵ء
۱۱۰ - غالب کا منسوخ دیوان : مرتبہ مسلم ضیائی - کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء
۱۱۱ - سبد چین : غالب - مرتبہ مالک رام - مکتبہ جامعہ دہلی طبع ۱۹۳۸ء
۱۱۲ - تجلیات : مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی - نظامی پریس لکھنؤ طبع اول
۱۱۳ - نذر عرشی : مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد دہلی طبع دسمبر ۱۹۶۵ء
۱۱۴ - معیار پٹنہ (رسالہ) : مدیر قاضی عبدالودود ماہ مارچ ۱۹۳۶ء (مشمولہ خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ)
۱۱۵ - دو ماہی اکادمی لکھنؤ مارچ ۱۹۸۲ء (مقالہ کاظم علی خاں)

۱۱۶- خطباتِ گارساں دتاسی (حصہ ۲) - کراچی طبع ۱۹۷۴ء

۱۱۷- تلاش و تحقیق : کاظم علی خاں - نظامی پریس لکھنؤ - طبع جولائی ۱۹۸۹ء

۱۱۸- مرقعِ غالب : مرتبہ پرتھوی چند - دہلی طبع ۱۹۶۶ء

۱۱۹- مرقعِ ادب : صفدر مرزاپوری (حصہ دوئم)

۱۲۰- مطالعۂ داغ : ڈاکٹر سید محمد علی زیدی - طبع ۱۹۷۴ء

۱۲۱- داغ دہلوی : نور اللہ محمد نوری - حیدرآباد دکن طبع ۱۳۵۵ھ

۱۲۲- زبانِ داغ : سید رفیق مارہروی

۱۲۳- دردِ چراغِ محفل : سید حسام الدین راشدی - کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء

۱۲۴- قطعِ منتخب : نساخ - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء

۱۲۵- قاموس المشاہیر (جلد ۱ نمبر ۲) : نظامی بدایونی

۱۲۶- گنجینۂ غالب - نئی دہلی طبع فروری ۱۹۶۹ء (مقالہ ڈاکٹر اعجاز حسین)

۱۲۷- معیار و میزان : ڈاکٹر مسیح الزماں - الہ آباد ۱۹۶۸ء

۱۲۸- مباحث : ڈاکٹر سید عبداللہ دہلی ۱۹۶۸ء

۱۲۹- غالب کا تنقیدی شعور (مکتوبات کے آئینے میں) : اخلاق حسین عارف لکھنؤ طبع ۱۹۶۹ء

۱۳۰- نکاتِ غالب : مرتبہ نظامی بدایونی - نظامی پریس بدایوں

۱۳۱- ادبی اشارے : ڈاکٹر سلام سندیلوی - لکھنؤ طبع اپریل ۱۹۶۹ء

۱۳۲- زبان اور قواعد : رشید حسن خاں - نئی دہلی طبع اگست ۱۹۷۶ء

۱۳۳- گلدستۂ عشق : رند لکھنوی - مطبع نول کشور طبع جولائی ۱۸۸۴ء

۱۳۴- غالب کے معنوی اساتذہ : ظفر ادیب - دہلی طبع جون ۱۹۸۰ء

۱۳۵- میری اصلاحیں (حصہ ۲) : اختر احسنی گنوری

۱۳۶- تنقید سے تحقیق تک : ڈاکٹر عنوان چشتی - دہلی طبع ۱۹۷۴ء

۱۳۷- بحر الفصاحت : محمد نجم غنی نجمی رام پوری - مطبع منشی نول کشور لکھنؤ طبع ۱۹۱۷ء

۱۳۸- کلیاتِ آتش - مطبع نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء

۱۳۹- حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم - لاہور طبع دسمبر ۱۹۶۴ء

۱۴۰- شیعہ کالج میگزین لکھنؤ ۸۸-۱۹۸۷ء : مرتبہ کاظم علی خاں (مقالہ احمد جمال پاشا)

۱۴۱- مطالعۂ غالب : اثر لکھنوی

۱۴۲- تعبیرِ غالب : ڈاکٹر نیر مسعود

۱۴۳- باقیاتِ غالب : وجاہت علی سندیلوی

۱۴۴- تفسیرِ غالب : ڈاکٹر گیان چند جین

۱۴۵- انتخابِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی - بمبئی طبع ۱۹۴۲ء

۱۴۶- فسانۂ غالب : مالک رام - نئی دہلی طبع ۱۹۷۷ء

۱۴۷- دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) طبع اول و طبع دوئم

۱۴۸- خیابانِ تفریح : جوہا مرادآبادی - مطبع نول کشور لکھنؤ طبع اکتوبر ۱۸۸۱ء

Kazim Ali Khan
KAZIM ALI KHAN
27-B/10, JOPLING ROAD,
LUCKNOW-226001
Res. Phone:-236034